

صحابہ کرام کی زندگی



مثبت خصوصیات کو اپنانا ذہنی
سکون کا باعث بنتا ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں

شیخ پوڈ کتب

شیخ پوڈ کتب، 2023 کے ذریعہ شائع کیا گیا۔

اگرچہ اس کتاب کی تیاری میں تمام احتیاط برتی گئی ہے، ناشر غلطیوں یا کوتاہی یا یہاں موجود معلومات کے استعمال کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کے لیے کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں

پہلی اشاعت . 31 اگست 2023۔

کاپی رائٹ © 2023 شیخ پوڈ کتب۔

شیخ پوڈ کتب کے ذریعہ تحریر کردہ۔

فہرست کا خانہ

فہرست کا خانہ

اعترافات

مرتب کرنے والے کے نوٹس

تعارف

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں

عمرو بن عباس سلمی رضی اللہ عنہ - 1

عمرو بن عباس سلمی رضی اللہ عنہ - 2

خالد بن سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ - 1

دماد رضی اللہ عنہ - 1

ابو بصیر رضی اللہ عنہ - 1

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ - 1

خباب بن ارت رضی اللہ عنہ - 1

عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ - 1

عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ - 2

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ - 1

ابو امامہ، اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ - 1

ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ - 1

ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ - 2

زید بن صعنہ رضی اللہ عنہ - 1

عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ - 1

عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 1

دمام بن ثعلبه رضی اللہ عنہ - 1

عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ - 1

طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ - 1

طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ - 2

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ - 1

جریر بن عبداللہ - 1

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ

عمرو بن شاس اسلمی رضی اللہ عنہ - 1

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 1

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 2

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 3

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 4

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 5

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 6

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 7

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 8

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 9

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 10

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 11

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 12

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 13

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 14

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 15

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 16

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 17

عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ - 1

عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ - 2

حمزہ ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ - 1

حمزہ ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ - 2

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ - 1

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ - 2

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ - 3

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ - 4

عبدالله بن زبیر رضی اللہ عنہ - 1

بلال بن رباح رضی اللہ عنہ - 1

بلال بن رباح رضی اللہ عنہ - 2

بلال بن رباح رضی اللہ عنہ - 3

بلال بن رباح رضی اللہ عنہ - 4

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ - 1

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ - 2

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ - 3

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ - 4

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ - 5

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ - 6

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ - 7

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ - 8

عثمان بن مدعون رضی اللہ عنہ - 1

عثمان بن مدعون رضی اللہ عنہ - 2

عثمان بن مدعون رضي الله عنه - 3

عثمان بن مدعون رضي الله عنه - 4

عثمان بن مدعون رضي الله عنه - 5

مصعب بن عمير رضي الله عنه - 1

مصعب بن عمير رضي الله عنه - 2

مصعب بن عمير رضي الله عنه - 3

مصعب بن عمير رضي الله عنه - 4

مصعب بن عمير رضي الله عنه - 5

عبدالله بن حذيفه رضي الله عنه - 1

شعيب رومي رضي الله عنه - 1

دهمره بن عيسى رضي الله عنه - 1

عباده بن صامت رضي الله عنه - 1

عباده بن صامت رضي الله عنه - 2

عباده بن صامت رضي الله عنه - 3

سعد بن معاذ رضي الله عنه - 1

سعد بن معاذ رضي الله عنه - 2

سعد بن معاذ رضي الله عنه - 3

مقداد بن عمرو رضي الله عنه - 1

مقداد بن عمرو رضي الله عنه - 2

عمير بن بمام رضي الله عنه - 1

سهيل بن عمرو رضي الله عنه - 1

ابو خيثمه رضي الله عنه - 1

ابن يامين رضي الله عنه - 1

عبدالله بن رواحه رضي الله عنه - 1

عبدالله بن رواحه رضى الله عنه - 2

عبدالله بن رواحه رضى الله عنه - 3

عبدالله بن رواحه رضى الله عنه - 4

عبدالله بن رواحه رضى الله عنه - 5

كعب بن مالك رضى الله عنه - 1

كعب بن مالك رضى الله عنه - 2

كعب بن مالك رضى الله عنه - 3

ابو ايوب انصارى رضى الله عنه - 1

عباد بن بشر رضى الله عنه - 1

طلحه بن عبید الله رضى الله عنه - 1

طلحه بن عبید الله رضى الله عنه - 2

طلحه بن عبیدالله رضى الله عنه - 3

انس بن نضر رضى الله عنه - 1

عبيده بن حارث رضى الله عنه - 1

زيد بن دثينه رضى الله عنه - 1

خبیب بن عدی رضى الله عنه - 1

قتاده بن نعمان رضى الله عنه - 1

خالد بن وليد رضى الله عنه - 1

خالد بن وليد رضى الله عنه - 2

خالد بن وليد رضى الله عنه - 3

خالد بن وليد رضى الله عنه - 4

خالد بن وليد رضى الله عنه - 5

خالد بن وليد رضى الله عنه - 6

خالد بن وليد رضى الله عنه - 7

خالد بن وليد رضى الله عنه - 8

خالد بن وليد رضى الله عنه - 9

خالد بن وليد رضى الله عنه - 10

خالد بن وليد رضى الله عنه - 11

ابو سعيد خدرى رضى الله عنه - 1

عباس ابن المطلب رضى الله عنه - 1

عباس ابن المطلب رضى الله عنه - 2

عبدالله بن عباس رضى الله عنه - 1

عبدالله بن عباس رضى الله عنه - 2

عبدالله بن عباس رضى الله عنه - 3

عبدالله بن عباس رضى الله عنه - 4

عبدالله بن عباس رضى الله عنه - 5

عبدالله بن عباس رضى الله عنه - 6

عبدالله بن عباس رضى الله عنه - 7

عبدالله بن عباس رضى الله عنه - 8

عبدالله بن عباس رضى الله عنه - 9

عبدالله بن عباس رضى الله عنه - 10

عبدالله بن عباس رضى الله عنه - 11

عبدالله بن عباس رضى الله عنه - 12

عبدالله بن عباس رضى الله عنه - 13

عبدالله بن عباس رضى الله عنه - 14

فضل ابن عباس رضى الله عنه - 1

فضل ابن عباس رضى الله عنه - 2

عبدالله بن عمر رضى الله عنه - 1

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 2

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 3

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 4

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 5

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 6

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 7

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 8

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 9

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 10

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 11

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 12

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 13

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 14

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 15

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 16

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 17

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 18

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 19

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 20

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 21

عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ - 22

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ - 1

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ - 2

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ - 3

حذيفه بن يمان رضى الله عنه - 4

حذيفه بن يمان رضى الله عنه - 5

حذيفه بن يمان رضى الله عنه - 6

حذيفه بن يمان رضى الله عنه - 7

حذيفه بن يمان رضى الله عنه - 8

ابو عبيده بن جراح رضى الله عنه - 1

ابو عبيده بن جراح رضى الله عنه - 2

ابو عبيده بن جراح رضى الله عنه - 3

ابو عبيده بن جراح رضى الله عنه - 4

ابو عبيده بن جراح رضى الله عنه - 5

ابو عبيده بن جراح رضى الله عنه - 6

ابو عبيده بن جراح رضى الله عنه - 7

ابو عبيده بن جراح رضى الله عنه - 8

ابو عبيده بن جراح رضى الله عنه - 9

ابو درداء رضى الله عنه - 1

ابو درداء رضى الله عنه - 2

ابو درداء رضى الله عنه - 3

ابو درداء رضى الله عنه - 4

ابو درداء رضى الله عنه - 5

ابو درداء رضى الله عنه - 6

ابو درداء رضى الله عنه - 7

ابو درداء رضى الله عنه - 8

ابو درداء رضى الله عنه - 9

ابو درداء رضى الله عنه - 10

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 11

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 12

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 13

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 14

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 15

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 16

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 17

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 18

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 19

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 20

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 21

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 22

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 23

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 24

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 25

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 26

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 27

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 28

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 29

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 30

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 31

ابو قتاده رضی اللہ عنہ - 1

سعید بن عامر رضی اللہ عنہ - 1

ابو عقیل رضی اللہ عنہ - 1

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ - 1

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ - 2

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ - 3

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ - 4

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ - 5

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ - 6

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ - 7

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ - 8

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 1

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 2

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 3

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 4

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 5

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 6

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 7

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 8

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 9

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 10

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 11

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 12

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 13

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 14

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 15

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 16

جعفر ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ - 1

جعفر ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ - 2

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ - 1

قیس بن سعد - 1

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ - 1

عمر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ - 1

ثوبان رضی اللہ عنہ - 1

عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ - 1

معن بن عدی رضی اللہ عنہ - 1

ابو لبابہ بن منذر رضی اللہ عنہ - 1

ابو لبابہ بن منذر رضی اللہ عنہ - 2

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ - 1

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ - 2

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ - 3

معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ - 1

معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ - 2

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - 1

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - 2

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - 3

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - 4

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - 5

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - 6

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - 7

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - 8

سعد ابن ابى وقاص رضى الله عنه - 9

سعيد بن زياد رضى الله عنه - 1

سعيد بن زياد رضى الله عنه - 2

ابو دجانه رضى الله عنه - 1

انس بن مالك رضى الله عنه - 1

انس بن مالك رضى الله عنه - 2

انس بن مالك رضى الله عنه - 3

عبدالله بن مسعود رضى الله عنه - 1

عبدالله بن مسعود رضى الله عنه - 2

عبدالله بن مسعود رضى الله عنه - 3

عبدالله بن مسعود رضى الله عنه - 4

عبدالله بن مسعود رضى الله عنه - 5

عبدالله بن مسعود رضى الله عنه - 6

عبدالله بن مسعود رضى الله عنه - 7

عبدالله بن مسعود رضى الله عنه - 8

عبدالله بن مسعود رضى الله عنه - 9

عبدالله بن مسعود رضى الله عنه - 10

عبدالله بن مسعود رضى الله عنه - 11

عبدالله بن مسعود رضى الله عنه - 12

عبدالله بن مسعود رضى الله عنه - 13

عبدالله بن مسعود رضى الله عنه - 14

عبدالله بن مسعود رضى الله عنه - 15

عبدالله بن مسعود رضى الله عنه - 16

عبدالله بن مسعود رضى الله عنه - 17

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 18

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 19

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 20

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 21

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 22

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 23

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 24

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 25

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 26

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 27

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 28

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 29

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 30

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 31

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 32

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 33

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 34

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 35

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 36

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 37

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 38

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 39

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 40

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 41

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 42

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 43

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 44

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 45

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 46

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 47

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ - 48

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 1

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 2

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 3

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 4

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 5

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 6

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 7

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 8

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 9

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 10

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 11

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 12

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 13

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 14

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 15

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ - 1

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ - 2

ابو موسى اشعري رضي الله عنه - 3

ابو موسى اشعري رضي الله عنه - 4

ابو موسى اشعري رضي الله عنه - 5

ابو موسى اشعري رضي الله عنه - 6

ابو موسى اشعري رضي الله عنه - 7

ابو موسى اشعري رضي الله عنه - 8

ابو موسى اشعري رضي الله عنه - 9

ابو موسى اشعري رضي الله عنه - 10

ابو موسى اشعري رضي الله عنه - 11

ربيعة بن كعب رضي الله عنه - 1

عمرو بن تغلب رضي الله عنه - 1

شداد بن اوس رضي الله عنه - 1

ابو طلحة رضي الله عنه - 1

فضله بن عبيد رضي الله عنه - 1

ابي بن كعب رضي الله عنه - 1

ابي بن كعب رضي الله عنه - 2

ابي بن كعب رضي الله عنه - 3

ابي بن كعب رضي الله عنه - 4

ابي بن كعب رضي الله عنه - 5

عمرو ابن العاص رضي الله عنه - 1

عمرو ابن العاص رضي الله عنه - 2

عمرو ابن العاص رضي الله عنه - 3

عمرو ابن العاص رضي الله عنه - 4

عمرو ابن العاص رضي الله عنه - 5

عمرو ابن العاص رضى الله عنه - 6

عمرو ابن العاص رضى الله عنه - 7

عبدالله بن عمرو بن عاص رضى الله عنه - 1

عبدالله بن عمرو بن عاص رضى الله عنه - 2

عبدالله بن عمرو بن عاص رضى الله عنه - 3

سالم مولا ابو حذيفه رضى الله عنه - 1

سالم مولا ابو حذيفه رضى الله عنه - 2

ابو بريحه رضى الله عنه - 1

ابو بريحه رضى الله عنه - 2

عبدالله بن ام مكتوم رضى الله عنه - 1

عبدالله بن ام مكتوم رضى الله عنه - 2

زيد بن ارقم رضى الله عنه - 1

صفوان بن المطلق رضى الله عنه - 1

ابو جندل رضى الله عنه - 1

عكرمه ابن ابو جهل رضى الله عنه - 1

عكرمه ابن ابو جهل رضى الله عنه - 2

عثمان بن طلحه رضى الله عنه - 1

صفوان بن اميه رضى الله عنه - 1

عتاب بن اسيد رضى الله عنه - 1

ذو البيجادين رضى الله عنه - 1

عثمان ابن ابى العاص رضى الله عنه - 1

اشج المنذر بن عامر رضى الله عنه - 1

جرير بن عبدالله البجلي رضى الله عنه - 1

تميم الدارى رضى الله عنه - 1

كعب بن عجره رضى الله عنه - 1

بريده بن حصيب رضى الله عنه - 1

ربيعة الاسلمى رضى الله عنه - 1

رافع ابن عمرو رضى الله عنه - 1

ميران ابن دهى (رح -) 1

زيد بن ثابت رضى الله عنه - 1

مثنى ابن حارثه رضى الله عنه - 1

عبدالله ابن قيس رضى الله عنه - 1

اچھ کردار پر 400 سے زياده مفت اي بکس

ديگر شيخ پوڈ ميڈيا

اعترافات

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا رب ہے، جس نے ہمیں اس جلد کو مکمل کرنے کی تحریک، موقع اور طاقت بخشی۔ درود و سلام ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کا راستہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی نجات کے لیے چنا ہے۔

ہم شیخ پوڈ کے پورے خاندان، خاص طور پر اپنے چھوٹے ستارے یوسف کے لیے اپنی تہہ دل سے تعریف کرنا چاہیں گے، جن کی مسلسل حمایت اور مشورے نے شیخ پوڈ کتب کی ترقی کو متاثر کیا ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا کرم مکمل فرمائے اور اس کتاب کے ہر حرف کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے اور اسے روز آخرت میں ہماری طرف سے گواہی دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور بے شمار درود و سلام ہو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، آپ کی آل اور صحابہ کرام پر، اللہ ان سب سے راضی ہو۔

مرتب کرنے والے کے نوٹس

ہم نے اس جلد میں انصاف کرنے کی پوری کوشش کی ہے تاہم اگر کوئی شارٹ فال نظر آئے تو مرتب کرنے والا ذاتی طور پر ذمہ دار ہے۔

ہم ایسے مشکل کام کو مکمل کرنے کی کوشش میں غلطیوں اور کوتاہیوں کے امکان کو قبول کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم نے لاشعوری طور پر ٹھوکر کھائی ہو اور غلطیوں کا ارتکاب کیا ہو جس کے لیے ہم اپنے قارئین سے درگزر اور معافی کے لیے دعا گو ہیں اور ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے گی۔ ہم تہ دل سے تعمیری تجاویز کی دعوت دیتے ہیں جو ShaykhPod.Books@gmail.com پر دی جا سکتی ہیں۔

تعارف

مندرجہ ذیل مختصر کتاب میں اسلام کے چار ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے علاوہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی سے کچھ اسباق پر بحث کی گئی ہے: ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان ابن عفان اور علی ابن۔ ابو طالب رضی اللہ عنہ جن کی زندگیوں پر الگ الگ کتابوں میں بحث کی گئی ہے۔

زیر بحث اسباق کو نافذ کرنے سے ایک مسلمان کو اعلیٰ کردار حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ قیامت کے ترازو میں سب سے وزنی چیز حسن اخلاق ہوگی۔ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات میں سے ایک ہے جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورہ نمبر 68 القلم آیت نمبر 4 میں فرمائی ہے

“اور بے شک آپ بڑے اخلاق کے مالک ہیں۔”

لہذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اعلیٰ کردار کے حصول کے لیے قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو حاصل کریں اور اس پر عمل کریں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں

عمرو بن عباس سلمی رضی اللہ عنہ - 1

اسلام قبول کرنے سے پہلے عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی کیونکہ وہ اس کی غلطی کو پہچانتے تھے۔ اس کے بعد اس نے مکہ میں ایک شخص کے بارے میں سنا کہ وہ نبی ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے، یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ وہ چھپ چھپ کر اس سے ملنے مکہ گیا، کیونکہ مکہ کے لوگ اس سے سخت دشمنی رکھتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے بعد اور اسلام کے بعض پہلوؤں پر گفتگو کی جن میں رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کی اہمیت بھی شامل تھی۔ اسلام قبول کر لیا اور کہا گیا کہ اپنی قوم میں واپس آؤ اور صرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آؤ، جب انہوں نے سنا کہ حالات ان کے حق میں ہیں۔ کچھ سالوں کے بعد عمرو رضی اللہ عنہ نے سنا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو آپ نے بھی وہیں ہجرت کی۔ صحیح مسلم نمبر 1930 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

عمرو رضی اللہ عنہ نے عقل سے کام لیا اور بے جان بتوں کی پوجا کرنے میں اپنے اردگرد کے لوگوں کی اندھی پیروی نہیں کی۔

اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید ایک بڑی وجہ ہے جس کی وجہ سے لوگ سچائی کو مسترد کرتے ہیں، جیسے یوم حشر۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی عقل کو بروئے کار لاتے ہوئے شہادتوں اور واضح نشانیوں پر مبنی طرز زندگی کا انتخاب کرے اور مویشیوں کی طرح دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرے۔ اس طرح کا برتاؤ انحراف کی طرف لے جاتا ہے۔

مسلمانوں کو غیر مسلموں کے رسم و رواج کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ مسلمان جتنا زیادہ ایسا کریں گے وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔ یہ اس دور اور دور میں بالکل واضح ہے کیونکہ بہت سے مسلمانوں نے دوسری قوموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، کسی کو صرف جدید مسلم شادی کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ مسلمانوں نے کتنے غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے۔ جو چیز اس سے بدتر بناتی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات اور غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں پر مبنی اسلامی طریقوں میں فرق نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ سے غیر مسلم بھی ان میں تفریق نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے اسلام کے لیے بہت زیادہ مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر غیرت کے نام پر قتل ایک ثقافتی عمل ہے جس کا ابھی تک اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی جہالت اور غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنانے کی ان کی عادت کی وجہ سے جب بھی معاشرے میں غیرت کے نام پر قتل ہوتا ہے تو اسلام کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو متحد کرنے کے لیے ذات پات اور بھائی چارے کی شکل میں سماجی رکاوٹوں کو دور کیا لیکن جاہل مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنا کر انہیں زندہ کیا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، مسلمان جتنے زیادہ ثقافتی طریقوں کو اپنائیں گے، وہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔

اندھی تقلید اسلام میں بھی ناپسندیدہ ہے۔

سنن ابن ماجہ، نمبر 4049 میں موجود ایک حدیث، اسلام قبول کرنے میں دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ کسی کے اہل خانہ، بغیر اسلامی علم حاصل کیے اور اس پر عمل کیے، تاکہ کوئی شخص اندھی تقلید سے آگے نکل جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔ اپنے رب اور ان کی اپنی بندگی کو پہچاننا۔ یہ دراصل بنی نوع انسان کا مقصد ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56

”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔“

کوئی ایسے شخص کی عبادت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ پہچانتا بھی نہیں؟ اندھی تقلید بچوں کے لیے قابل قبول ہے لیکن بڑوں کو چاہیے کہ وہ علم کے ذریعے اپنی تخلیق کے مقصد کو صحیح معنوں میں سمجھ کر صالح پیشروؤں کے نقش قدم پر چلیں۔ جہالت ہی اس کی وجہ ہے کہ جو مسلمان اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں وہ آج بھی اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق محسوس کرتے ہیں۔ یہ پہچان ایک مسلمان کو صرف پانچ وقت کی فرض نمازوں کے دوران نہیں بلکہ پورے دن اللہ کے سچے بندے کے طور پر برتاؤ کرنے میں مدد دیتی ہے۔ صرف اسی کے ذریعے مسلمان اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کو پورا کریں گے۔ اور یہی وہ ہتھیار ہے جو مسلمان کو اپنی زندگی کے دوران پیش آنے والی تمام مشکلات پر قابو پاتا ہے۔ اگر ان کے پاس یہ نہیں ہے تو انہیں اجر حاصل کیے بغیر مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ درحقیقت یہ دونوں جہانوں میں مزید مشکلات کا باعث بنے گا۔ اندھی تقلید کے ذریعے فرائض کی ادائیگی سے فرض تو پورا ہو سکتا ہے لیکن یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچنے کے لیے ہر مشکل میں محفوظ طریقے سے رہنمائی نہیں کرے گا۔ درحقیقت، زیادہ تر صورتوں میں اندھی تقلید اس بات کا باعث بنتی ہے کہ آخر کار اپنے واجبات کو چھوڑ دے۔ یہ مسلمان صرف مشکل کے وقت اپنے فرائض ادا کرے گا اور آسانی کے وقت ان سے منہ موڑے گا یا اس کے برعکس۔

عمر و بن عباس سلمی رضی اللہ عنہ - 2

اسلام قبول کرنے سے پہلے عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی کیونکہ وہ اس کی غلطی کو پہچانتے تھے۔ اس کے بعد اس نے مکہ میں ایک شخص کے بارے میں سنا کہ وہ نبی ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے، یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ وہ چھپ چھپ کر اس سے ملنے مکہ گیا، کیونکہ مکہ کے لوگ اس سے سخت دشمنی رکھتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے بعد اور اسلام کے بعض پہلوؤں پر گفتگو کی جن میں رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کی اہمیت بھی شامل تھی۔ اسلام قبول کر لیا اور کہا گیا کہ اپنی قوم میں واپس آؤ اور صرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آؤ، جب انہوں نے سنا کہ حالات ان کے حق میں ہیں۔ کچھ سالوں کے بعد عمرو رضی اللہ عنہ نے سنا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو آپ نے بھی وہیں ہجرت کی۔ صحیح مسلم نمبر 1930 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

ایک اور بات قابل غور ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر کرنے سے پہلے بھی رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقیدہ اعمال کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، جیسے رشتہ داری کو برقرار رکھنا۔

کفر اسلام کا لفظی انکار ہو سکتا ہے یا اعمال کے ذریعے، جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شامل ہے، حالانکہ کوئی اس پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کو ایک مثال سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر کسی لاعلم شخص کو کسی دوسرے قریب آنے والے شیر کی طرف سے خبردار کیا جاتا ہے اور لاعلم شخص حفاظت کے حصول کے لیے عملی اقدامات کرتا ہے تو وہ ایسا شخص سمجھا جائے گا جس نے انہیں دی گئی وارننگ پر یقین کیا ہو کیونکہ اس نے انتباہ کی بنیاد پر اپنے طرز عمل کو ڈھال لیا تھا۔ جبکہ اگر لاعلم شخص تنبیہ کے بعد اپنے رویے کو عملی طور پر تبدیل نہیں کرتا ہے تو لوگ شک کریں گے کہ وہ ان کو دی گئی وارننگ پر یقین نہیں کرتے خواہ بے خبر شخص زبانی طور پر ان کو دی گئی وارننگ پر یقین کا دعویٰ کرے۔

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا عقیدہ اور اپنے خدا کی اطاعت ان کے دلوں میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اس کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بدقسمتی سے، اس احمقانہ ذہنیت نے بہت سے مسلمانوں کو متاثر کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک خالص وفادار دل کے مالک ہیں حالانکہ وہ اسلام کے واجبات کو ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر اعلان فرمایا ہے کہ جب کسی کا دل پاک ہوتا ہے تو جسم بھی پاک ہوتا ہے یعنی اس کے اعمال درست ہوجاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کا دل فاسد ہو تو جسم فاسد ہو جاتا ہے یعنی اس کے اعمال فاسد اور غلط ہوں گے۔ لہذا جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنے فرائض کو عملی طور پر ادا نہیں کرتا وہ کبھی بھی پاک دل نہیں ہوسکتا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا عملی طور پر مظاہرہ کرنا ان کا ثبوت اور شہادت ہے جو قیامت کے دن جنت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس عملی ثبوت کا نہ ہونا اتنا ہی احمقانہ ہے جتنا ایک طالب علم جو اپنے استاد کو خالی امتحانی پرچہ واپس دے دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ ان کا علم ان کے ذہن میں ہے اس لیے انہیں امتحان کے سوالات کے جوابات دے کر اسے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ طالب علم جس طرح ناکام ہو گا اسی طرح وہ شخص جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے قیامت تک پہنچے گا، خواہ وہ اس پر ایمان رکھتا ہو۔ ان کا دل

رشتہ داری کو برقرار رکھنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے جسے اگر کوئی کامیابی چاہتا ہے تو اسے ترک دونوں جہانوں میں ایمان کی حقیقی نشانی یہ نہیں ہے کہ سارا دن مسجد میں اللہ نہیں کیا جا سکتا۔ تعالیٰ کی عبادت میں گزارے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ مخلوق کے سب سے اہم حقوق میں سے ایک رشتہ داری کو برقرار رکھنا ہے۔ کوئی شخص کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ جب کوئی لیکن اللہ تعالیٰ اسلامی لباس پہن کر تقویٰ کا دعویٰ کر سکتا ہے تاریخ کے اوراق ہمیشہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے رشتہ داریوں کو نبھایا۔ مڑتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ان کے رشتہ داروں نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی تب بھی انہوں نے مہربانی سے جواب دیا۔ باب 41 فصیلات، آیت 34

اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس [عمل سے] دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس کے " اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

صحیح مسلم نمبر 6525 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کے لیے اس کی مدد کرتا ہے خواہ اس کے رشتہ دار مشکلات کا شکار ہوں۔

مومن مخلص اچھائی کا جواب اچھائی سے دینا کوئی خاص بات نہیں جبکہ برائی کا اچھا جواب دینا کوئی زیادہ تر معاملات میں، جب کی نشانی ہے۔ سابقہ رویہ جانوروں میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ میں کسی جانور کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو اس کے بدلے میں پیار واپس آتا ہے۔ صحیح بخاری برقرار رکھنے نمبر 5991 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ رشتہ داری کو صحیح معنوں میں حضور نبی اکرم صلی وآلہ وہ ہے جو رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے ہوئے بھی رشتہ قائم رکھے۔ اکثر رشتہ داروں کی طرف سے لیکن اس نے ہمیشہ اپنے اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل دہشت زدہ تھے۔ ان کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کیا۔

یہ بات عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن صحیح بخاری نمبر 5987 میں موجود ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ جو شخص دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریاں توڑے گا اس سے وہ رشتہ توڑ دے گا۔ ذہن میں رکھو، عبادات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے جیسی فرض نماز یہ قطع نظر سچ ہے لیے کتنی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی مسلمان سے رشتہ منقطع کر دے تو وہ اس کا قرب اور ابدی کامیابی کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

لوگوں کو موقع دینے کے اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں اللہ تعالیٰ عذاب میں تاخیر کرتا ہے۔ توبہ کرنا لیکن دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داری کو توڑنے کی سزا بہت جلد ملتی لیے گناہوں کا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4212 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

بدقسمتی سے آج دنیا میں تعلقات منقطع کرنے کا رواج عام دیکھا جاتا ہے۔ لوگ چھوٹی موٹی دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریوں کو آسانی سے توڑ دیتے ہیں۔ وہ کسی بھی نقصان کو پہچاننے میں جو مادی دنیا میں ہوتا ہے وہ عارضی ہوتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق ناکام رہتے ہیں۔ منقطع ہو جائے تو دونوں جہانوں میں انہیں طویل مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جب کوئی اپنے پیشے کے ذریعے وجہ جو اسلامی معاشرے میں عام طور پر دیکھی جاتی ہے۔ کی اعلیٰ سماجی مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ انہیں اپنے رشتہ داروں کو ترک کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ جیسا کہ انہیں یقین ہے کہ وہ اب ان کے ساتھ بات چیت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اپنی دولت اور حیثیت سے ان کی محبت انہیں بے حیائی کے دروازے پر دھکیل دیتی ہے جو انہیں یقین دلاتی سماجی صرف ان سے ان کی دولت چھیننا چاہتے ہیں۔ ہے کہ ان کے رشتہ دار

قرآن کریم بتاتا ہے کہ ان بندھنوں کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ باب 4 النساء، آیت 1:

اور اس اللہ سے ڈرو جس کے ذریعے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رحم سے۔ بے شک اللہ تم ” پر ہمیشہ دیکھنے والا ہے۔

برقرار رکھے بغیر تقویٰ یہ آیت بھی واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رشتہ داری کو وہ اسے زیادہ عبادت کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں۔ تو جو لوگ ایمان لائے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اپنے رویے کو بدلنا چاہیے۔ اور روزے غلط ثابت ہوئے ہیں

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی ان معاملات میں مدد کر کے تمام رشتہ داریوں کو برقرار رکھیں جو جب بھی اور جہاں بھی ممکن ہو اچھے ہوں۔ انہیں ایک تعمیری ذہنیت معاشرے کے فائدے کی بجائے رشتہ داروں کو متحد کرتا ہے۔ جو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں ایک تباہ کن ذہنیت جو صرف خاندانوں میں تقسیم کا باعث بنتی ہے۔ موجود ایک حدیث کے مطابق لوگوں میں تفرقہ ڈالنا تباہی کا باعث بنتا ہے۔

رشتہ توڑنے والوں پر قرآن پاک میں لعنت کی گئی ہے۔ باب 47 محمد، آیات 22-23

”تو کیا تم اگر منہ موڑو گے تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور اپنے تعلقات کو توڑ دو گے؟ [ایسا ” کرنے والے [وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔

دنیا میں یا آخرت میں اور اس کی رحمت سے محروم ہوں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گھرے ہوئے ہوں کوئی اپنی جائز خواہشات کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

حکم نہیں دیتا اور نہ ہی یہ ان سے اپنے رشتہ داروں کی کفالت میں اپنی وسعت سے تجاوز کرنے کا یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی حدود کو قربان کر دیں کیونکہ اگر اس کا خالق کی نافرمانی اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 2625 مطلب ہے تو مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہذا کبھی بھی اپنے رشتہ داروں کو برائیوں میں شامل نہیں کرنا

کا اپنے رشتہ داروں کو نیکی کا حکم دیں اور ان ایک مسلمان کو چاہئے ، چاہیے۔ اس صورت میں
باب 5 المائدة، آیت 2 احترام کرتے ہوئے انہیں برائی سے نرمی سے روکیں۔

“اور نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔”

اللہ کی رضا کے حاصل کیا جاتا ہے۔ کے ذریعہ رشتہ داری کو برقرار رکھنے والے بے شمار فوائد
لیے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو بندہ
جوڑتا ہے اس کے رزق میں اور ان کی زندگی میں اضافی فضل ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد
ہی کم کتنا نمبر 1693 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا رزق خواہ
اور جسم .زندگی میں فضل سکون ملے گا۔ کیوں نہ ہو ان کے لیے کافی ہو گا اور اس سے انہیں ذہنی
کا مطلب ہے کہ وہ اپنے تمام دینی اور دنیاوی فرائض کو پورا کرنے کے لیے وقت نکالیں گے۔ یہ دو
مسلمان اپنی ساری زندگی اور مال حاصل کرنے کی کوشش میں صرف کرتے ہیں لیکن نعمتیں ہیں۔
رشتہ بہت سے لوگ اس بات کو پہچاننے میں ناکام رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو رکھا ہے۔
داریوں کو برقرار رکھنے میں

کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو بے رشتہ داریاں نبھانا اس قدر ضروری
رشتہ داروں کے ساتھ بھی اس اہم فرض کو پورا کریں۔ اس کی تلقین کرنے اپنے غیر مسلم حکم دیا۔
والی ایک حدیث صحیح مسلم نمبر 2324 میں موجود ہے۔

شیطان کے پھندے میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رشتہ داروں اور معاشرے میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے
اور سماجی تقسیم .اس کا حتمی مقصد اسلام کو بحیثیت قوم کمزور جس سے خاندان ٹوٹ جاتے ہیں۔
کرنا ہے۔ بدقسمتی سے، کچھ لوگ رنجشوں کو پناہ دینے کے لیے بدنام ہو گئے ہیں جو کئی دہائیوں
اور نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شخص دہائیوں تک کسی رشتہ دار تک جاری رہتے ہیں
ان سے دوبارہ کبھی بات نہیں وہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا لیکن ایک غلطی اور دلیل کے بعد

صحیح مسلم کرے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے۔ نمبر 6526 میں ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلقات منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ اگر غیر رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کا یہ حکم ہے تو صحیح بخاری کیا رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ یہ سوال نمبر 5984 میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص کسی رشتہ دار سے دنیوی وجوہات کی بناء پر تعلق توڑے گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اس اہم موضوع پر بحث کرنے والی آیات و احادیث پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر اللہ عشرہ کے گناہوں کے بعد بھی اپنے دروازے بند نہیں کرتا اور لوگوں کے ساتھ اپنے سرور کا واسطہ نہیں رکھتا تو لوگ چھوٹی دنیا میں اپنے رشتہ داروں سے اتنی آسانی سے کیوں منہ موڑ لیتے ہیں۔ مسائل؟ اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے ان کے تعلق کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اسے تبدیل ہونا چاہیے۔

خالد بن سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ - 1

اسلام قبول کرنے سے پہلے خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا کہ وہ ایک بڑی آگ کے کنارے کھڑے ہیں۔ اس کے والد اسے آگ میں دھکیل رہے تھے جب کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے پکڑے ہوئے تھے اور وہ اسے آگ میں گرنے سے روک رہے تھے، آپ نے اپنا خواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سنایا، آپ نے حوصلہ دیا۔ وہ اسلام قبول کر لے۔ اس کے بعد وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے اور اسلام کے بعض پہلوؤں پر گفتگو کے بعد اسلام قبول کیا۔ جب اس کے والد کو پتہ چلا تو اس نے اسے شدید مارا پیٹا اور گھر سے نکال دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکہ کے غیر مسلموں کے پرتشدد سلوک کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ سے ایتھوپیا ہجرت کر گئے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 89-90 میں بحث کی گئی ہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

دماد رضی اللہ عنہ - 1

اسلام قبول کرنے سے پہلے، دمد رحمہ اللہ کو ایک ڈائن ڈاکٹر سمجھا جاتا تھا جو کالے جادو سے متاثر ہونے والے لوگوں کو ٹھیک کر سکتا تھا۔ جب اس نے مکہ کے غیر مسلموں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کالے جادو سے متاثر ہونے کا الزام لگاتے ہوئے سنا تو آپ نے ان کے علاج کا فیصلہ کیا۔ جب اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پایا اور آپ کی خدمات پیش کیں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حمد اللہ کے لیے ہے، ہم اس کی حمد کرتے ہیں، اس سے مدد مانگتے ہیں۔ اور جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے گمراہ کیا جائے اس کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ دمد رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا کہ آپ اپنا قول دہرائیں اور تین بار ایسا کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ یہ کسی کاہن، جادوگر یا شاعر کا کلام نہیں ہے۔ اس کے بعد اس نے اسلام قبول کیا۔ صحیح مسلم نمبر 2008 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

دماد نے ایسے پیچیدہ یا گہرے روحانی مسائل کے بارے میں نہیں پوچھا جس سے وہ حیران ہوا اور نہ ہی اسے اسلام کی حقانیت پر قائل کرنے کے لیے کوئی معجزہ دکھایا گیا، پھر بھی اس نے حق کے لیے سر تسلیم خم کیا اور اپنے عقیدے، طرز عمل اور طرز زندگی کو بالکل بدل دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سچائی کو قبول کرنے والا شخص تھا۔ جب کوئی یہ اعلان کر کے اخلاص اختیار کرے گا کہ وہ سچائی کو قبول کریں گے اور اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کریں گے، خواہ وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو، تو پھر سادہ ترین سچائی، دوسروں کی نظروں سے اوجھل ہونے والی سچائیاں بھی ان کو بالکل بدل دیتی ہیں۔ جبکہ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خوش مزاجی کے ساتھ آتا ہے اور صرف ان چیزوں کو قبول کرتا ہے اور ان کی پیروی کرتا ہے جو ان کو خوش کرتی ہیں اور ان چیزوں کو نظر انداز کر دیتی ہیں جو ان کی خواہشات کو چیلنج کرتی ہیں وہ کبھی حق کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرے گا، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ اسی اخلاص کی وجہ سے تاریخ میں بہت سے لوگوں نے گہرے روحانی تجربات سے نہیں بلکہ آسان ترین چیزوں کا سامنا کرنے کے بعد اسلام قبول کیا۔ اسی اخلاص کو مسلمانوں کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اسلام کی صحیح پیروی اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

ابو بصیر رضی اللہ عنہ - 1

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت (عمرہ) کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو بھیجا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کریں اور آپ کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت (عمرہ) کرنا چاہتے ہیں۔ چند واقعات کے بعد بالآخر مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سپہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لیں لیکن کچھ شرائط رکھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ اگر کوئی شخص جو مکہ سے اسلام قبول کرے گا تو وہ مدینہ فرار ہو جائے گا یا اسے مکہ واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مدینہ سے مکہ بھاگ گیا تو اسے واپس مدینہ نہیں بھیجا جائے گا۔ یہ ظاہر ہے کہ مکہ کے غیر مسلموں نے صرف یہ مطالبہ کیا تھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس سے مسلم قوم کا اتحاد ٹوٹ جائے گا۔ معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ واپس آگئے۔ ایک صحابی ابو بصیر رضی اللہ عنہ مکہ کی قید سے بچ کر مدینہ بھاگ گئے۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے واپس لینے کے لیے دو آدمی بھیجے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاہدے کا احترام کیا اور انہیں مکہ واپس جانے کے لیے سپرد کیا۔ مکہ واپسی کے راستے میں ابو بصیر رضی اللہ عنہ فرار ہو گئے اور بالآخر مدینہ اور مکہ سے دور ایک اور ویران علاقے میں فرار ہو گئے۔ اس کے بعد جب بھی کوئی صحابی رضی اللہ عنہ مکہ میں قید سے بھاگے تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے۔ ان کی تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ آخرکار انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے تجارتی قافلوں پر چھاپہ مارنا اور لوٹنا شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے مکہ کے لوگوں کو شدید مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آخرکار انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھیجا اور آپ سے التجا کی کہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کو مدینہ بلائیں تاکہ چھاپے اور لوٹ مار ختم ہو جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتفاق کیا اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور آپ کے آدمیوں نے امن کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 240 میں بحث کی گئی ہے۔

کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح، ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب 12 یوسف، آیت 18:

اور وہ اس کی قمیض پر جھوٹا خون لے آئے۔ [یعقوب] نے کہا، "بلکہ تمہاری روحوں نے تمہیں کسی "چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔"

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43

لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے ... "راستے [یعنی تقدیر] کے سوا انتظار کرتے ہیں؟"

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ - 1

مندرجہ ذیل آیت کے نازل ہونے کے بعد ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا سب سے پیارا باغ صدقہ کر دیا۔ باب 3 علی عمران، آیت 92

تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو، یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس رویے کی تعریف کی اور اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کرنے کا مشورہ دیا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 189-190 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کوئی شخص سچا مومن نہیں ہو سکتا، یعنی وہ اپنے ایمان میں نقص رکھتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی پسند کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت کا اطلاق دولت پر ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا مطلب بہت زیادہ ہے۔ اس میں ہر وہ نعمت شامل ہے جسے ایک مسلمان پسند اور پسند کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مسلمان اپنے قیمتی وقت کو ان چیزوں پر صرف کرنے میں خوش ہوتے ہیں جو انہیں خوش کرتی ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان فرضی فرائض سے ہٹ کر وقت دینے سے انکار کرتے ہیں جو ایک دن میں بمشکل ایک یا دو گھنٹے لگتے ہیں۔ لاتعداد مسلمان ابھی تک مختلف خوشگوار سرگرمیوں میں اپنی جسمانی طاقت کو وقف کرنے پر خوش ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ اسے ان چیزوں کے لیے وقف کرنے سے انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں، جیسے کہ رضاکارانہ روزہ۔ عام طور پر لوگ ان چیزوں میں کوشش کرنے میں خوش ہوتے ہیں جن کی وہ خواہش رکھتے ہیں جیسے کہ ضرورت سے زیادہ دولت حاصل کرنا جس کی انہیں ضرورت نہیں ہے خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ انہیں اوور ٹائم کرنا پڑے اور اپنی نیندیں ترک کرنی

پڑیں پھر بھی کتنے لوگ اس راہ میں اللہ کی اطاعت میں کوشش کرتے ہیں۔ اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے باز رہنے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے سربلند؟ کتنے لوگ نماز ادا کرنے کے لیے اپنی قیمتی نیند ترک کر دیتے ہیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان ابھی تک حلال دنیاوی اور دینی نعمتوں کے خواہاں ہیں، ایک سادہ سی حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں انہیں تب ہی حاصل ہوں گی جب وہ اپنے پاس موجود نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کریں گے۔ وہ کیسے کم سے کم چیزیں اس کے لیے وقف کر سکتے ہیں اور پھر بھی اپنے تمام خوابوں کو حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں؟ یہ رویہ واقعی عجیب ہے۔

خَبَابِ بْنِ اَرْتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - 1

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلموں نے ستایا اور اذیتیں دیں۔ مثال کے طور پر، وہ آگ جلائیں گے اور اسے اس پر لیٹنے پر مجبور کریں گے۔ خباب رضی اللہ عنہ مشکلات کے باوجود اسلام پر ثابت قدم رہے۔

وہ ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے بیان کیا کہ گزشتہ امتوں کے مومنین کو کس طرح وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا لیکن انہوں نے اپنے ایمان کو نہیں چھوڑا۔ اس نے اسے صبر کی تلقین کی اور اس سے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں فتح عطا فرمائے گا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 303-304 میں بحث ہوئی ہے۔

مسند احمد نمبر 2803 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی تلقین فرمائی کہ انسان کو درپیش ہر مشکل کے بعد آسانی ہوگی۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں بھی بیان کی گئی ہے، مثال کے طور پر، باب 65، آیت 7

”اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی پیدا کرے گا۔“

مسلمانوں کے لیے اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ یہ صبر اور قناعت کو جنم دیتا ہے۔ حالات کی تبدیلیوں پر غیر یقینی ہونا کسی کو بے صبری، ناشکری اور یہاں تک کہ غیر قانونی چیزوں کی طرف لے جا سکتا ہے، جیسے کہ غیر قانونی رزق۔ لیکن جو اس بات پر پختہ یقین رکھتا

ہے کہ آخر کار تمام مشکلات آسانی سے بدل جائیں گی وہ اسلام کی تعلیمات پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے صبر سے اس تبدیلی کا انتظار کرے گا۔ یہ صبر اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 146

”اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسی بے شمار مثالیں بیان کی ہیں جب مشکل حالات کے بعد آسانی اور برکت آتی تھی۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف سے کس بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں سیلاب عظیم سے بچایا اس کا ذکر ہے۔ باب 21 الانبیاء، آیت 76

اور نوح کا ذکر کریں جب اس نے [اس وقت [سے پہلے [اللہ کو [پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی " اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑی مصیبت [یعنی سیلاب [سے بچا لیا۔

:ایک اور مثال باب 21 الانبیاء، آیت 69 میں ملتی ہے

ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک عظیم آگ کی صورت میں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کو ٹھنڈا اور پر سکون بنا دیا۔

یہ اور بہت سی مثالیں قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بیان کی گئی ہیں، تاکہ مسلمان یہ سمجھیں کہ مشکل کا ایک لمحہ آخر کار اللہ کی اطاعت کرنے والوں کے لیے آسانی کا باعث بنتا ہے۔ اس کے احکام کو پورا کرنے سے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے سے۔

لہذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ان اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تاکہ ان بے شمار صورتوں کا مشاہدہ کیا جا سکے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد آسانی عطا فرمائی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو بڑی مشکلوں سے بچا لیا ہے جن کا ذکر الہی تعلیمات میں کیا گیا ہے تو وہ فرمانبردار مسلمانوں کو چھوٹی چھوٹی مشکلات سے بھی بچا سکتا ہے اور بچائے گا۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ پہنچنے کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک مشہور و معروف یہودی عالم تھے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اس پر، جیسا کہ اس نے اس کی نشانیوں کو پہچان لیا جن کا ذکر سابقہ الہی میں کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 146

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔ لیکن ” حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں۔“

اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنبیہ کی کہ دوسرے یہودی علماء ان کا بہت احترام کرتے ہیں لیکن اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ آپ نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ ان پر جھوٹ باندھیں گے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودی علماء کو بلوایا اور ان سے سچائی کا اقرار کرنے کو کہا کہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو انہوں نے انکار کر دیا۔ جب معلوم ہوا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے انہیں جھوٹا قرار دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 194- میں بحث کی گئی ہے۔ 195

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ - 2

عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ بازار سے لکڑیوں کا گٹھا لیے ہوئے گزرتے دیکھا گیا۔ جب اس سے سوال کیا گیا کہ اس نے اپنے کسی خادم کو لکڑیاں اٹھانے کی ہدایت کیوں نہیں کی تو اس نے جواب دیا کہ میں عاجزی کرنا چاہتا ہوں کیونکہ کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے ایک ایٹم کا فخر کافی ہے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 581 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 265 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ انہوں نے واضح کیا کہ فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص سچائی کو مسترد کرتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔

تکبر رکھنے والے کو نیک اعمال کی کوئی مقدار فائدہ نہیں دے گی۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی شیطان کو دیکھتا ہے اور جب وہ مغرور ہو گیا تو اس کی ان گنت سالوں کی عبادت نے اسے کیسے فائدہ نہیں پہنچایا۔ درحقیقت، مندرجہ ذیل آیت واضح طور پر غرور کو کفر سے جوڑتی ہے: اس لیے ایک مسلمان کو ہر قیمت پر اس بری صفت سے بچنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 34

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

مغرور وہ ہے جو حق کو اس وقت رد کرتا ہے جب وہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ان کی طرف سے نہیں آیا تھا اور یہ ان کی خواہشات اور ذہنیت کو چیلنج کرتا ہے۔ مغرور شخص یہ بھی مانتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں حالانکہ وہ اپنے آخری انجام اور دوسروں کے آخری انجام سے بے خبر ہیں۔ یہ صریح جہالت ہے۔ درحقیقت، کسی بھی چیز پر فخر کرنا بے وقوفی ہے۔ یہاں تک کہ نیک اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ الہام، علم اور قوت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لہذا جس چیز کا تعلق فطری طور پر نہیں ہے اس پر فخر کرنا صریح حماقت ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص جو اس حویلی پر فخر کرتا ہے جس کا وہ مالک بھی نہیں اور نہ ہی رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فخر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق اور پیدائشی مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو للکارنے والا تکبر کے ساتھ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4090 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عاجزی اختیار کرے۔ عاجز واقعی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو بھی بھلائی ہے اور وہ تمام برائیاں جن سے وہ محفوظ ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی طرف سے نہیں۔ پس عاجزی انسان کے لیے غرور سے زیادہ موزوں ہے۔ انسان کو بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ عاجزی رسوائی کا باعث بنتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندوں سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرنے والے کے درجات میں اضافے کی ضمانت دی ہے۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ - 1

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نویں سال مدینہ ہجرت کر کے ایک مشہور عیسائی جو بالآخر مسلمان ہو گیا، عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے قبول اسلام سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان سے ملاقات کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اپنے گھر لے گئے۔ راستے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بوڑھی معذور عورت نے روکا۔ وہ کافی دیر تک اس کے ساتھ کھڑا رہا اور اس کا مسئلہ حل کرتا رہا۔ اس طویل گفتگو کے دوران عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو بتایا کہ یہ کسی دنیاوی بادشاہ کا طرز عمل نہیں تھا۔ گھر پہنچنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدی رضی اللہ عنہ کو تکیے پر بیٹھنے کی تاکید کی جب کہ وہ خود فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عدی رضی اللہ عنہ نے پھر اپنے آپ کو بتایا کہ یہ کسی دنیاوی بادشاہ کا طرز عمل نہیں تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 87-88 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کس قدر عاجزی تھی۔ باب 25
:الفرقان، آیت 63

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آسانی سے چلتے ہیں۔“

نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ صرف اور صرف اس اللہ تعالیٰ کے بندوں لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اور جس برائی سے وہ بچ گئے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ جو چیز کسی کی نہیں اس پر فخر کرنا کیا حماقت نہیں؟ بالکل اسی طرح ان سے تعلق نہیں رکھتا مسلمانوں کو یہ جیسے کوئی شخص کسی اسپورٹس کار پر فخر نہیں کرتا جو نہیں سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں کچھ بھی ان کا نہیں ہے۔ یہ رویہ یقینی بناتا ہے کہ انسان ہر وقت عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود حضور نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر مکمل یقین رکھتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے اعمال صالحہ انہیں جنت میں نہیں لے جائیں گے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اس کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہر عمل صالح اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو انجام دینے کے لیے کی رحمت اللہ علم، طاقت، موقع اور الہام عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ عمل کی قبولیت بھی منحصر ہے۔ پر جب کوئی اس کو ذہن میں رکھتا ہے تو یہ انہیں غرور سے بچاتا ہے اور انہیں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عاجز ہونا کمزوری کی علامت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام مسلمانوں کو کمزوری کے بغیر عاجزی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ پس حقیقت میں عاجزی دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مخلوق میں سے سب سے زیادہ حلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح طور پر لوگوں کو اس اہم صفت کو اپنانے کا حکم دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ باب 26 اشعرا، آیت 215

"اور اپنے بازو کو نیچے رکھو [یعنی مہربانی کرو [مومنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزانہ زندگی گزاری۔ مثال کے طور پر، اس نے خوشی سے گھر میں گھریلو فرائض انجام دیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ کام صنفی غیر جانبدار ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 538 میں ہوتی ہے۔

باب 25 الفرقان، آیت 63، ظاہر کرتی ہے کہ عاجزی ایک باطنی خصوصیت ہے جو باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ چلنے کا راستہ۔ اس پر ایک اور آیت باب 31 لقمان، آیت 18 میں بحث کی گئی ہے۔

"اور اپنا رخسار لوگوں کی طرف مت پھیرو اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔"

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جنت ان عاجز بندوں کے لیے ہے جن میں غرور کا کوئی نشان نہیں ہے۔ باب 28 القصص، آیت 83

آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے مقرر کیا ہے جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔ اور ”
[”بہترین انجام نیک لوگوں کے لیے ہے۔“

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1998 میں موجود ایک حدیث کی تصدیق فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ فخر کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق، پالنے والا اور مالک ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں اور جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے مسترد کر دیتا ہے کیونکہ وہ سچائی کو اس کی تصدیق طرف سے آتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کی قبول کرنا ناپسند کرتے ہیں جب وہ سنن ابوداؤد نمبر 4092 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ابو امامہ، اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مشن پر ثابت قدم رہے اور ہر ایک کو اسلام کی دعوت دی۔ اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے لیے اس نے بہت سے قبیلوں اور قبیلوں کا دورہ کیا، اسلام کے ابتدائی ایام میں اکثریت نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ مثال کے طور پر آپ نے قبیلہ کندہ، قبیلہ کلب، قبیلہ حنیفہ اور بہت سے دوسرے لوگوں کا دورہ کیا۔ تہواروں کے دوران وہ تمام لوگوں کو مدعو کرتا تھا جو شرکت کرتے تھے لیکن کوئی بھی اس کا مثبت جواب نہیں دیتا تھا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ آپ مدینہ کے لوگوں سے ملے جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے یثرب کہلاتا تھا۔ انہوں نے اس کے اسلام کے پیغام کو قبول کیا اور اس کے مشن میں اس کی مدد کی۔ انہوں نے اس وقت تک نازل ہونے والی وحی کو جان لیا اور اپنے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے مدینہ واپس لوٹ گئے۔ آخر کار مدینہ میں کوئی گھر کسی مسلمان سے خالی نہ تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 131 میں بحث کی گئی ہے۔

مدینہ کے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں سے ایک ابو امامہ رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے اپنے الفاظ کے ذریعے اپنی ثابت قدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر پکار کے لیے ایک راستہ ہے۔ جب کہ کچھ راستے آسان ہیں، دوسرے مشکل ہیں۔ آج آپ نے ہمیں ایک ایسی چیز کی طرف بلایا ہے جسے قبول کرنا نئی بھی ہے اور لوگوں کے لیے مشکل بھی۔ آپ نے ہمیں اپنے مذاہب کو چھوڑنے اور اپنے عقیدے پر چلنے کے لیے بلایا ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ تاہم، ہم نے آپ کی کال قبول کر لی ہے۔ آپ نے ہمیں اپنے قریبی اور دور کے رشتہ داروں (ان کی بجائے آپ کی پیروی کرتے ہوئے) کے تمام رشتوں کو توڑنے کے لیے بلایا ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ تاہم، ہم نے آپ کی کال قبول کر لی ہے۔ آپ نے ہمیں اسلام کی دعوت دی ہے جبکہ ہم ایک مضبوط گروہ ہیں جو ایک ایسی جگہ پر مقیم ہیں جو طاقتور اور زبردست ہے (جہاں ہماری جان و مال محفوظ ہے)۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہمارا لیڈر کوئی ایسا ہو گا جو ہم میں سے نہ ہو، جس کے لوگوں نے اسے ٹھکرا دیا ہو اور جس کے خاندان نے اسے چھوڑ دیا ہو۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے لیکن ہم نے اسے قبول کر لیا ہے۔ یہ چیزیں سب کے لیے مشکل دکھائی دیتی ہیں سوائے ان کے جن کی فلاح کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے اور جو اس کے نتائج میں بہلائی کی توقع رکھتے ہیں۔ ہم نے آپ کی پکار کو اپنی زبانوں، اپنے دلوں اور اپنے ہاتھوں سے اس لیے قبول کیا ہے کہ آپ نے جو کچھ ہم سے کہا ہے اس پر ہم ایمان لائے ہیں اور ہم اسے یقین کے ساتھ قبول کرتے ہیں جو ہمارے دلوں میں بسا ہوا ہے۔ ہم اس سب میں آپ سے عہد کرتے ہیں اور اپنے رب اور

آپ کے رب سے بھی عہد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہمارے اوپر ہے (اس عہد کی توثیق ہم آپ کی حفاظت کے لیے اپنا خون بہائیں گے اور آپ کے لیے اپنی جانیں دیں گے۔ ہم آپ کی حفاظت کریں گے جیسا کہ ہم اپنی، اپنے بچوں اور اپنی بیویوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر ہم اس عہد کو پورا کریں تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا۔ اگر ہم اس عہد سے خیانت کریں گے تو یہ اللہ تعالیٰ سے خیانت ہو گی جس کی قیمت ہمیں سب سے ذلیل انسان بنانے کی ہے۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے جو کچھ آپ کو بتایا ہے وہ قطعی حق ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے مدد اور مدد چاہتے ہیں۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 125-126 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

“...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو”

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے (معمولی گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے۔ لہذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ”
ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ - 1

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے اٹھویں سال میں رومی شہنشاہ ہرقل نے ایک خواب دیکھا جس میں یہ اشارہ دیا گیا تھا کہ اس کی سلطنت پر ایک اجنبی قوم غالب آجائے گی۔ جب اس نے تحقیق کی تو اسے شبہ ہوا کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ اس وقت وہ فلسطین میں تھے اور انہوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ ایک ایسے شخص کو اپنے پاس لے آئیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہو جس سے وہ سوال کر سکیں۔ اس وقت ابو سفیان ایک تجارتی مہم پر تھا۔ وہ اور اس کے آدمی مل گئے اور ہرقل کے پاس لائے گئے۔ ہرقل نے ابو سفیان کو اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا اور ابو سفیان کے ساتھیوں کو اپنے پیچھے بٹھایا اور انہیں حکم دیا کہ اگر ابو سفیان سے جو سوال پوچھا گیا ان میں سے کوئی جھوٹ بولے تو اعتراض کریں۔ ابو سفیان جو بعد میں مسلمان ہوا، بیان کرتا ہے کہ اگر اس نے جھوٹ بھی بولا تو اس کے آدمی کبھی اس کی تردید نہ کرتے لیکن پھر بھی اس نے سچ کہا کیونکہ وہ عزت اور وقار کا آدمی تھا اس لیے اسے جھوٹ بولنے پر شرم آتی تھی۔ ابو سفیان سے سوال کرنے کے بعد ہرقل نے کہا: تم (ابو سفیان) کہتے ہو کہ وہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سب سے پاکیزہ نسب میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اس طرح چنتا ہے۔ وہ صرف مردوں کو ان کے لوگوں میں خالص ترین لائٹوں سے لیتا ہے۔ میں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل و عیال میں سے کوئی اور بھی اسی طرح کی باتیں کہہ رہا ہے یعنی وہ ان کی نقل کر رہا ہے، آپ (ابو سفیان) نے فرمایا نہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا اس کے پاس کوئی جائیداد ہے جس پر آپ نے قبضہ کر لیا ہے اور تجویز کیا کہ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ وہ آپ کو اسے واپس کرنے کے لیے کیا چاہتا ہے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے آپ سے ان کے پیروکاروں کے بارے میں پوچھا اور آپ کہتے ہیں کہ وہ نوجوان، بے اختیار اور غریب ہیں۔ ہر دور میں انبیاء علیہم السلام کے پیروکار اسی طرح ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا کہ جو لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں وہ اسے پسند کرتے ہیں اور اس کی عزت کرتے ہیں یا اسے حقیر سمجھتے ہیں اور اسے چھوڑ دیتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ شاذ و نادر ہی کوئی اس کی پیروی کرتا ہے پھر اسے چھوڑ دیتا ہے۔ ایسے حالات میں ایمان کی مٹھاس بندے کے دل میں داخل نہیں ہوتی تو پھر چھوڑ دیتے ہیں۔ میں نے آپ سے آپ دونوں کے درمیان جنگ کے بارے میں پوچھا۔ آپ (ابو سفیان) نے جواب دیا کہ کبھی یہ آپ پر احسان کرتا ہے، کبھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا۔ انبیاء علیہم السلام کے لیے جنگ یوں ہی ہے، پھر بھی وہ آخر کار جیت جاتے ہیں۔ میں نے آپ سے پوچھا کہ کیا اس نے اپنی بات میں خیانت کی اور آپ نے کہا کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ اگر تم نے سچ کہا ہے تو وہ میرے پاؤں کے نیچے کی زمین کو فتح کرے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 356-357 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کی کوشش کریں تاکہ وہ تمام مسلمان اسلام پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کے ایمان کی ایمان کے یقین تک پہنچ جائیں۔ مضبوطی ہر شخص میں مختلف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، وہ جو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے کیونکہ ان کے خاندان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اس جیسا نہیں ہے جو ثبوت کے ذریعے اس پر یقین رکھتا ہے۔ جس شخص نے کسی چیز کے بارے میں سنا ہے وہ اس پر اس طرح یقین نہیں کرے گا جس طرح وہ اپنی آنکھوں سے اس چیز کو دیکھ چکا ہے۔

جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ ایک بہترین طریقہ ہے کہ ایک مسلمان اسلام پر اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتا ہے۔ اس کا تعاقب کرنا ضروری ہے کیونکہ جس کے ایمان پر یقین جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اس کے صحیح راستے پر ثابت قدم رہنے کا موقع اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، خاص طور پر جب مشکلات کا سامنا ہو۔ اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر 3849 میں یقین کا یقین رکھنے کو بہترین چیزوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔ یہ علم قرآن پاک اور حدیث نبوی کا مطالعہ کر کے حاصل کیا جانا چاہیے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک معتبر ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہ صرف ایک حقیقت کا اعلان کیا بلکہ مثالوں کے ذریعے اس کا ثبوت بھی دیا۔ نہ صرف وہ مثالیں جو ماضی کی قوموں میں پائی جاتی ہیں بلکہ ایسی مثالیں جو کسی کی اپنی زندگی میں رکھی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت کی ہے کہ بعض اوقات انسان کسی چیز سے محبت کرتا ہے حالانکہ اگر وہ اسے حاصل کر لیتا ہے تو وہ اسے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح وہ کسی چیز سے نفرت کر سکتے ہیں جبکہ اس میں ان کے لیے بہت سی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

- کچھ مسلمانوں کا خیال حدیبیہ تاریخ میں اس سچائی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے معاہدہ تھا کہ یہ معاہدہ، جو مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا گیا تھا، مؤخر الذکر گروہ کی مکمل حمایت کرے گا۔ اس کے باوجود تاریخ صاف بتاتی ہے کہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 2731 اور 2732 میں موجود احادیث میں مذکور ہے۔

اگر کوئی اپنی زندگی پر غور کرے تو انہیں بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی جب وہ یقین کرتے تھے کہ کوئی چیز اچھی تھی جب وہ ان کے لیے بری تھی اور اس کے برعکس۔ یہ مثالیں اس آیت کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں اور ایمان کو مضبوط کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

:ایک اور مثال باب 79 عن نازیات، آیت 46 میں ملتی ہے

”جس دن وہ (قیامت کے دن) کو دیکھیں گے کہ گویا وہ اس دنیا میں ایک دوپہر یا صبح کے سوا“ باقی نہیں رہے تھے۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو صاف نظر آئے گا کہ کتنی بڑی سلطنتیں آئیں اور گئیں۔ لیکن جب وہ چلے گئے تو ان کا اس طرح انتقال ہو گیا گویا وہ ایک لمحے کے لیے زمین پر ہیں۔ ان کی چند نشانوں کے علاوہ باقی سب ایسے مٹ گئے ہیں جیسے وہ زمین پر پہلے کبھی موجود ہی نہیں تھے۔ اسی طرح، جب کوئی اپنی زندگی پر غور کرے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ چاہے وہ کتنے ہی بوڑھے کیوں نہ ہوں اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ان کی مجموعی زندگی کتنی ہی سست محسوس ہوئی ہو گی۔ اس آیت کی سچائی کو سمجھنا انسان کے یقین کو مضبوط کرتا ہے اور اس سے انہیں تحریک ملتی ہے کہ وہ وقت ختم ہونے سے پہلے آخرت کی تیاری کریں۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ لہذا انسان کو ان الہی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ یقین کو اپنا سکے۔ جو اس کو حاصل کر لے گا وہ کسی بھی مشکل سے متزلزل نہیں ہوگا اور اس راستے پر ثابت قدم رہے گا جو جنت کے دروازوں کی طرف جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ ” یہ حق ہے۔“

ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ - 2

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے حدیبیہ میں طے پانے والے صلح کے معاہدے کو ایک ایسے قبیلے کی حمایت سے توڑ دیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ فوج نے مکہ پہنچنے سے پہلے کئی اسٹاپ کیے ان میں سے ایک مقام مر الظهران تھا جو مکہ کے قریب تھا۔ یہاں مکہ کے بعض بزرگوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سفر کیا اور اسلام قبول کیا۔ ان میں سے ایک ابو سفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ اس دورے کے دوران ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز باجماعت میں شرکت کی۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ بھی کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس پر، حکم دیا؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اثبات میں جواب دیا اور کہا کہ اگر وہ انہیں کھانا پینا ترک کرنے کا حکم دیں تو وہ اس کی اطاعت کریں گے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وضو کیا تو اس سے برکت حاصل کرنے کے لیے بچ جانے والے وضو کے پانی کے لیے تڑپتے رہے۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے اس کی گواہی دیتے ہوئے اعلان کیا کہ اس سے پہلے میں نے فارس یا رومی بادشاہوں کے محلات میں بھی ایسا کچھ نہیں دیکھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 394 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7

”اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔“

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ”تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

زید بن صغنه رضی اللہ عنہ - 1

زید رضی اللہ عنہ ایک یہودی ربی تھے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات کا علم رکھتے تھے جن کا ذکر سابقہ آسمانی صحیفوں میں کیا گیا ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔ [قرآن پاک] جیسا کہ وہ اپنے [اپنے] بیٹوں کو ”...پہچانتے ہیں“

دو خصوصیات ایسی تھیں جن کا مشاہدہ کرنے کا اسے موقع نہیں ملا۔ پہلی خصوصیت یہ تھی کہ اس کا ضبط نفس اس کے غصے پر قابو پاتا۔ اور دوسری خصوصیت یہ تھی کہ اس کی رواداری اس کی طرف متوجہ ہونے والی انتہائی بے وقوفی کے مظاہرے پر قابو پا لے گی۔ لہذا اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آزمائش کا فیصلہ کیا۔

زید رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرض دیا اور جان بوجھ کر مقررہ تاریخ سے پہلے ادائیگی کا مطالبہ کرتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی بدتمیز اور بدتمیز تھا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں دھمکی دی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے قرض ادا کرنے کی تلقین کرنی چاہیے تھی۔ آپ نے نرمی سے زید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ صحیح برتاؤ کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ قرض ادا کر دیں اور زید رضی اللہ عنہ کو دے دیں تاکہ عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے دھمکیاں ملنے کی تلافی کی جا سکے۔ جب پہلے ذکر کی گئی دو خصلتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں واضح طور پر نظر آئیں تو زید رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 166-167 میں بحث ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190

اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد " سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا۔ باب: النور، آیت 22 24

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر... " دے؟

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ - 1

عمیر کو خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شام میں حمص کا گورنر مقرر کیا تھا۔ ایک سال گزرنے کے بعد خلیفہ کو اس کی کوئی خبر نہ ملی اس لیے اسے مدینہ واپس بلا لیا۔ عمیر رضی اللہ عنہ پورے راستے پر چلتے رہے اور سفر کے لیے اپنے ساتھ صرف ایک بکری اور کچھ کھانے کا سامان لے کر آئے۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے سوال کیا کہ وہ اپنے ساتھ سرکاری خزانے سے کیا مال لے کر آئے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں کچھ نہیں لایا کیونکہ وہ تمام مال ہمیشہ ضرورت مندوں میں تقسیم کرتا ہے اس لیے سرکاری خزانے میں کچھ نہیں رکھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے گورنر کے طور پر اپنی تقرری کی تجدید کی خواہش کی لیکن عمیر رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور مدینہ میں اپنے گھر واپس چلے گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی ایمانداری کا امتحان لینا چاہا اس لیے انہیں سونے کے سکوں سے بھرا ایک تھیلا بھیجا، جسے انہوں نے غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ کیا ہوا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کھانے کا سامان اور لباس پیش کیا۔ عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں کی ضرورت کے مطابق لباس لے لیا لیکن کھانے پینے سے انکار کر دیا۔ اس کے فوراً بعد ان کا انتقال ہو گیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میرے پاس عمیر رضی اللہ عنہ جیسا کوئی دوسرا شخص ہوتا جو لوگوں کے معاملات کو سنبھالنے میں ان کی مدد کر سکتا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 169-172 میں بحث ہوئی ہے۔

عمیر رضی اللہ عنہ نے ایک سادہ اور مشکل زندگی گزار کی کیونکہ ان کی توجہ آخرت پر مرکوز تھی اور اس کی تیاری تھی۔

کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ صحیح ادراک پیدا کریں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کر سکیں، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ وہی چیز ہے جو نیک پیشرووں کے پاس تھی اور اس نے انہیں مادی دنیا کی اضافی آسائشوں سے بچنے اور آخرت کی تیاری کرنے کی ترغیب دی۔ یہ ایک اہم خصوصیت ہے اور اسے دنیاوی مثال سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ دو لوگ بہت پیاسے ہیں اور ایک کپ گدلا پانی کے پاس آتے ہیں۔ وہ دونوں اسے پینا چاہتے ہیں اگرچہ وہ پاک نہ ہو اور خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اس پر جھگڑنا پڑے۔ جیسے جیسے ان کی پیاس گندے پانی کے پیالے پر زیادہ مرکوز ہوتی ہے وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر توجہ کھو دیتے ہیں۔ لیکن

اگر ان میں سے کوئی اپنی توجہ ہٹاتا ہے اور صاف پانی کے ایک دریا کو دیکھتا ہے جو کچھ ہی فاصلے پر تھا وہ فوری طور پر پانی کے پیالے پر توجہ اس مقام پر کھو دیتا ہے کہ وہ اب اس کی پرواہ نہیں کرے گا اور اس پر مزید بحث نہیں کرے گا۔ اور اس کے بجائے وہ اپنی پیاس کو صبر سے برداشت کریں گے یہ جانتے ہوئے کہ خالص پانی کا ایک دریا قریب ہے۔ جو شخص دریا سے ناواقف ہے وہ شاید اس کے رویے میں تبدیلی کو دیکھ کر یقین کرے گا کہ دوسرا پاگل ہے۔ یہی حال اس دنیا میں دو طرح کے لوگوں کا ہے۔ ایک گروہ لالچ سے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ دوسرے گروہ نے اپنی توجہ آخرت اور اس کی پاکیزہ اور ابدی نعمتوں پر مرکوز کر دی ہے۔ جب کوئی اپنی توجہ آخرت کی سعادت کی طرف مبذول کر لے تو دنیاوی مسائل اتنی بڑی بات نہیں لگتے۔ اس لیے صبر کو اپنانا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس دنیا پر اپنی توجہ مرکوز رکھے تو یہ ان کو سب کچھ لگتا ہے۔ وہ اس کے لیے بحث کریں گے، لڑیں گے، محبت کریں گے اور نفرت کریں گے۔ بالکل اسی طرح جیسے پہلے ذکر کی گئی مثال میں وہ شخص جو صرف گندے پانی کے پیالے پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

یہ صحیح ادراک صرف قرآن پاک میں موجود اسلامی علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پایا جاتا ہے۔
باب 41 فصیلات، آیت 53

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ ” یہ حق ہے۔“

عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 1

اسلام قبول کرنے کے بعد عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے قبیلہ بنو ثقیف کو اسلام کی طرف بلانے کی اجازت چاہی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خبردار کیا کہ وہ اسے قتل کر دیں گے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کا قبیلہ کتنا ضدی اور خطرناک ہے۔ لیکن اس نے جواب دیا کہ اس کا قبیلہ اس سے محبت کرتا ہے اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ جب وہ گھر واپس آیا اور اپنے قبیلے کو کھلے عام اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اس پر تیروں سے حملہ کر کے اسے شہید کر دیا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 203-204 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔ مثال کے طور پر مکہ سے مدینہ ہجرت کی جہاں انہوں نے اپنے گھر والوں، گھر بار، کاروبار کو چھوڑ کر ایک اجنبی سرزمین کی طرف ہجرت کی، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی خاطر۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ صالح پیشروؤں کو درپیش تھا۔ لہذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ وہ اپنے گھر اور اہل و عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشروؤں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا

صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ علم ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت فراہم کر سکتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، پھر بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشروؤں کی ثابت قدمی کی پیروی کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔

دمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ - 1

اسلام قبول کرنے کے بعد، دمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے میں واپس آئے اور ان بتوں کی کھلے عام مذمت کی جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ جب آپ کو تنبیہ کی گئی کہ ان پر تنقید نہ کریں کیونکہ وہ آپ کو کسی مصیبت مثلاً بیماری میں مبتلا کر سکتے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ بت کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ ہی کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور مزید کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے۔ لوگوں کی رہنمائی کے لیے قرآن پاک کے ساتھ آپ پر درود و سلام۔ اس کے نتیجے میں اس کے پورے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا اور بے اختیار بتوں کو رد کر دیا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 216-217 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2516 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ کی لامحدود اور مطلق قدرت و اختیار کی طرف اشارہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسا کرنا نہیں چاہا۔ اسی طرح ساری مخلوق مل کر بھی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی اگر اللہ تعالیٰ ان کو نہ چاہے۔ اس کا مطلب صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کائنات میں ہوتا ہے۔ غور طلب ہے کہ یہ نصیحت اس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتی ہے کہ کسی کو دوا جیسے اسباب کا استعمال ترک کر دینا چاہیے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی اسباب کو استعمال کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے پیدا کیا ہے، لیکن اسے سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کے نتائج کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ مثال کے طور پر، وہ بہت سے بیمار لوگ ہیں جو دوائی لیتے ہیں اور اپنی بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ لیکن وہ دوسرے ہیں جو دوائی لیتے ہیں اور ٹھیک نہیں ہوتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک اور عنصر حتمی نتیجہ کا فیصلہ کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مرضی۔ باب 9 توبہ آیت 51

کہہ دو کہ ہم پر ہرگز نہیں مارے جائیں گے مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے۔“

جو اس بات کو سمجھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ان پر اثر انداز ہونے والی ہر چیز سے بچا نہیں جا سکتا تھا۔ اور وہ چیزیں جو ان سے چھوٹ گئیں وہ کبھی حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ نتیجہ جو بھی نکلے خواہ وہ کسی شخص کی خواہش کے خلاف کیوں نہ ہو انہیں صبر کرنا چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہترین انتخاب کیا ہے خواہ وہ نتائج کے پیچھے حکمت کو نہ بھی دیکھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

جب کوئی اس سچائی کو صحیح معنوں میں سمجھ لیتا ہے تو وہ مخلوق پر انحصار کرنا چھوڑ دیتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ وہ انہیں فطری طور پر نقصان یا فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اس کے بجائے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے خلوص نیت سے اس کی حمایت اور حفاظت چاہتے ہیں۔ یہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ انسان کو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ترغیب دیتا ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر مخلوق انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

اس بات کو تسلیم کرنا کہ انسان کی زندگی اور کائنات کے اندر موجود تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھنے کا ایک حصہ ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے اور صرف اس سطحی یقین سے آگے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جب یہ بات کسی کے دل میں جم جاتی ہے تو وہ صرف اللہ سے امید رکھتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ وہی ان کی مدد کرنے والا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے۔ حقیقت میں، ایک شخص صرف نقصان سے تحفظ یا کچھ فائدہ حاصل کرنے کے لئے دوسرے کی اطاعت کرتا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی یہ عطا کر سکتا ہے اس لیے صرف وہی اس کی اطاعت اور عبادت کا مستحق ہے۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کسی دوسرے کی اطاعت کو پسند کرتا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا

ہے کہ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ دوسرا انہیں کسی قسم کا فائدہ یا نقصان سے بچا سکتا ہے۔ یہ ان کے ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ تمام چیزوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے، لہذا مسلمانوں کو صرف اسی کی اطاعت کرنی چاہیے۔ باب 35 فاطر، آیت 2

اللہ تعالیٰ لوگوں کو جو کچھ بھی رحمت عطا فرمائے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اور جس چیز " کو وہ روکے، اس کے بعد اسے کوئی نہیں چھوڑ سکتا۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص کی اطاعت کرنا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب دیتا ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ مثلاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت۔ باب 4 النساء آیت 80

”جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

عمر بن مرہ رضی اللہ عنہ - 1

اسلام قبول کرنے کے بعد، عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قبیلے کو اسلام کی دعوت دینے کی اجازت دی تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے مشن پر روانہ کرنے سے پہلے درج ذیل نصیحت فرمائی۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 218-219 میں بحث ہوئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے نرمی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمان کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159

پس اللہ کی رحمت سے، [اے محمد]، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور "دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔"

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طہ، آیت 44

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے۔“

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے خاندان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد انہیں تقریر میں سچائی کی تلقین کی۔

جامع ترمذی نمبر 2501 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بے ہودہ یا بری بات سے خاموش رہے اور صرف اچھی بات کہے اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں محفوظ رکھے گا۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کیونکہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ان کی تقریر ہے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ درحقیقت یہ صرف ایک ہی برے لفظ کا استعمال کرتا ہے کہ وہ قیامت کے دن جہنم میں ڈوب جائے جس کی تصدیق جامع ترمذی کی ایک حدیث میں ہوئی ہے۔
نمبر 2314

تقریر تین طرح کی ہو سکتی ہے۔ پہلی بری بات ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ دوسری فضول گفتگو ہے جس سے صرف وقت ضائع ہوتا ہے جس سے قیامت کے دن بڑی پشیمانی ہوگی۔ مزید برآں، گنہگار تقریر کا پہلا قدم اکثر بیہودہ تقریر ہے۔ لہذا اس قسم کی تقریر سے بچنا زیادہ محفوظ ہے۔ آخری قسم اچھی تقریر ہے جسے ہمیشہ اپنانا چاہیے۔ ان پہلوؤں کی بنیاد پر تقریر کا دو تہائی حصہ زندگی سے نکال دینا چاہیے۔

اس کے علاوہ جو زیادہ بولتا ہے وہ صرف اپنے اعمال اور آخرت پر تھوڑا سا غور کرے گا کیونکہ اس کے لیے خاموشی ضروری ہے۔ یہ ان کے اعمال کا اندازہ لگانے سے روک دے گا جو کسی کو مزید نیک اعمال کرنے اور اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس شخص کو پھر بہتر کے لیے تبدیل کرنے سے روکا جائے گا۔

آخر میں، جو لوگ بہت زیادہ بولتے ہیں وہ اکثر دنیاوی چیزوں اور ایسی چیزوں پر بحث کرتے ہیں جو دل لگی اور تفریحی ہیں۔ اس سے وہ ایک ایسی ذہنیت اختیار کریں گے جس کے تحت وہ موت اور آخرت جیسے سنگین مسائل پر بحث کرنا یا سننا پسند نہیں کرتے۔ یہ انہیں آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کرنے سے روک دے گا جس کی وجہ سے وہ ایک بڑے پشیمانی اور ممکنہ عذاب کا باعث بنیں گے۔

ان سب سے بچا جا سکتا ہے اگر کوئی گناہ اور لغو باتوں سے خاموش رہے اور اس کے بجائے صرف اچھی باتیں کہے۔ لہذا اس طرح خاموش رہنے والا دنیا میں مصیبت اور آخرت میں عذاب سے بچ جائے گا۔

پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بدمزاجی سے بچنے کی تلقین فرمائی۔

صحیح بخاری نمبر 6116 کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو غصہ نہ کرنے کی نصیحت کی۔

درحقیقت اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی کبھی غصہ نہ کرے کیونکہ غصہ ایک فطری صفت ہے جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ درحقیقت، بعض غیر معمولی معاملات میں غصہ مفید ہو سکتا ہے، مثال کے طور پر، اپنے دفاع میں۔ اس حدیث کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے غصے کو قابو میں رکھے تاکہ یہ اسے گناہوں کی طرف نہ لے جائے۔ اس کے علاوہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غصہ بہت سی برائیوں کو جنم دیتا ہے اور اس پر قابو رکھنا بہت سی بھلائیوں کا باعث بنتا ہے۔

سب سے پہلے یہ نصیحت ان تمام اچھی خصوصیات کو اپنانے کا حکم ہے جو غصے پر قابو پانے کی ترغیب دیں، جیسے صبر۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ آدمی اپنے غصے کے مطابق کام نہ کرے۔ اس کے بجائے، انہیں اس پر قابو پانے کے لئے اپنے آپ سے جدوجہد کرنی چاہئے تاکہ یہ انہیں گناہوں کی طرف نہ لے جائے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے غصے پر قابو پانا ایک عظیم عمل ہے اور محبت الہی کی طرف لے جاتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت

جو غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

اسلام کے اندر بہت سی تعلیمات ہیں جو مسلمانوں کو اپنے غصے پر قابو پانے کی ترغیب دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر، جیسا کہ غصہ شیطان سے منسلک اور متاثر ہوتا ہے، صحیح بخاری نمبر 3282 میں ایک حدیث پائی جاتی ہے، جس میں مشورہ دیا گیا ہے کہ غصے والے شخص کو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 2191 میں موجود حدیث میں ناراض مسلمان کو زمین سے چمٹنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب تک وہ پرسکون نہ ہو جائیں زمین پر سجدہ کریں۔ درحقیقت، جتنا زیادہ کوئی غیر فعال جسمانی پوزیشن لیتا ہے، اتنا ہی کم موقع ہوتا ہے کہ وہ غصے میں مارے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4782 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس نصیحت پر عمل کرنے سے انسان اپنے غصے کو اپنے اندر قید کر لیتا ہے یہاں تک کہ وہ گزر جاتا ہے تاکہ دوسروں پر اس کا منفی اثر نہ پڑے۔

ایک مسلمان جو غصے میں ہو اسے سنن ابو داؤد نمبر 4784 میں موجود حدیث میں دی گئی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراض مسلمان کو وضو کرنے کی نصیحت کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی غصے کی فطری خصوصیت یعنی گرمی کا مقابلہ کرتا ہے۔ اگر کوئی اس کے بعد نماز پڑھتا ہے تو اس سے انہیں اپنے غصے پر مزید قابو پانے میں مدد ملے گی اور ایک عظیم اجر ملے گا۔

اب تک زیر بحث مشورے سے ناراض مسلمان کو اپنی جسمانی حرکات پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے۔ اپنی بات پر قابو پانے کے لیے غصے کی حالت میں بولنے سے گریز کرنا ہی بہتر ہے۔ بدقسمتی سے، الفاظ اکثر جسمانی اعمال کے مقابلے میں دوسروں پر زیادہ دیرپا اثر ڈال سکتے ہیں۔ غصے میں کہے گئے الفاظ کی وجہ سے لاتعداد رشتے ٹوٹ چکے ہیں اور ٹوٹ چکے ہیں۔

یہ رویہ اکثر دوسرے گناہوں اور جرائم کی طرف بھی جاتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے سنن ابن ماجہ نمبر 3970 میں موجود حدیث کو نوٹ کرنا ضروری ہے جس میں متنبہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کو جہنم میں ڈالنے کے لیے صرف ایک برے لفظ کی ضرورت ہے۔

غصے پر قابو پانا ایک بہت بڑی نیکی ہے اور اس پر قابو پانے والے کو صحیح بخاری نمبر 6114 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مضبوط انسان قرار دیا ہے۔ درحقیقت نگلنے والا اللہ تعالیٰ کے لیے ان کا غصہ، یعنی وہ اپنے غصے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں کرتے، ان کا دل سکون اور سچے ایمان سے بھر جائے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4778 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ صحیح دل کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ یہ واحد دل ہے جسے قیامت کے دن حفاظت ملے گی۔ باب 26 اشعرا، آیات 88 اور 89:

جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس سچے دل کے ”ساتھ آتا ہے۔“

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، حد کے اندر غصہ مفید ہو سکتا ہے۔ اسے اپنے نفس، ایمان اور مال کو پہنچنے والے نقصان کو دور کرنے کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے جو کہ اگر صحیح طریقے سے کیا جائے تو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے غضب میں شمار ہوتا ہے۔ یہ حال تھا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو اپنی خواہشات کی خاطر کبھی ناراض نہیں ہوئے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ناراض ہوا، جس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6050 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت قرآن پاک تھی، جو صحیح مسلم نمبر 1739 میں ایک حدیث میں نصیحت کی گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اس پر راضی ہو گا جس سے وہ راضی ہو گا اور جس سے ناراض ہو گا اس پر ناراض ہو گا۔

غور طلب ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غصہ کرنا قابل تعریف ہے لیکن اگر یہ غصہ حد سے بڑھ جائے تو وہ قابل ملامت ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے غصے پر قابو رکھنا انتہائی ضروری ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر غصہ میں ہی کیوں نہ ہو۔ سنن ابو داؤد نمبر

میں موجود ایک حدیث ایک ایسے نمازی کو خبردار کرتی ہے جو غصے میں اللہ تعالیٰ کا 4901 دعویٰ کرتا ہے کہ وہ کسی خاص گنہگار کو معاف نہیں کرے گا۔ اس کے نتیجے میں اس نمازی کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا جبکہ گناہ گار کو قیامت کے دن معاف کر دیا جائے گا۔

برائی کی ابتداء چار چیزوں سے ہوتی ہے: خواہش پر قابو نہ پانا، خوف، بُری بھوک اور غصہ۔ لہذا جو شخص اس حدیث کی نصیحت کو قبول کرے گا اس کے کردار اور زندگی سے ایک چوتھائی برائی دور ہو جائے گی۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کے لیے اپنے غصے کو قابو میں رکھنا بہت ضروری ہے، اس لیے یہ ان کے لیے ایسی حرکت یا بات کرنے کا سبب نہ بنے جس سے انہیں دنیا اور آخرت دونوں میں بڑی پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے۔

پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تکبر سے بچنے کی تلقین فرمائی۔

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 265 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ انہوں نے واضح کیا کہ فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص سچائی کو مسترد کرتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔

تکبر رکھنے والے کو نیک اعمال کی کوئی مقدار فائدہ نہیں دے گی۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی شیطان کو دیکھتا ہے اور جب وہ مغرور ہو گیا تو اس کی ان گنت سالوں کی عبادت نے اسے کیسے فائدہ نہیں پہنچایا۔ درحقیقت، مندرجہ ذیل آیت واضح طور پر غرور کو کفر سے جوڑتی ہے اس لیے ایک مسلمان کو ہر قیمت پر اس بری صفت سے بچنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ،
آیت 34

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

مغرور وہ ہے جو حق کو اس وقت رد کرتا ہے جب وہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ان کی طرف سے نہیں آیا تھا اور یہ ان کی خواہشات اور ذہنیت کو چیلنج کرتا ہے۔ مغرور شخص یہ بھی مانتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں حالانکہ وہ اپنے آخری انجام اور دوسروں کے آخری انجام سے بے خبر ہیں۔ یہ صریح جہالت ہے۔ درحقیقت، کسی بھی چیز پر فخر کرنا بے وقوفی ہے۔ یہاں تک کہ نیک اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ الہام، علم اور قوت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لہذا جس چیز کا تعلق فطری طور پر نہیں ہے اس پر فخر کرنا صریح حماقت ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص جو اس حویلی پر فخر کرتا ہے جس کا وہ مالک بھی نہیں اور نہ ہی رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فخر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق اور پیدائشی مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو للکارنے والا تکبر کے ساتھ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4090 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عاجزی اختیار کرے۔ عاجز واقعی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو بھی بھلائی ہے اور وہ تمام برائیاں جن سے وہ محفوظ ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی طرف سے نہیں۔ پس عاجزی انسان کے لیے غرور سے زیادہ موزوں ہے۔ انسان کو بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ عاجزی رسوائی کا باعث بنتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندوں سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرنے والے کے درجات میں اضافے کی ضمانت دی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر انہیں دوسروں سے حسد کرنے سے بچنے کی تلقین کی۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4210 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حسد کرنا ایک سنگین اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ حسد کرنے والے کا مسئلہ کسی دوسرے انسان سے نہیں درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہے جس نے حسد کرنے والی نعمت عطا فرمائی ہے۔ لہذا انسان کی حسد صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار اور انتخاب سے ناراضگی کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غلطی کی ہے جب اس نے ان کے بجائے کسی دوسرے شخص کو ایک خاص نعمت مختص کی تھی۔

بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدتر قسم وہ ہے جب حسد کرنے والا مالک سے نعمت کو دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔ حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، اپنے جذبات کو ناپسند کرے اور اسی طرح کی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے بغیر اس کے کہ مالک اس نعمت سے محروم ہو۔ اگرچہ یہ قسم گناہ نہیں ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو تو اسے ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے اور اگر دینی نعمت پر ہو تو قابل تعریف ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 کی ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلا شخص جس پر حلال رشک کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو حلال مال حاصل کرے اور خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے طریقوں سے۔ دوسرا وہ شخص جس سے حسد کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو اپنے علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرے اور دوسروں کو سکھائے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ حسد کرنے والے کے ساتھ حسن سلوک اور حسن سلوک سے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ اس کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ - 1

قبیلہ داؤس کا ایک معزز اور معزز شخص طفیل بن عمرو مکہ آیا تو مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تنبیہ کی اور تاکید کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات نہ مانیں۔ اور نہ ہی اس سے بات کریں۔ حتیٰ کہ اس نے اپنے کانوں میں روئی بھر دی تاکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سننے سے بچ سکیں۔ لیکن جب اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو اس نے عقل سے کام لیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کی دعوت دیں گے وہ اچھی ہے تو وہ اسے قبول کر لیں گے۔ برا تھا وہ صرف اسے مسترد کر دے گا۔ اسلام کی تعلیمات سننے کے بعد اس نے جواب دیا کہ میں نے اسلام سے زیادہ خوبصورت اور متوازن کوئی چیز نہیں سنی۔ اس کے بعد اس نے اسلام قبول کیا اور اپنے قبیلے میں واپس آگئے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مشورہ دیا کہ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ وہ اپنے قبیلے کو خوش اسلوبی اور نرمی سے تبلیغ کریں۔ نبوی، جلد 2، صفحہ 48-49 اور امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 221-222 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6464 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اعمال صحیح، خلوص اور اعتدال کے ساتھ کئے جائیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ انسان کے اعمال اسے جنت میں نہیں لے جائیں گے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اعمال وہ ہیں جو باقاعدگی سے ہوں خواہ وہ کم ہوں۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ صحیح معنوں میں اعمال کو انجام دیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق، کیونکہ اس ہدایت کے بغیر اعمال انجام دینے سے اللہ تعالیٰ کی رضا سے دور ہو جائے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ” تمہارے گناہ بخش دے گا۔“

اس کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنا چاہیے، نہ کہ کسی اور وجہ سے، جیسے دکھاوے کے لیے۔ ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا، جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تئیبہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اوپر زیادہ بوجھ ڈالے بغیر اعتدال کے ساتھ رضاکارانہ نیک اعمال انجام دیں کیونکہ یہ اکثر ترک کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اس کے بجائے، انہیں اپنی استطاعت اور اسباب کے مطابق باقاعدگی سے عمل کرنا چاہیے، خواہ یہ اعمال سائز اور تعداد میں کم ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ یہ ان بڑے اعمال سے کہیں زیادہ برتر ہے جو ایک بار انجام دیے جاتے ہیں۔

آخر میں، ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ان کے اعمال صالحہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہیں، کیونکہ انہیں انجام دینے کا الہام، علم، طاقت اور موقع اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ لہذا مسلمان صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی جنت میں داخل ہوں گے۔ اس حقیقت کو سمجھنا غرور کی مہلک خصوصیت کو روکتا ہے۔ ایک ایٹم کی قیمت کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 266 میں موجود حدیث میں اس کی تئیبہ کی گئی ہے۔

طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ - 2

جب طفیل رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلے کو دعوت دی تو ان کی اکثریت نے اسے اور اسلام سے انکار کر دیا۔ وہ غمگین اور غصے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آیا اور اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ وہ اپنے قبیلے کو اسلام سے انکار کرنے پر لعنت بھیجیں۔ نتیجتاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی رہنمائی کے لیے دعا فرمائی اور اپنی قوم کو حق کی طرف دعوت دینے کی کوشش کرتے رہنے کی ترغیب دی اور بالآخر ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 222-223 میں بحث ہوئی ہے۔

لعنت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لیے دعا کرتا ہے کہ اسے کسی چیز سے یا کسی اور سے ہٹا دیا جائے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون لعنت کا مستحق ہے اور کون اس کی رحمت سے محروم ہے۔ اس لیے اس فضول عادت سے بچنا چاہیے۔ ایسے شخص پر لعنت بھیجنا جو اس کا مستحق نہیں ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خواہاں ہے کہ اسے کسی اور سے ہٹایا جائے وہ اس کے بدلے ان سے دور کر دیا جائے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2019 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ سچا مومن لعنت نہیں کرتا۔ جن مسلمانوں کو لعنت کرنے کی عادت ہے وہ اللہ تعالیٰ کو اس قدر ناپسند ہیں کہ وہ قیامت کے دن گواہ اور سفارشی ہونے سے محروم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے نمبر 6610 صحیح مسلم دن باقی مخلوق کے سامنے انہیں دکھانا ناپسند کرے گا۔ اس کی تصدیق میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

آخر میں صحیح بخاری نمبر 6652 میں موجود ایک حدیث مومن پر لعنت کرنے کی شدت کو واضح کرتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن پر لعنت کرنا انہیں قتل کرنے کے مترادف ہے۔

یہاں تک کہ اگر کوئی لعنت کا مستحق ہے تو اس سے پرہیز کرنا زیادہ محفوظ اور دانشمندی ہے اور اس کے بجائے ایسے الفاظ کہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، جیسے اس کا ذکر۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ - 1

قادیسیہ کی جنگ سے پہلے جو فارسیوں کے خلاف لڑی گئی تھی، عمر بن خطاب کے دور خلافت میں، مغیرہ رضی اللہ عنہ کو فارس کے سردار سے بات کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 237-238 میں بحث ہوئی ہے۔

جب فارس کے سردار نے مغیرہ رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں کو امن کے ساتھ وطن واپس آنے کی ترغیب دی اور اس کے بجائے دونوں قوموں کے درمیان تجارت شروع کر دی تو اس نے جواب دیا کہ مسلمانوں کو مادی دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور ان کا واحد مقصد کامیاب ہو رہا ہے۔ آخرت

یہ رویہ اختیار کرنے کے لیے مادی دنیا اور آخرت کے حوالے سے صحیح فہم و ادراک کو اپنانا چاہیے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تمثیل اس لیے دی گئی تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے جبکہ آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے

کاٹ دے گی۔ دوسری طرف آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے۔ جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ لہذا کسی کی ریٹائرمنٹ جیسے دن کے لیے کوشش کرنا بے وقوفی ہے، جس تک وہ آخرت کے لیے کوشش کرتے ہوئے کبھی نہ پہنچ سکے جس تک پہنچنے کی ان کی ضمانت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اس مادی دنیا سے اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرنا چاہیے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کریں۔

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

جب فارسی رہنما نے ان سے اسلام کے بارے میں پوچھا تو مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس میں لوگوں کو لوگوں کے خادم ہونے سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کے بندوں کی طرف لے جانا شامل ہے۔

سب سے پہلے، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جو چیز انسان کو جانور سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ ایک اعلیٰ اخلاقی ضابطے کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر لوگ اس کو چھوڑ دیں اور صرف اپنی خواہشات پر عمل کریں تو ان میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ درحقیقت، لوگ بدتر ہوں گے کیونکہ وہ ابھی تک اعلیٰ سطح کی سوچ رکھتے ہیں، پھر بھی جانوروں کی طرح زندگی گزارنے کا انتخاب کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ لوگ حقیقت میں تسلیم کرنا چاہیں یا نہ کریں، ہر شخص کسی نہ کسی چیز کا بندہ ہے۔ کچھ دوسروں کے نوکر ہوتے ہیں، جیسے کہ ہالی ووڈ کے ایگزیکٹوز اور جو کچھ وہ انہیں کرنے کا حکم دیتے ہیں وہ کرتے ہیں چاہے اس سے حیا اور شرمندگی کو چیلنج ہو۔ دوسرے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے نوکر ہوتے ہیں اور ان کو خوش کرنے کے لیے جو کچھ کرنا پڑتا ہے کرتے ہیں۔ دوسروں کی اپنی خواہشات کے غلام بن کر بدتر ہوتے ہیں کیونکہ یہ ان جانوروں کا رویہ ہے جو عموماً اپنے آپ کو خوش کرنے کے لیے کام کرتے ہیں۔ بندگی کی بہترین اور اعلیٰ ترین صورت اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹیں تو یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بندے تھے مثلاً انبیاء علیہم السلام کو اس دنیا میں سب سے زیادہ عزت و تکریم سے نوازا گیا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ اگلے میں یہ عطا کیا۔ صدیاں اور ہزار سال گزر چکے ہیں لیکن ان کے نام تاریخ کے ستونوں اور میناروں کے طور پر یاد کیے جاتے ہیں۔ جب کہ جو لوگ خاص طور پر دوسروں کے بندے بن گئے ان کی اپنی خواہشات آخر کار اس دنیا میں رسوا ہو گئیں خواہ انہیں کوئی دنیاوی حیثیت حاصل ہو گئی اور وہ تاریخ میں محض حاشیہ بن گئے۔ میڈیا بمشکل ان لوگوں کو یاد کرتا ہے جو چند دن سے زیادہ گزر جاتے ہیں اس سے پہلے کہ وہ اگلے شخص پر رپورٹ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ اپنی زندگی کے دوران یہ لوگ آخر کار اداس، تنہا، افسردہ اور خودکشی تک کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ اپنی روح اور شرافت کو اپنے دنیاوی آقاؤں کے سامنے بیچنے سے انہیں وہ اطمینان نہیں ملتا جس کی وہ تلاش کر رہے تھے۔ اس واضح حقیقت کو سمجھنے کے لیے کسی کو عالم ہونے کی ضرورت نہیں۔ پس اگر لوگوں کو بندے بننا چاہیے تو اللہ عزوجل کے بندے بنیں کیونکہ دائمی عزت، عظمت اور حقیقی کامیابی اسی میں ہے۔

جب فارسی رہنما نے ان سے اسلام کے بارے میں پوچھا تو مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اسلام نے سکھایا ہے کہ تمام بنی نوع انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ان کے ایک ہی باپ اور ماں ہیں۔

اس سے اسلام میں مساوات کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل و صورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ”پرہیزگار ہے۔“

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

جریر بن عبداللہ - 1

جریر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نصیحت کی کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی، فرض نمازیں قائم کرنے، صدقہ خیرات کرنے اور ہر مسلمان کے ساتھ مخلص اور سچے ہونے کا عہد کیا۔ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا

دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔
باب 17 الاسراء، آیت 53

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔“

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔“

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ

عوف رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے ایک چھوٹے سے گروہ میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ وہ لوگوں سے کچھ نہیں مانگیں گے۔ اس چھوٹے سے گروہ نے اس عہد پر اس حد تک سختی سے عمل کیا کہ وہ کسی دوسرے شخص کو ان کی سواری سے گرنے والی چیز کے گزرنے کے لیے بھی نہیں کہتے تھے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 2867 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6470 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص دوسروں سے مانگنے سے باز رہے گا اسے آزادی دی جائے گی۔

ضرورت پڑنے پر دوسروں سے مدد مانگنے میں کوئی حرج نہیں لیکن مسلمان کو یہ عادت نہیں ڈالنی چاہیے کیونکہ اس سے عزت نفس کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ خطرناک ہو سکتا ہے کیونکہ جو شخص عزت نفس کھو دیتا ہے اس کے گناہوں کا زیادہ امکان ہوتا ہے کیونکہ وہ اس بات کی پرواہ کرنا چھوڑ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو دوسروں کی مدد کے لیے رجوع کرنے سے پہلے ان تمام ذرائع کو بروئے کار لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی آزادی عطا فرمائے گا۔

حقیقی امیر وہ ہے جو محتاج اور چیزوں کا لالچی نہ ہو۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اس پر راضی ہو جاتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے، جو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی

صحیح طور پر یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لامحدود علم کے مطابق ہر ایک کو بہترین چیز دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

یہ شخص واقعی امیر ہے جب کہ جو ہمیشہ چیزوں کا لالچی اور محتاج رہتا ہے وہ غریب ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ صحیح مسلم نمبر 2420 کی حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

عمر و بن شاس اسلمى رضى الله عنه - 1

رسول الله صلى الله عليه وسلم كى مدينه بجزرت كے دسويں سال آپ نے على بن ابو طالب رضى الله عنه كى قيادت ميں يمن كى طرف ايك مہم روانہ كى۔ ايك صحابى عمرو بن شاس اسلمى رضى الله عنه جو اس مہم ميں شامل تھے، نے محسوس كيا كہ على رضى الله عنه نے ان كے ساتھ سخت سلوك كيا ہے۔ جب عمرو رضى الله عنه مدينه واپس آئے تو انہوں نے على رضى الله عنه كو مختلف ملاقاتوں ميں اور مختلف لوگوں سے جن سے اس نے بات كى تھی، تنقيد كى۔ ايك دن وہ مسجد ميں داخل ہوا اور حضور نبى اكرم صلى الله عليه وآله وسلم كو پايا، آپ صلى الله عليه وآله وسلم آپ صلى الله عليه وآله وسلم كو گھورتے رہے يہاں تك كہ آپ صلى الله عليه وآله وسلم ان كے پاس بيٹھ گئے۔ حضور نبى اكرم صلى الله عليه وآله وسلم نے پھر عمرو رضى الله عنه كو بتايا كہ اس نے مجھے نقصان پہنچايا ہے۔ عمرو رضى الله عنه نے اسے نقصان پہنچانے پر افسوس كا اظہار كيا۔ حضور نبى اكرم صلى الله عليه وآله وسلم نے آخر ميں يہ تبصرہ فرمايا كہ جس نے على رضى الله عنه كو نقصان پہنچايا اس نے اسے نقصان پہنچايا۔ امام ابن كثير كى سيرت نبوى جلد 4 صفحہ 143 ميں اس پر بحث كى گئی ہے۔

سب سے پہلے مسلمانوں كے ليے ضرورى ہے كہ وہ دوسروں كے غير معمولى منفى رويے كو نظر انداز كريں۔ تمام مسلمان اميد كرتے ہيں كہ قيامت كے دن الله تعالىٰ ان كى گزشتہ غلطيوں اور گناہوں كو ايك طرف ركھے گا، نظر انداز كرے گا اور معاف كر دے گا۔ ليكن عجيب بات يہ ہے كہ انہيں مسلمانوں ميں سے اكثر جو اس كى اميد اور دعا كرتے ہيں وہ دوسروں كے ساتھ ايسا سلوك نہيں كرتے۔ مطلب، وہ اكثر دوسروں كى ماضى كى غلطيوں پر ہاتھ ڈالتے ہيں اور انہيں اپنے خلاف ہتھيار كے طور پر استعمال كرتے ہيں۔ يہ ان غلطيوں كى طرف اشارہ نہيں ہے جن كا اثر حال يا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال كے طور پر، ڈرائيور كى وجہ سے ہونے والا كار حادثہ جو كسى دوسرے شخص كو جسمانى طور پر معذور كر ديتا ہے، ايك غلطى ہے جو حال اور مستقبل ميں شكار كو متاثر كرے گی۔ اس قسم كى غلطى كو چھوڑنا اور نظر انداز كرنا سمجھنا مشكل ہے۔ ليكن بہت سے مسلمان اكثر دوسروں كى غلطيوں پر ہاتھ ڈالتے ہيں جو كسى بھى طرح سے مستقبل كو متاثر نہيں كرتى ہيں، جيسے كہ زبانى توہيں۔ اگرچہ غلطى ختم ہو چكى ہے ليكن يہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ كرنے اور دوسروں كے خلاف استعمال كرنے پر اصرار كرتے ہيں۔ يہ ايك انتہائى افسوسناك ذہنيت ہے جيسا كہ كسى كو سمجھنا چاہئے كہ لوگ فرشتے نہيں ہيں۔ كم از كم ايك مسلمان جو الله تعالىٰ سے اپنى ماضى كى غلطيوں سے درگزر كرنے كى اميد ركھتا ہے اسے دوسروں كى ماضى كى غلطيوں كو نظر انداز كرنا چاہيے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ كرنے سے انكار كرتے ہيں وہ ديكھيں گے كہ ان كے زيادہ تر تعلقات ٹوٹ چكے ہيں كيونكہ كوئى بھى رشتہ مكمل نہيں ہوتا ہے۔ وہ ہميشہ اختلاف كا شكار رہيں گے جو ہر رشتے ميں

غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر... دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

اللہ عزوجل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقیقی اس کے علاوہ یہ واقعہ ان تمام لوگوں سے محبت کرنا جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ: محبت کی علامت کو نمایاں کرتا ہے، یعنی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے، خواہ یہ ان کے بارے میں کسی کی ذاتی رائے کے خلاف ہو۔ اس محبت میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے الفاظ کے ذریعے اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے محبت کا اعلان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور صالحین اس سچی محبت کے حامل تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک سے محبت اس شخص پر فرض ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرے۔ یہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 17 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگاروں سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ کے مقدس شہر کے رہنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان کا حصہ

اور ان سے نفرت منافقت کی نشانی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3862 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ کسی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید نہ کریں کیونکہ ان سے محبت کرنا اس کی علامت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا اور ان سے بغض رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ سے بغض رکھنے کی علامت ہے۔ یہ شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہو گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 143 میں موجود ایک حدیث میں اپنے مبارک گھر والوں کے بارے میں اسی طرح کا بیان فرمایا ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مسلمان پر بلاجواز تنقید کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اس سے ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو اس گناہ سے نفرت کرنی چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے پھر بھی گناہ گار مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنے کی وجہ سے اس سے محبت رکھنا چاہیے۔ اس پر درود ہو۔ دوسروں سے محبت کرنے کی علامت ان کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آنا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 1

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایسے شخص تھے جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی بتوں کی پرستش نہیں کی تھی اور ایک خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ جب اس نے اسلام کے بارے میں سنا تو وہ مکہ میں داخل ہوا اور چھپ چھپ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی خواہش رکھتا تھا کیونکہ وہ مکہ کے غیر مسلموں کی اسلام سے نفرت سے واقف تھا۔ علی نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان کے مقصد کے بارے میں معلوم کرنے کے بعد اس نے اپنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان خفیہ ملاقات کرانے میں مدد کی۔ اس کے نتیجے میں ابوذر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ امام محمد السلابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 71-72 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کی مدد اور رہنمائی کے لیے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ان سے ایسا حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت احتیاط برتیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کے کاموں میں صرف اس لیے نصیحت کرے کہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ ایک شخص قیامت کے دن محض یہ دعویٰ کر کے عذاب سے نہیں بچ سکتے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر

وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کریں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان کاموں کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ خود اسباب کی کمی کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 2

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی کہ وہ تنقید کرنے والے کی تنقید سے نہیں ڈریں گے جب کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 258 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے صحیح طریقے سے رہنمائی کرتے ہیں کیونکہ دوسروں پر ان کی تنقید کی بنیاد قرآن پاک میں موجود تنقید اور نصیحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ہوتی ہے۔ یہ قسم ہمیشہ تعمیری رہے گی اور دونوں جہانوں میں نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف رہنمائی کرے گی۔ یہ لوگ دوسروں کی زیادہ یا کم تعریف کرنے سے بھی گریز کریں گے۔ دوسروں کی زیادہ تعریف کرنا انہیں مغرور اور تکبر کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں کی تعریف کرنے سے وہ کابل بن سکتے ہیں اور انہیں اچھے کام کرنے سے روک سکتے ہیں۔ یہ ردعمل اکثر بچوں میں دیکھا جاتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق تعریف کرنے سے دوسروں کو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں زیادہ محنت کرنے کی ترغیب ملے گی اور یہ انہیں تکبر کرنے سے روکے گا۔ اس لیے اس شخص کی تعریف اور تعمیری تنقید کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے خواہ وہ کسی اجنبی کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری قسم کے لوگ اپنی خواہشات کی بنیاد پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ تنقید زیادہ تر غیر تعمیری ہے اور صرف کسی کے خراب مزاج اور رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ لوگ اکثر دوسروں کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ ان دونوں کے منفی اثرات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ لہذا اس شخص کی تنقید اور تعریف کو اکثر صورتوں میں نظر انداز کر دینا چاہیے خواہ وہ کسی عزیز کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ تنقید کے معاملے میں غیر ضروری طور پر اداس اور تعریف کے معاملے میں تکبر کا باعث بنتا ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو شخص دوسروں کی زیادہ تعریف کرتا ہے وہ اکثر ان پر بھی تنقید کرتا ہے۔ جس اصول پر عمل کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ صرف اسلام کی تعلیمات پر مبنی تنقید اور تعریف قبول کریں۔ باقی تمام چیزوں کو نظر انداز کرنا چاہیے اور ذاتی طور پر نہیں لینا چاہیے۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 3

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خلیفہ کی طرف سے ایک غلام ربده سے واجب صدقہ وصول کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ جب نماز کا وقت ہوا تو غلام پہلے تو نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھا لیکن جب اس نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے اور نماز پڑھانے کی ترغیب دی۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے غلام کو نماز پڑھانے کی تاکید کی اور بیان کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ان سے فرمایا کہ کسی سردار کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو اگرچہ وہ غلام ہی کیوں نہ ہو۔ سنن ابن ماجہ نمبر 2862 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ اپنے لیڈروں کے لیے اخلاص کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء: آیت 59

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو " ...تم میں سے حاکم ہیں

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ

كرے۔ مخلوق كى كوئى اطاعت نهىں اكر يه خالق كى نافرمانى كا باعث بنے۔ اس طرح كے معاملات ميں ليڈروں كے خلاف بغاوت كرنے سے گريز كيا جانا چاهيے كيونكه اس سے صرف معصوم لوگوں كا بهى نقصان هوتا هے۔ اس كے بجائے قاندين كو اسلام كى تعليمات كے مطابق نرمى سے نيكي اور برائى سے منع كرنا چاهيے۔ دوسروں كو اس كے مطابق عمل كرنے كى تلقين كرنى چاهيے اور هميشه رانماؤں سے صحيح راستے پر چلنے كى دعا كرنى چاهيے۔ ليڈر سيدهے رهيں گے تو عوام بهى سيدهے رهيں گے۔

ليڈروں كے ساتھ دهوكه كرنا منافقت كى علامت هے جس سے هر وقت بچنا چاهيے۔ اخلاص ميں ان معاملات ميں ان كى اطاعت كرنے كى كوشش كرنا بهى شامل هے جو معاشرے كو بهلائى پر اكٹها كرتے هيں اور هر اس چيز سے تنبيه كرتے هيں جو معاشرے ميں خلل پيدا كرتے۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 4

ایک دفعہ شام کے گورنر نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو 300 سونے کے سکے تحفے میں بھیجے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں اور قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے تبصرہ کیا کہ جو کچھ اس کے پاس تھا وہ اس کے لیے کافی تھا، جو ایک سایہ تھا جس میں اس نے پناہ لی، بکریوں کا ایک چھوٹا ریوڑ اور ایک آزاد کردہ غلام جو اس کی خدمت کرتا تھا۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ اس کے باوجود اسے خوف ہے کہ اس کے پاس اس دنیا میں بہت سی چیزیں ہیں۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 279 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 103 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جس کے اعمال کی اللہ تعالیٰ نے جانچ پڑتال کی، قیامت کے دن اس کو سزا دی جائے گی۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ اس مادی دنیا کی حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونا ممنوع نہیں ہے تو وہ اکثر حرام کی طرف لے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول تقریر عام طور پر گناہ کی تقریر سے پہلے پہلا قدم ہے۔ اس کے علاوہ، جتنا زیادہ غیر ضروری حلال چیزوں میں ملوث ہوگا، قیامت کے دن اس کا احتساب اتنا ہی طویل ہوگا۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ قیامت کا دن ایک مشکل دن ہو گا۔ مثال کے طور پر سورج کو تخلیق کے دو میل کے فاصلے پر لایا جائے گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2421 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اگرچہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور نجات مل سکتی ہے، لیکن اس سے کم نہیں، ان کی جوابدہی جتنی لمبی ہوگی، اتنا ہی زیادہ دباؤ وہ برداشت کریں گے۔ قیامت کے دن کو پچاس ہزار سال لمبا ہونے کی صورت میں دیکھ کر قرآن پاک کے مطابق چند دہائیوں کی حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسے دن مشکل احتساب کا سامنا کرنا پڑے گا جو اتنا طویل رہے گا۔ باب 70 المعارج، آیت 4

“ایک دن کے دوران جس کی حد پچاس ہزار سال ہے۔”

لہذا بہتر ہے کہ ایک سادہ زندگی گزاری جائے تاکہ قیامت کے دن اپنے احتساب کو کم سے کم کیا جا سکے۔ یہ ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث نمبر 4118 میں یہ نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 5

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ اپنے خادم کے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا گیا۔ جب اس سے کہا گیا کہ وہ اپنے خادم سے بہتر لباس پہنو تو اس نے نصیحت کی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ انہیں نصیحت کی کہ مالک اپنے خادم کو وہی کھانا کھلائے جو وہ کھاتے ہیں، انہیں وہی لباس پہنائے جو وہ پہنتے ہیں۔ کسی بھی کام میں ان کی مدد کریں جو مکمل کرنے کی ان کی طاقت سے باہر ہو۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 377-378 میں بحث ہوئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ”پرہیزگار ہے“۔

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

مزید برآں، اگر کسی مسلمان کو اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 6

ابو ذر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ایک دفعہ کہا کہ وہ دن کا زیادہ تر حصہ تنہائی میں مراقبہ میں گزارتے تھے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 638-639 میں بحث ہوئی ہے۔

محض عبادت کرنے سے کسی کو ایمان کے اعلیٰ درجات تک نہیں پہنچایا جا سکتا۔ مسلمان اپنے باطن کو پاک کر کے ہی اس منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ ان کے پاس موجود منفی خصوصیات کو ہٹا کر اور ان کی جگہ اچھی خصوصیات لے کر حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ صرف سنجیدہ عکاسی اور خود تشخیص کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔

جب کوئی اپنی حقیقت کو پہچانتا ہے تو یہ انہیں ایک خادم کی طرح زندگی گزارنے اور اپنی تخلیق کا مقصد پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کو اپنے رب کے طور پر پہچاننے کی طرف لے جائے گا، جو کہ حتمی مقصد ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56

”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔“

اپنے کردار اور روح کو بری خصوصیات سے پاک کرنے کے لیے ضروری اقدامات کرنے کے لیے یہ خود تشخیص ضروری ہے جو دونوں جہانوں میں کامیابی کا راستہ ہے۔ کچھ لوگ مادی دنیا میں اس قدر کھو جاتے ہیں کہ وہ کبھی بھی اس اہم کام کو انجام نہیں دیتے اور اس لیے دہائیاں گزر جاتی ہیں ان میں ایک بھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کو کمزوری کے آخری مرحلے تک پہنچنے سے پہلے خود اندازہ لگانے اور بہتر سے بہتر تبدیلی کے لیے جو وقت دیا گیا ہے اسے استعمال کرنا چاہیے۔ اس وقت وہ تبدیلی کی خواہش کریں گے لیکن وہ ایسا کرنے کی ذہانت یا

طاقت کے مالک نہیں ہوں گے۔ صحیح بخاری نمبر 6412 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹنے کی ضرورت ہے کہ ان لوگوں کا مشاہدہ کیا جائے جنہیں بڑی طاقت اور دولت سے نوازا گیا تھا لیکن آخرکار ایک وقت ایسا آیا کہ ان کی طاقت ختم ہو گئی اور ان کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے وہ تباہ ہو گئے۔

جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنی طاقت کے لمحات کو صحیح طریقے سے استعمال کیا، اللہ تعالیٰ انہیں اس طرح نوازے گا کہ اس دنیا سے جانے کے بعد بھی معاشرے میں ان کی عزت ہوگی۔

چونکہ مسلمانوں کی اکثریت عربی زبان کو نہیں سمجھتی بہت زیادہ عبادت اس اندرونی تطہیر کو متحرک نہیں کرے گی۔ انسان اس مادی دنیا، موت، قبر اور جہنم پر غور کرنے سے ہی اس تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کی وجہ سے غور و فکر کا ایک لمحہ ساٹھ سال کی رضاکارانہ عبادت سے بہتر ہو سکتا ہے۔

جو لوگ عقل یا غور و فکر کے بغیر رہتے ہیں وہ عادتاً ایسی غلطیاں کرتے ہیں جو صرف مسلسل تناؤ کا باعث بنتی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر کسی مقصد کے زندگی گزارتے ہیں اور ان کے حقیقی مقصد کو سمجھے بغیر ہر دن گزرتے ہیں۔

متقی لوگ ہمیشہ اپنے دن میں سے وقت نکال کر اپنے مقاصد پر غور کرتے ہیں کہ انہوں نے کون سے اعمال انجام دیے ہیں اور کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا ہے یا نہیں۔ یہ ذہنیت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ انسان گناہوں سے بچتا ہے، اعمال صالحہ انجام دیتا ہے اور اگر گناہ سرزد ہو جائیں تو سچے دل سے توبہ کرے۔ یہ ذہنیت اسلام کے دوسرے صحیح ہدایت یافتہ خلیفہ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دیے گئے مشورے کے مطابق ہے جو کہ امام اصفہانی کی کتاب ہدایات الاولیاء نمبر 98 میں درج ہے۔ ان کا فیصلہ کوئی اور کرے گا یعنی اللہ تعالیٰ، قیامت کے دن۔

یہ خود تشخیص کلید ہے جو کسی کو خلوص دل سے توبہ کرنے اور بہتر کے لیے تبدیل کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ یہ اس مرحلے کے مقابلے میں بہترین مرحلہ ہے جہاں کسی کو اپنی غلطیوں کا تب ہی احساس ہوتا ہے جب کوئی دوسرا اس کی نشاندہی کرتا ہے۔ لیکن اس مرحلے میں بھی اچھے دوست اور رشتہ داروں کی ضرورت ہوتی ہے جو صرف مادی دنیا کے بارے میں فکر مند ہونے کے بجائے اپنی ابدی فلاح و بہبود کے لئے عقلمند اور مخلصانہ فکر مند ہوں۔ واقعی ایک خوش نصیب مسلمان وہ ہے جس کے پاس اس قسم کے رشتہ دار اور دوست ہوں جو انہیں تقویٰ اختیار کرنے میں مدد دیں۔

کسی دن کے آغاز پر غور کرنے سے یہ بھی یقینی ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے روزمرہ کے کاموں کو ترجیح دیتا ہے اور ان کاموں سے گریز کر کے وقت بچاتا ہے جن میں تاخیر ہونی چاہیے۔

درج ذیل آیت میں کامیاب مسلمانوں کی حالت بیان کی گئی ہے۔ وہ اسلام کی تعلیمات پر غور و فکر کرتے ہیں اور ان سے بہت متاثر ہوتے ہیں اور انہیں اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کوئی اس طرح متاثر ہوتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور غرور کے آثار نہیں دکھانا چاہیے۔ لیکن اگر کوئی اس طرح متاثر نہیں ہوتا ہے تو اسے توبہ کرنی چاہیے اور اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے بدل جائے۔ باب 5 المائدة، آیت 83

اور جب وہ سنتے ہیں جو رسول پر وحی کی گئی ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں اس وجہ ” سے آنسوؤں سے بہ جاتی ہیں کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔

خود غور و فکر کی کمی نے مسلمانوں کو مادی دنیا میں کھو دیا ہے حالانکہ اسلامی علم پہلے سے کہیں زیادہ آسانی سے دستیاب ہے۔ رضاکارانہ عبادت صرف ایک ہی دور لے جائے گی لیکن ایمان کی بلندی تک پہنچنے کے لیے انہیں اپنے کردار پر غور و فکر اور جائزہ لینا چاہیے۔ اس سے وہ اپنی برائی خصلتوں کو ترک کرنے اور ان کی جگہ اچھی چیزوں کو لے جانے کی ترغیب دے گا۔ اس خود تشخیص اور غور و فکر کو تحریک دینے کے لیے جس اہم جز کی ضرورت ہے وہ اسلامی علم ہے جو کسی معتبر ذریعہ سے حاصل کیا جانا چاہیے۔ یہ ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ اس قسم کا علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 7

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ان لوگوں کو دیکھنے کی نصیحت کی جن کے پاس دنیا کی چیزیں ان سے کم ہیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 353 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4142 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ ان سے کم دنیاوی چیزوں کے مالک ہیں بجائے ان کے۔ جن کے پاس زیادہ ہے کیونکہ یہ ان کو ناشکری سے باز رکھے گا۔

بدقسمتی سے، کچھ لوگ دوسروں کی زندگیوں کا غلط مشاہدہ کرتے ہیں جو ان کی اپنی زندگی سے بہتر معلوم ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر، عام لوگ اکثر مشہور شخصیات کا مشاہدہ کرتے ہیں اور غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی زندگی بہتر ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ تصور درست نہیں ہے۔ کیونکہ جو لوگ بہتر حالت میں دکھائی دیتے ہیں ان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جس کی وجہ سے دوسرے ان کے ساتھ جگہوں پر تجارت نہیں کرنا چاہتے۔ ایک بیرونی شخص صرف ایک نقطہ نظر سے چیزوں کا مشاہدہ کرے گا۔ لیکن اگر وہ پوری کہانی کو دیکھ سکتے ہیں تو انہیں احساس ہوگا کہ ہر ایک کو مسائل کا سامنا ہے اور کسی کے پاس بھی مکمل زندگی نہیں ہے چاہے وہ اپنی یا کتنی ہی مشہور ہوں۔ اکثر یہ غلط فہمی میڈیا کی وجہ سے ہوتی ہے۔ لیکن لوگ یہ یاد رکھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ میڈیا کا مقصد مشہور شخصیات کی زندگیوں کی ایک خاص تصویر بنانا ہے جس کے بارے میں پڑھ کر دلکش لگتا ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، اگر وہ صرف شوگر کوٹنگ کے بغیر حقائق کی اطلاع دیتے ہیں تو ان کے صارفین کی اکثریت ان سے منہ موڑ لے گی۔

مسلمانوں کو اس باطل عقیدہ سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ شیطان کا ایک آلہ ہے جو اسے لوگوں کو اپنے پاس موجود چیزوں پر ناشکری کرنے کی ترغیب دینے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اس حدیث میں جس صحیح ذہنیت کی تلقین کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری سے باز رہے گی۔ جب بھی

کوئی مسلمان ناشکری محسوس کرے تو اسے اپنی توجہ ان لاتعداد لوگوں کی طرف مبذول کرنی چاہیے جو شدید غربت میں زندگی گزار رہے ہیں اور ان سے کہیں زیادہ مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔

باڑ کے دوسری طرف گھاس زیادہ ہری نہیں ہے بلکہ درحقیقت اپنی طرف سے کافی سبز ہے۔ باب
:البقرہ، آیت 2216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز
"پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 8

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو خبردار کیا کہ آپ کو مستقبل میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کا خیر مقدم کیا اور سلام کیا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر میں بحث کی گئی ہے - 363

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمحل نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 9

ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ دنیا داروں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایسے بناتے ہیں جو آخر کار فنا ہو جائے۔ وہ جو ختم ہو جائے گا اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور جو ابدی ہے اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 367 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2482 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ تمام حلال خرچ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ہے، سوائے اس مال کے جو عمارتوں پر خرچ کیا جائے۔

اس میں حلال چیزوں پر خرچ کرنا بھی شامل ہے جو اسراف، فضول خرچی یا اسراف سے پاک ہے۔ جو تعمیر ضروری ہو اس پر خرچ کرنا اس حدیث میں شامل نہیں ہے بلکہ وہ تعمیر ہے جو ضرورت سے باہر ہو۔ یہ ناپسندیدہ ہے کیونکہ تعمیرات پر خرچ آسانی سے فضول خرچی اور اسراف کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص تعمیرات پر مال خرچ کرتا ہے اس کا صدقہ دینے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنے کا امکان کم ہے۔ نیز یہ طرز عمل اکثر ایک مسلمان کو لمبی زندگی کی امیدوں کو اپنانے کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ جو یہ سمجھتا ہے کہ اس دنیا میں ان کا قیام بہت مختصر ہے وہ ایک خوبصورت گھر بنانے میں توانائی اور دولت کو ضائع نہیں کرے گا۔ لمبی عمر کی جتنی زیادہ امیدیں ہوں گی اتنے ہی کم نیک اعمال انجام دیں گے اس یقین کے ساتھ کہ وہ مستقبل میں ہمیشہ اچھے کام انجام دے سکتے ہیں۔ یہ کسی کو مخلصانہ توبہ میں تاخیر کرنے کا سبب بھی بنتا ہے یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ مستقبل میں ہمیشہ بہتر کے لیے بدل سکتے ہیں۔ آخر میں، یہ اس دنیا میں اپنے طویل قیام کے لیے زیادہ آرام دہ زندگی پیدا کرنے کے لیے دنیا کے لیے مزید کوششیں وقف کرنے کا سبب بنتا ہے۔

غیر ضروری تعمیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا انسان کے لیے وقت گزارتا ہے جو کہ اسے انتہائی تھکاوٹ کے باعث نفلی اعمال مثلاً روزہ اور رات کی نماز ادا کرنے سے روکتا ہے۔ یہ انہیں اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنے سے بھی روکتا ہے۔

آخر کار، حقیقت میں غیر ضروری تعمیرات میں حصہ لینا کبھی ختم نہیں ہوتا۔ مطلب، جس لمحے کوئی شخص اپنے گھر کا ایک حصہ مکمل کر لیتا ہے وہ اس وقت تک دوسرے حصے میں چلا جاتا ہے جب تک کہ سائیکل خود کو دہرا نہ جائے۔

لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تمام چیزوں کے حوالے سے جو ان کی ضرورت کے مطابق ہے، صرف تعمیرات ہی پر عمل کریں تاکہ وہ ان منفی نتائج سے بچ سکیں۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 10

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا جب آدمی کو اپنی گاڑی کی رفتار پر رشک کیا جائے گا، اس پر وہ بھی فخر کرے گا۔ بلیۃ الاولیاء، نمبر 370۔

صحیح بخاری نمبر 2886 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال اور عمدہ لباس کے غلاموں پر تنقید کی۔ یہ لوگ جب یہ چیزیں حاصل کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور نہ ملنے پر ناراض ہوجاتے ہیں۔

حقیقت میں، یہ تمام غیر ضروری دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے۔ یہ تنقید ان لوگوں کی طرف نہیں ہے جو مادی دنیا میں اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔ لیکن یہ ان لوگوں کی طرف ہے جو اپنی خواہشات اور دوسروں کی خواہشات کی تسکین کے لیے مال و دولت اور دیگر دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے حرام کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہے جو غیر ضروری حلال چیزوں کی پیروی اس طرح کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اس اطاعت میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔ یہ انہیں آخرت اور ان کے آخری فیصلے کے لیے مناسب تیاری کرنے سے روکتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ تنقید ان لوگوں کے لیے ہے جو اس وقت بے صبرے ہوتے ہیں جب وہ اس دنیا میں اپنی غیر ضروری خواہشات کو حاصل نہیں کر پاتے۔ یہ رویہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مجبور کر سکتا ہے۔ یعنی جب وہ اپنی خواہشات کو پاتے ہیں تو اس کی اطاعت کرتے ہیں لیکن جب وہ نہیں کرتے تو غصے سے اس کی اطاعت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہ رویہ اختیار کرنے والے کے لیے دونوں جہانوں میں سخت نقصان سے خبردار کیا ہے۔ باب: الحج، آیت 11 22

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو " جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔

مسلمانوں کو اس کے بجائے صبر کرنا اور اپنے پاس موجود چیزوں پر قناعت کرنا سیکھنا چاہیے کیونکہ صحیح مسلم نمبر 2420 میں موجود حدیث کے مطابق یہی حقیقی دولت ہے۔ درحقیقت خواہشات سے بھرا ہوا شخص محتاج ہے، خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کو جاننا چاہیے کہ وہ لوگوں کو وہ عطا کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے نہ کہ ان کی خواہشات کے مطابق کیونکہ یہ اکثر صورتوں میں ان کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ باب 42 اششورہ، آیت 27

اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا تو وہ زمین پر ظلم کرتے۔ لیکن وہ جس "مقدار میں چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور دیکھنے والا ہے۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 11

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ قیامت کے دن چاندی کے دو سکے رکھنے والے کا حساب چاندی کے ایک سگے والے سے زیادہ کڑا ہو گا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 371 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 103 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جس کے اعمال کی اللہ تعالیٰ نے جانچ پڑتال کی، قیامت کے دن اس کو سزا دی جائے گی۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ اس مادی دنیا کی حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونا ممنوع نہیں ہے تو وہ اکثر حرام کی طرف لے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول تقریر عام طور پر گناہ کی تقریر سے پہلے پہلا قدم ہے۔ اس کے علاوہ، جتنا زیادہ غیر ضروری حلال چیزوں میں ملوث ہوگا، قیامت کے دن اس کا احتساب اتنا ہی طویل ہوگا۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ قیامت کا دن ایک مشکل دن ہو گا۔ مثال کے طور پر سورج کو تخلیق کے دو میل کے فاصلے پر لایا جائے گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2421 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اگرچہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور نجات مل سکتی ہے، لیکن اس سے کم نہیں، ان کی جوابدہی جتنی لمبی ہوگی، اتنا ہی زیادہ دباؤ وہ برداشت کریں گے۔ قیامت کے دن کو پچاس ہزار سال لمبا ہونے کی صورت میں دیکھ کر قرآن پاک کے مطابق چند دہائیوں کی حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسے دن مشکل احتساب کا سامنا کرنا پڑے گا جو اتنا طویل رہے گا۔ باب 70 المعارج، آیت 4

“ایک دن کے دوران جس کی حد پچاس ہزار سال ہے۔”

لہذا بہتر ہے کہ ایک سادہ زندگی گزاری جائے تاکہ قیامت کے دن اپنے احتساب کو کم سے کم کیا جا سکے۔ یہ ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث نمبر 4118 میں یہ نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 12

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جو شخص جنت میں داخل ہونا چاہتا ہے اسے نیت میں استقامت ہونی چاہیے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر میں بحث کی گئی ہے - 373

: یہ باب 47 محمد، آیت 7 سے مربوط ہے

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم "جمائے گا۔"

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ لاتعداد لوگ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے اس آیت کے پہلے حصے کو پورا نہیں کرتے۔ اکثر لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس اعمال صالحہ کے لیے وقت نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، پھر بھی ان کاموں کے لیے وقت نہیں نکالیں گے جن سے وہ خوش ہے۔ کیا اس کی کوئی منطق ہے؟ جو لوگ فریضہ ادا نہیں کرتے اور پھر ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مدد کی امید رکھتے ہیں وہ بالکل بے وقوف ہیں۔ اور جو لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں لیکن ان سے آگے جانے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ انہیں ملنے والی امداد محدود ہے۔ کس طرح برتاؤ کیا جاتا ہے اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ جتنا زیادہ وقت اور توانائی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگی، انہیں اتنی ہی زیادہ مدد ملے گی۔ یہ واقعی اتنا آسان ہے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ زیادہ تر واجبات، جیسے کہ پانچ وقت کی نمازیں، صرف ایک دن میں تھوڑا سا وقت لیتی ہیں۔ ایک مسلمان یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ دن میں بمشکل ایک گھنٹہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے وقف کرے اور پھر باقی دن اللہ تعالیٰ سے غافل رہے اور پھر بھی تمام مشکلات میں اس سے مسلسل مدد کی امید رکھے۔ ایک شخص اس دوست کو ناپسند کرے گا جو اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ تو پھر اللہ رب العالمین کے ساتھ ایسا سلوک کیسے ہو سکتا ہے؟

کچھ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت صرف کرتے ہیں، جب انہیں کوئی دنیوی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اس سے اس کو حل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ایک احسان رضاکارانہ طور پر کیا ہے۔ یہ احمقانہ ذہنیت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی کے خلاف ہے۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنی تمام تفریحی سرگرمیاں، جیسے کہ خاندان اور دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے، ٹی وی دیکھنا اور سماجی تقریبات میں شرکت کے لیے کیسے وقت نکالتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کا وقت نظر نہیں آتا۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی غیر ضروری آسائشوں پر خرچ کرنے کے لیے دولت تلاش کرتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ انہیں رضاکارانہ خیرات میں دینے کے لیے کوئی دولت نہیں ملتی۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اس کے برتاؤ کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت لگاتا ہے، تو اسے وہ سہارا مل جائے گا جس کی انہیں تمام مشکلات سے باحفاظت سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر وہ واجبات کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی دوسرا وقت صرف کیے بغیر صرف ان کو پورا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایسا ہی جواب ملے گا۔ سیدھے الفاظ میں، جتنا زیادہ دیتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ وصول کرے گا۔ اگر کوئی زیادہ نہیں دیتا تو اسے بدلے میں زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 13

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ یوم حساب انسان کی آخری منزل سے سب سے دور ہے۔ لہذا، کسی کو وہ چیز لینا چاہئے جو انہیں سب سے زیادہ فائدہ پہنچاتی ہے۔ انسان کو اس دنیا کو دو طرح کی کوششوں کے لیے ترتیب دینا چاہیے۔ پہلا آخرت کے فائدے تلاش کرنا اور دوسرا اس دنیا میں جو جائز ہے اس کی تلاش کرنا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 377 میں بحث کی گئی ہے۔

بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو اپنا زیادہ وقت، محنت اور مال ان چیزوں پر لگا دیتے ہیں جو نہ اعمال صالحہ ہیں اور نہ گناہ، بلکہ وہ فضول چیزیں ہیں۔ فضول چیزوں میں غیر ضروری چیزوں کا حصول بھی شامل ہو سکتا ہے، جیسے کہ کسی کے گھر کو ان کی ضروریات سے زیادہ خوبصورت بنانا۔ اگرچہ، وہ اپنے اس دعوے میں درست ہو سکتے ہیں کہ وہ گناہ نہیں کر رہے، ایک حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے۔ یعنی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قیمتی تحفہ ہے جو ایک بار چلے جانے کے بعد حاصل نہیں ہو سکتا۔ باقی تمام چیزیں حاصل کی جا سکتی ہیں، جیسے کہ مال، وقت کے علاوہ باقی تمام چیزیں۔ پس جب کوئی اپنے وقت کے ساتھ ساتھ دیگر نعمتوں جیسے مال کو بھی غیر ضروری اور اضافی چیزوں کے لیے وقف کرتا ہے، تو یہ قیامت کے دن بڑی پشیمانی کا باعث بنے گا۔ یہ اس وقت ہو گا جب وہ ان لوگوں کو ملنے والے اجر کو دیکھیں گے جنہوں نے اپنے وقت کا استعمال کیا اور عمل صالح کیا۔ وقت ضائع کرنے والے گناہوں سے بچتے ہیں جو انہیں عذاب سے بچاتے ہیں لیکن جب وہ فضول کاموں میں وقت ضائع کرتے ہیں تو انہیں تنقید کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اور وہ یقیناً اس انعام سے محروم ہو جائیں گے جو وہ حاصل کر سکتے تھے اگر وہ اپنے وقت اور دیگر نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے۔

اس کے علاوہ یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ جتنا زیادہ فضول کاموں میں مشغول ہوتا ہے وہ اسراف اور فضول خرچی میں پڑنے کے اتنا ہی قریب ہوتا ہے جو دونوں ہی قابل ملامت ہیں۔ مثال کے طور پر نعمتوں کو ضائع کرنے والوں کو شیطان کا بہنوئی سمجھا جاتا ہے۔ اور اس پر استدلال کیا جا سکتا ہے جب کوئی اپنا وقت ان فضول کاموں کے لیے وقف کر دے جس نے درحقیقت وقت کی قیمتی نعمت کو ضائع کر دیا ہو۔ باب 17 الاسراء، آیت 27

"...بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں"

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 14

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ لوگوں کی اس چیز کو حاصل کرنے کی خواہش ان کو ضرور فنا کر دیتی ہے جو ان کی دسترس سے باہر ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 377 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کا ایک ریوڑ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مسلمان کا ایمان محفوظ رہے اگر وہ دنیا میں دولت اور شہرت کی تمنا کرے جس طرح شاید ہی کسی بھیڑ کو دو بھوکے بھیڑیوں سے نجات ملے۔ لہذا اس عظیم مثال میں دنیا میں زیادہ دولت اور سماجی حیثیت کے بعد حرص کی برائی کے خلاف سخت تنبیہ ہے۔

دولت کی طلب کی پہلی قسم وہ ہے جب کسی کو دولت سے شدید محبت ہو اور وہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح کا برتاؤ عقلمند شخص کی علامت نہیں ہے کیونکہ ایک مسلمان کو پختہ یقین رکھنا چاہئے کہ ان کے رزق کی ضمانت ہے اور یہ تقسیم کبھی نہیں بدل سکتی۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ شخص بلاشبہ اپنے فرائض میں کوتاہی کرے گا کیونکہ وہ دولت کے حصول میں بہت زیادہ مشغول ہے۔ جو جسم دولت کے حصول میں بہت مصروف ہو وہ آخرت کے لیے کبھی بھی مناسب تیاری نہیں کر سکتا۔ درحقیقت یہ شخص دولت کے حصول کے لیے اتنی محنت کرے گا کہ اسے اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ اس کے بجائے، وہ اس دنیا کو چھوڑ دیں گے اور اسے دوسرے لوگوں کے لئے

لطف اندوز کرنے کے لئے چھوڑ دیں گے، اگرچہ اس کے لئے انہیں جوابدہ کیا جائے گا۔ یہ شخص حلال طریقے سے دولت حاصل کر سکتا ہے لیکن پھر بھی اسے ذہنی سکون نہیں ملے گا کیونکہ وہ جتنا بھی حاصل کر لیں وہ صرف اور کی خواہش کرے گا۔ یہ شخص محتاج ہے اور اس لیے حقیقی مفلس ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔

ایک ہی خواہش جو فائدہ مند ہے وہ بے حقیقی دولت جمع کرنے کی خواہش، یعنی اعمال صالحہ تاکہ واپسی کے دن کی تیاری ہو۔

دوسری قسم کی دولت کی طلب پہلی قسم کی طرح ہے لیکن اس کے علاوہ یہ قسم کے لوگ ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرتے ہیں اور لوگوں کے حقوق مثلاً صدقہ فطر ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس کے خلاف تنبیہ فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 6576 میں موجود ایک حدیث میں آپ نے تنبیہ کی کہ اس رویے نے پچھلی امتوں کو تباہ کر دیا کیونکہ انہوں نے حرام چیزوں کو حلال کیا، دوسروں کے حقوق کو روکا اور مال کی زیادتی کی خاطر دوسروں کو قتل کیا۔ یہ شخص اس دولت کے لیے کوشش کرتا ہے جس کا وہ حقدار نہیں ہے جس سے بے شمار کبیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ جب کوئی یہ رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ شدید لالچی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود ایک حدیث میں لالچی شخص اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ درحقیقت سنن نسائی میں موجود ایک حدیث نمبر 3114 میں خبردار کیا گیا ہے کہ ایک سچے مسلمان کے دل میں شدید لالچ اور سچا ایمان کبھی جمع نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی مسلمان اس قسم کی حرص کو اختیار کرے تو اس کا شدید خطرہ ان پڑھ مسلمان پر بھی واضح ہے۔ یہ ان کے ایمان کو تب تک تباہ کر دے گا جب تک کہ تھوڑی سی چیز کے سوا کچھ باقی نہ رہے جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ کسی کے ایمان کی یہ تباہی دو بھوکے بھینٹوں کی تباہی سے زیادہ شدید ہے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ مسلمان اپنی موت کے وقت اپنے پاس موجود تھوڑے سے ایمان کو کھونے کا خطرہ رکھتا ہے، جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے

زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث 6923 میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 15

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ تنہائی میں رہنا برے ساتھیوں سے بہتر ہے اور نیک ساتھی تنہائی سے بہتر ہے۔ اس پر امام غزالی کی کتاب احیاء علم الدین 2/261 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں شمار ہوتا ہے۔

تمام مسلمان اپنے ایمان کی طاقت سے قطع نظر یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ان کا شمار کیا جائے اور آخرت میں نیک لوگوں کے ساتھ ختم ہو۔ لیکن یہ حدیث واضح طور پر تنبیہ کرتی ہے کہ مسلمان صرف اسی صورت میں صالح سمجھا جائے گا جب وہ صالحین کی تقلید کرے گا۔ یہ تقلید ایک عملی چیز ہے نہ کہ صرف الفاظ کے ذریعے اعلان۔ یہ تقلید صحیح طور پر اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کی جاتی ہے۔

لیکن جو لوگ زبانی طور پر صالحین سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی نقل کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور ان خصوصیات کی نقل کرتے ہیں جو منافقوں اور گنہگاروں میں پائی جاتی ہیں انہیں ان میں سے ایک سمجھا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنا ایمان کھو دیں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر نافرمان مسلمان قرار دیا جائے گا۔ ایک نافرمان مسلمان کو فرمانبردار مسلمان کیسے شمار کیا جا سکتا ہے اور نیک لوگوں پر کیسے ختم ہو سکتا ہے؟ یہ صرف خواہش مندانہ سوچ ہے جس کی اسلام میں کوئی قدر نہیں۔ باب 59 الحشر، آیت 20

"دوزخ کے ساتھی اور اہل جنت برابر نہیں ہیں۔ جنت کے ساتھی - وہ [کامیابی] پانے والے ہیں۔"

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 16

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ اس کی غربت کا دن وہ ہے جب اسے اپنی قبر میں رکھا جائے گا۔ اس پر امام غزالی کی کتاب احیاء علم الدین 2/308 میں بحث کی گئی ہے

صحیح بخاری نمبر 6514 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دو چیزیں میت کو اس کی قبر پر چھوڑ دیتی ہیں اور اس کے پاس صرف ایک چیز باقی رہتی ہے۔ ان کو چھوڑنے والی دو چیزیں ان کا اہل و عیال اور مال ہیں اور ان کے پاس صرف ان کے اعمال باقی رہ جاتے ہیں۔

پوری تاریخ میں لوگوں نے ہمیشہ اپنی زیادہ تر کوششیں دولت اور خوش حال خاندان کے حصول پر مرکوز کی ہیں۔ اگرچہ اسلام ان چیزوں سے منع نہیں کرتا جیسا کہ کسی کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے ان کی ضرورت پڑسکتی ہے، مثال کے طور پر، مال کسی کے محتاجوں کی کفالت کے لیے ضروری ہے۔ اسلام صرف مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کرتا ہے کہ وہ ان کے لیے ان کی ضروریات سے بڑھ کر کوشش کریں اور انہیں زیادہ اہم فرائض پر ترجیح دیں، جیسے کہ اعمال صالحہ۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے ضروری دولت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ایسا خاندان حاصل کرنا چاہیے جو انہیں آخرت کی تیاری کے لیے ترغیب دے۔ جب اس طرح سے استعمال کیا جائے تو یہ دونوں اچھے کام سمجھے جاتے ہیں۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6373 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ اس ذہین شخص کی نشانی ہے جو اس چیز کو ترجیح دیتا ہے جو اس کی ضرورت کے وقت صبر اور مدد کرے یعنی نیک اعمال۔ دوسری طرف جو شخص اپنے مال اور رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنے اور اس

کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے کی اجازت دیتا ہے اسے قرآن پاک میں خسارے میں جانے والا قرار دیا گیا ہے۔ باب 63 المنافقون، آیت 9

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔ " اور جو ایسا کرے گا وہی خسارہ پانے والے ہیں۔

کچھ لوگ غلط طور پر یہ مان سکتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہیں، جیسا کہ اس نے انہیں بڑی دولت اور خاندان سے نوازا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کر کے ان کی الجھنوں کو دور کر دیا کہ اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور قریب وہی ہے جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے۔ باب :سبا، آیت 37 34

اور تمہارا مال یا تمہاری اولاد تمہیں ہمارے مقام سے قریب نہیں کرتی بلکہ وہ بے جو ایمان لائے " اور نیک عمل کیا۔"

قرآن پاک کے ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو متنبہ کیا ہے کہ ان کے مال اور رشتہ دار ان کو آخرت میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتے جب تک کہ وہ صحیح دل کے ساتھ آخرت تک نہ پہنچیں۔ باب 26 اشعرا، آیات 88-89

جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس سچے دل کے "ساتھ آتا ہے۔"

دل کی صحت کی تعریف بہت لمبی ہے سادہ الفاظ میں یہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر خلوص دل سے عمل نہ کریں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب نہ کریں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا نہ کریں۔ اسے

کسی کا مال آخرت میں صرف اسی صورت میں فائدہ مند ہو سکتا ہے جب وہ اسے جاری خیراتی منصوبوں پر خرچ کر کے آگے بھیج دیں۔ اس کی تصدیق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1376 میں موجود ایک حدیث سے کی ہے۔ یہی حدیث بنی نوع انسان کو بتاتی ہے کہ نیک اولاد اپنے فوت شدہ والدین کی مغفرت کی دعا بھی قبول کی جائے گی۔ بدقسمتی سے، اس دن اور دور میں بہت سے بچے اپنے فوت شدہ والدین کے لیے دعا کرنے کے لیے اپنی وراثت کی تلاش میں اتنے مصروف ہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک صالح بچے کی پرورش جو اپنے فوت شدہ والدین کے لیے دعا کرے اس کا حصول ممکن نہیں ہے اگر والدین اپنی زندگی میں خود عمل صالح انجام نہ دیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ وہ اعمال صالحہ سے پرہیز کریں اور امید رکھیں کہ ان کے اس سے نکل جانے کے بعد دوسرے ان کے لیے دعا کریں گے۔ دنیا انسان کو زندہ رہتے ہوئے نیک اعمال کی کوشش کرنی چاہیے اور پھر امید ہے کہ دوسرے ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعا کریں گے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ صرف وہی دولت جو آگے بھیجے گا ان کو فائدہ پہنچے گا۔ یہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر خرچ کرنے سے حاصل کیا جا سکتا ہے، جیسے کہ ان کے بچوں کی تعلیم۔ غلط طریقے سے خرچ کی گئی تمام دولت مالک کے لیے بوجھ بن جائے گی اور ان کی سزا کا باعث بن سکتی ہے۔ لالچ کی وجہ سے صدقہ فطر کو روکنے والوں کو عبرتناک سزائوں سے ڈرایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1403 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جو شخص اس سنگین گناہ کا مرتکب ہو گا قیامت کے دن اس کا سامنا ایک بہت بڑا زہریلا سانپ ہوگا جو اس کے گرد لپیٹے گا اور اسے مسلسل کاٹے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 180

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو جو کچھ دیا ہے اسے روکے رکھنے والے برگز یہ " نہ سوچیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ بلکہ ان کے لیے بدتر ہے۔ ان کی گردنوں میں قیامت کے دن وہ "...گھیر لیا جائے گا جو انہوں نے روک رکھا تھا

سنن ابوداؤد نمبر 1658 میں ایک حدیث ہے جس میں تنبیہ کی گئی ہے کہ قیامت کے دن جو سونا اور چاندی ہے اسے جہنم کے شعلوں میں تپایا جائے گا اور اگر اس نے فرض صدقہ نہ کیا تو اس سے ان کے جسموں کو داغ دیا جائے گا۔ اس پر واجب

میت کی طرف سے پیچھے چھوڑی گئی کوئی بھی دولت دوسروں کے لیے چھوڑ دی جائے گی کہ وہ اس سے لطف اندوز ہوں جب کہ میت اسے جمع کرنے کا ذمہ دار ہے۔ غور طلب ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر مال کسی ایسے شخص کے لیے چھوڑ دے جو اس کے رکھنے کے لائق نہ ہو اور اس طرح اس کا غلط استعمال کرے تو اس کے لیے بھی میت کو ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔ اس کے برعکس، اگر کوئی اپنے پیچھے مال کسی ایسے شخص کے لیے چھوڑ جائے جو اسے صحیح طریقے سے خرچ کرتا ہے تو میت کو قیامت کے دن اس وقت بہت زیادہ پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے گا جب وہ اسے صحیح طریقے سے خرچ کرنے والے کو ملنے والے اجر عظیم کو دیکھیں گے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 7420 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا کہ حقیقت میں انسان اپنے مال کو صرف تین طریقوں سے استعمال کر سکتا ہے۔ پہلا وہ مال ہے جو ان کے کھانے پر خرچ ہوتا ہے۔ دوسرا مال وہ ہے جو ان کے کپڑوں پر خرچ ہوتا ہے اور آخری مال وہ ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ باقی تمام دولت دوسرے لوگوں کے لیے چھوڑ دی جاتی ہے جب کہ اس کو جمع کرنے کا ذمہ دار میت کو ٹھہرایا جاتا ہے۔

مال جمع کرنا اور غلط طریقے سے مال خرچ کرنا انسان کو مادی دنیا سے محبت کرنے اور آخرت کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ وہ اپنی عزیز دولت کو پیچھے چھوڑنے کو ناپسند کرتا ہے، جو اس کے مرنے پر واقع ہوگا۔ جو آخرت کو ناپسند کرتا ہے وہ اس کے لیے مناسب تیاری نہیں کرتا۔

اس کے علاوہ اگر کوئی سچا تقویٰ اختیار کرنا چاہتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنا مال خرچ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ باب 3 علی عمران، آیت 92

تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔“

درحقیقت دولت ایک عجیب ساتھی ہے کیونکہ یہ کسی کو تب ہی فائدہ پہنچاتی ہے جب وہ اسے صحیح طریقے سے خرچ کرنے کے بعد اس کے معنی چھوڑ دیتا ہے۔

ایک شخص کو احمق کہا جائے گا اگر وہ بغیر کسی شرائط کے طویل سفر پر نکلے۔ اسی طرح جو اپنے مال کو آخرت کے طویل سفر کے لیے سامان کی صورت میں آگے نہیں بھیجتا وہ بھی بے وقوف ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ موت کے وقت انسان کو سب سے بڑا دکھ وہ ہوتا ہے جب اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنی محنت کی کمائی پیچھے چھوڑ کر خالی ہاتھ آخرت کی طرف سفر کر رہا ہے۔ ایک مسلمان کو ہر حال میں اس نتیجہ سے بچنا چاہیے۔

نیک اعمال انجام دینا ہی انسان کی قبر کی تیاری کا واحد ذریعہ ہے کیونکہ وہاں سکون کی کوئی دوسری چیز نہیں ملے گی۔ درحقیقت یہ آخرت میں اپنے ابدی گھر کی تیاری کا ذریعہ ہے۔ اس لیے اس تیاری کو دنیاوی مادی دنیا کی تیاری پر ترجیح دینی چاہیے۔

ایک شخص کو احمق کہا جائے گا اگر اس کے دو گھر ہوں اور وہ اپنی زیادہ تر کوششیں گھر کو خوبصورت بنانے میں صرف کرے جس میں وہ کم وقت صرف کرے، اسی طرح اگر کوئی مسلمان اس دنیا میں اپنے عارضی گھر کو خوبصورت بنانے میں زیادہ وقت اور محنت صرف کرے۔ آخرت کا ابدی گھر وہ بھی بے وقوف ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ رویہ ہے حالانکہ وہ تسلیم کرتے ہیں اور مانتے ہیں کہ ان کا اس دنیا میں قیام مختصر اور نامعلوم مدت کے لیے ہے جبکہ آخرت میں ان کا قیام ہمیشہ کے لیے ہے۔

یہ رویہ ایمان کے یقین کی کمی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس لیے جو بھی اس ذہنیت کا حامل ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلامی علم کی تلاش اور اس پر عمل کرے تاکہ اس کے ایمان کے یقین کو مضبوط کیا جا سکے اس سے پہلے کہ وہ تمام بھلائیوں سے محروم آخرت تک پہنچ جائے۔

جو شخص اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی قبر کی تیاری کرتا ہے، وہ اس کے لیے سکون کا باعث ہوتا ہے، جب کہ ان کے جمع کردہ گناہ ہی ان کے لیے باعث رحمت ہوتے ہیں۔ اندھیری قبر میں ان کا قیام بدتر ہے۔ لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ کمزوری کا وقت آنے سے پہلے اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق نیک عمل کرے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اصل حدیث میں بیان کردہ حقیقت کو پہچانے اور اپنے مال کے ساتھ صحیح طریقے سے عمل کرے اس سے پہلے کہ وہ اس وقت تک پہنچ جائے جب ان کی نیک اعمال کے لیے مزید مہلت دینے کی درخواست کو رد کر دیا جائے گا۔

:باب 63 المنافقون، آیات 10-11

اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہے کہ اے میرے رب کاش تو مجھے تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے تو میں صدقہ کر دوں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں "لیکن اللہ کسی جان کو اس کا وقت آنے پر کبھی تاخیر نہیں کرے...

انہیں اب اپنے اعمال پر غور کرنا چاہئے تاکہ وہ گناہوں سے سچے دل سے توبہ کر لیں اور نیک اعمال کرنے کی کوشش کریں اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں غور و فکر کرنے سے انہیں کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ باب 89 الفجر، آیت 23

"اور لایا گیا، وہ دن جہنم ہے، اس دن آدمی یاد رکھے گا، لیکن اس کے لیے کیا فائدہ ہوگا؟"

ہر ایک ان لوگوں پر غور کرے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان کی ضرورت کے وقت ان کو تسلی دینے کے لئے زیادہ نیک اعمال انجام دینے میں ان کی نابلہی ہے۔ اس وقت کے آنے سے پہلے جلدی کرو اور ناگزیر کی تیاری کرو۔ باب 15 الحجر، آیت 99

“اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تمہیں یقین آجائے۔”

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ - 17

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ علم کو اپنا تکیہ بنا لینا اس سے بہتر ہے کہ جہالت کو اپنا تکیہ بنا لے۔ اس پر امام ابو لیث سمرقندیؒ، تنبیح الغافلین، ص/338 میں بحث ہو چکی ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ مشہور قول جہالت نعمت ہے خاص طور پر مذہبی امور اور آخرت کے حوالے سے درست نہیں ہے۔ بدقسمتی سے، کچھ مسلمان صرف اس وجہ سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ اسلامی اصول نہیں جانتے ہیں کہ وہ اس کی پابندی سے مستثنیٰ ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے اس کا جوابدہ نہیں ہوگا۔ یہ جہالت کی بدترین قسموں میں سے ایک ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ کوئی عذر نہیں ہے اور مسلمانوں کو اسلام کی تعلیمات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث نمبر 224 میں اس کو تمام مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے۔ اور اسلام کے بارے میں علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر حکومت اس عذر کو قبول نہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی امید کیسے کی جا سکتی ہے؟ جس طرح کسی ذمہ داری کو قبول کرنے والے شخص سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس سے منسلک قوانین کو جانتا ہے، جیسا کہ لائسنس یافتہ ڈرائیور ہونے کے ناطے، جو شخص اسلام کو اپنے مذہب کے طور پر قبول کرتا ہے وہ اس سے منسلک قوانین کو سیکھنے کا ذمہ دار ہے۔ لہذا مسلمانوں کو جہالت سے بچنا چاہیے کیونکہ اس سے نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہو گا اور نہ ہی آخرت میں ان کا کوئی فائدہ ہو گا۔

عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ - 1

عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے ایک بار فرمایا کہ لوگ عارضی ٹھکانے سے آخری اور مستقل جگہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اپنے ساتھ بہترین چیز لے کر جائیں جو انہیں مل سکے اور جس چیز کی انہیں ضرورت نہ ہو اسے چھوڑ دیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 385 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7420 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ صرف وہی مال ہے جس کا تعلق تین چیزوں سے ہے۔

پہلا یہ ہے کہ انسان اپنے مال میں سے خوراک کے حصول اور استعمال پر خرچ کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ کھانے پر ضرورت سے زیادہ، فضول خرچی یا اسراف کے بغیر معقول خرچ کرے کیونکہ یہ گناہ سمجھا جا سکتا ہے۔ باب 7 الاعراف، آیت 31

”اور کھاؤ پیو، لیکن حد سے زیادہ نہ ہو۔ بے شک وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف حلال کھائیں کیونکہ صحیح مسلم نمبر 2346 میں موجود حدیث کے مطابق اگر کسی کی دعا حرام کھا جائے تو اس کی دعا رد ہو جاتی ہے۔ اعلیٰ؟

اگلی چیز جس پر کوئی اپنی حقیقی دولت خرچ کرتا ہے وہ ہے ان کے کپڑوں پر۔ ایک بار پھر، ایک مسلمان کو اسراف اور فضول خرچی سے بچنا چاہئے کیونکہ ان لوگوں کو شیطان کے بہن بھائیوں کا لقب دیا گیا ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 27

"...بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں"

ایک مسلمان کو اچھے، صاف اور سادہ لباس سے خوش ہونا چاہیے کیونکہ سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود حدیث کے مطابق یہ ایمان کا ایک پہلو ہے۔

انسان کی آخری دولت وہ ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے خرچ کر کے آخرت کے لیے آگے بھیجتا ہے۔ اس میں فضول خرچی، اسراف یا اسراف کے بغیر اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی ضروریات اور ان کے محتاجوں کی ضروریات پر خرچ کرنا شامل ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ پہلی دو چیزوں کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی دے رکھی ہے، کیونکہ یہ ان کے رزق کا حصہ ہیں جو بدل نہیں سکتیں اور آسمانوں اور آسمانوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ان کے لیے مختص تھیں۔ زمین اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہذا انہیں اپنی کوششیں آخری پہلو پر مرکوز کرنی چاہئیں۔ دولت حاصل کرنے اور استعمال کرنے کی دیگر تمام صورتیں حقیقت میں کسی شخص سے تعلق نہیں رکھتیں اور دوسروں کے لیے اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے پیچھے رہ جائیں گی، حالانکہ قیامت کے دن ان سے اس کا حساب لیا جائے گا۔

عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ - 2

عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ وہ وقت آئے گا جب اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ظالم حکمرانوں سے اس کا امتحان لیا جائے گا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 385 میں بحث کی گئی ہے۔

جب عوام ایک دوسرے ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ سنن ابن ماجہ نمبر 4019 میں موجود کو مالی طور پر دھوکہ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر جابر سردار مقرر کر کے انہیں عذاب دیتا ہے۔ اس ظلم کا ایک پہلو بدعنوانی ہے جس کی وجہ سے عام لوگوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اسی حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب عام لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے عہد کو توڑ دیں گے تو ان پر ان کے دشمن غالب آجائیں گے جو ان کے مال و جائیداد کو ناجائز طور پر چھین لیں گے۔ ایک بار پھر، یہ بدعنوانی کا ایک پہلو ہے جہاں اثر و رسوخ رکھنے والے لوگ، جیسے کہ سرکاری اہلکار، نتائج کے خوف کے بغیر دوسروں کا سامان آزادانہ طور پر لے جاتے ہیں۔ جب عام لوگ کرپٹ ہو جاتے ہیں تو ان کے لیڈر اور دوسرے بااثر سماجی عہدوں پر فائز افراد بھی اسی طرح کام کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جس پر یقین رکھتے ہوئے عام لوگ اس طرز عمل کو قبول کرتے ہیں۔ اس سے قومی سطح پر کرپشن بڑھ رہی ہے۔ لیکن اگر عام لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور بدعنوانی کے ذریعے دوسروں کے ساتھ بدسلوکی سے گریز کرتے ہیں تو ان کے قائدین اور بااثر سماجی عہدوں پر فائز افراد بدعنوانی کی جرأت نہیں کریں گے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ عام عوام اس کی حمایت نہیں کریں گے۔ اور اس سے پہلے نقل کی گئی حدیث کے مطابق اگر عام لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں تو وہ ان لوگوں کو بااثر عہدوں پر تعینات کر کے بدعنوان اہلکاروں سے بچائے گا جو اپنے معاملات میں انصاف کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو دنیا میں پھیلی بدعنوانی کے لیے دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانے کی نادانی کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے صحیح معنوں میں اپنے طرز عمل پر غور کرنا چاہیے اور اگر ضروری ہو تو اپنا رویہ درست کرنا چاہیے۔ ورنہ معاشرے میں کرپشن وقت کے ساتھ ساتھ بڑھے گی۔ کسی کو یہ یقین نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ایک بااثر سماجی حیثیت میں نہیں ہیں ان کا معاشرے میں ہونے والی بدعنوانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ جیسا کہ اس بحث سے ثابت ہے کہ بدعنوانی عام لوگوں کے منفی رویے کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس لیے اسے عام لوگوں کے اچھے رویے سے ہی دور کیا جا سکتا ہے۔ باب 13 الرعد، آیت 11

بے شک اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے اندر کی حالت نہ بدلیں۔“

حمزہ ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ - 1

ابوجہل نے ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان پہنچایا۔ حمزہ رضی اللہ عنہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، جب انہوں نے سنا کہ ان کے بھائی نے ان کے بھتیجے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان پہنچایا ہے، غصے میں آگئے۔ نتیجتاً اس نے ابوجہل پر حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا اور پھر کھلے عام اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ جس دن حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا مسلمان اس سے زیادہ مضبوط ہو گئے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 282-283 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سے مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ جب بھی انہیں کسی ایسی چیز کا سامنا ہو جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف لے جائے، جو شیطان، باطنی شیطان اور دوسرے لوگوں کی صورت میں سامنے آسکتی ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ ان دشمنوں کو خوش کرنے کے لیے ہرگز کوئی عمل نہیں کرنا چاہیے اگر یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر منتج ہو جائے، کیونکہ اس طرح ان کو کچھ بھی حاصل ہو جائے، یہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے بڑا ندامت اور بوجھ بن جائے گا۔ انسان کو یہ بات پختہ طور پر یاد رکھنی چاہیے کہ چاہے وہ فوراً اس پر عمل کرے یا نہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے گا جو اس کی اطاعت کرتا ہے خواہ وہ ان دشمنوں کو ناگوار کیوں نہ ہو۔ جبکہ یہ دشمن انہیں اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب سے محفوظ نہیں رکھ سکیں گے۔

صحیح معنوں میں یہ یاد رکھنا کہ ان کے ہر عمل کا جوابدہ ہونا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ثابت قدم رہنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اس کامیابی کا ایک عنصر اللہ تعالیٰ کو مسلسل یاد کرنا ہے۔ اس میں نہ صرف اسے اپنی زبان سے یاد کرنا شامل ہے بلکہ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ یہ عملی ذکر ان دشمنوں سے بچ جائے گا جو مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باب 41 فصیلات، آیت 36

”اور اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی بری بات پہنچے تو اللہ کی پناہ مانگو۔“

غور کرنا ضروری ہے، یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ کو یاد کرنا چاہیے، بہت زیادہ معنی؛ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عائد تمام فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، نہ کہ ان کی خواہشات کے مطابق چیری چنیں۔ اور نہ ہی انہیں کبھی کبھار پورا کر کے سستی کرنی چاہیے۔ یہ مسلمان ان دشمنوں سے اللہ تعالیٰ کی مکمل حفاظت حاصل نہیں کر سکے گا اور اس لیے اس کے گمراہ ہونے کا زیادہ خطرہ ہے۔

اللہ عزوجل کو صحیح معنوں میں یاد کرنا، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، دونوں جہانوں کی تمام دنیوی اور دینی مشکلات پر قابو پانے کی کلید ہے۔ زیر بحث مرکزی آیت کے آخر میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حمزہ ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ - 2

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کے نتائج سے قطع نظر احد پہاڑ پر ٹھہرنے کا حکم دیا تھا، ان کا خیال تھا کہ جنگ ختم ہوچکی ہے اور حکم کا اطلاق نہیں ہوگا۔ جب وہ احد پہاڑ پر اترے تو اس سے مسلمانوں کی فوج کا پچھلا حصہ کھل گیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ واپس آئے تو آپ نے عورتوں کو اپنے گھرے ہوئے رشتہ داروں کے لیے ماتم کرتے سنا۔ وہ غمگین ہو گئے کیونکہ جنگ میں شہید ہونے والے اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کا ماتم کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ پھر ان عورتوں کو ان کے مرد رشتہ داروں نے حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے ماتم کرنے کو کہا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی لیکن جواب دیا کہ میں یہ نہیں چاہتا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ رونا پسند نہیں کرتے۔ اس کے بعد رونے سے منع فرمایا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 66-67 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 3127 میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ مشکل کے وقت رونے کی اجازت نہیں ہے، جیسے کہ کسی عزیز کو کھونا۔ یہ غلط ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی موقعوں پر جب کسی کا انتقال ہوا تو روئے تھے۔ مثال کے طور پر جب ان کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو وہ رو پڑے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 3126 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

درحقیقت کسی کی موت پر رونا رحمت کی نشانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں جگہ دی ہے۔ اور صرف وہی لوگ جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں اللہ کی طرف سے رحم کیا جائے گا۔ صحیح بخاری نمبر 1284 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اسی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے پر روئے جو فوت ہو گیا۔

صحیح مسلم نمبر 2137 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کو کسی کی موت پر رونے یا اپنے دل میں ہونے والے غم پر عذاب نہیں دیا جائے گا۔ لیکن ان کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے بارے میں اپنی بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے الفاظ بولیں۔

واضح رہے کہ دل میں غم محسوس کرنا یا آنسو بہانا اسلام میں منع نہیں ہے۔ جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے وہ ہیں رونا، قول و فعل سے بے صبری کا اظہار کرنا، جیسے کپڑے پہاڑنا یا غم میں سر منڈوانا۔ وہ اس طرح کام کرنے والوں کے خلاف سخت انتباہ ہیں۔ اس لیے ان کاموں سے ہر حال میں اجتناب کرنا چاہیے۔ اس طرح کے کام کرنے پر نہ صرف کسی شخص کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے بلکہ اگر مرنے والے نے چاہا اور دوسروں کو اس طرح کرنے کا حکم دیا جب وہ مر گیا تو ان کا بھی جوابدہ ہو گا۔ لیکن اگر مرحوم نے یہ خواہش نہ کی ہو تو وہ کسی قسم کے احتساب سے پاک ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1006 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ سمجھنا عام فہم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کے فعل کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا: جب کہ سابقہ نے اسے اس طرح عمل کرنے کی نصیحت نہیں کی۔ باب 35 فاطر، آیت 18

"... اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ - 1

اسلام قبول کرنے کے بعد زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر والوں نے ستایا اور تشدد کا نشانہ بنایا۔ مثال کے طور پر، اس کے چچا، اسے بھوسے کی چٹائی میں لٹکا دیتے اور اس کے نیچے جلنے والی آگ کے دھوئیں سے اس کا دم گھٹتے۔ زبیر رضی اللہ عنہ مشکلات کے باوجود اسلام پر ثابت قدم رہے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 298 میں بحث کی گئی ہے۔

مسند احمد نمبر 2803 میں ایک حدیث ہے کہ ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کرنا اجر عظیم کا باعث ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا [یعنی حد]۔..."

ایمان کے تین پہلوؤں کی تکمیل کے لیے صبر ایک کلیدی عنصر ہے: اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا سامنا کرنا۔ لیکن صبر سے زیادہ اعلیٰ اور زیادہ ثواب کا درجہ قناعت ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب ایک مسلمان گہرا یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے اور اس لیے وہ اس کے انتخاب کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ایک صابر مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ جس چیز نے ان پر اثر ڈالا، مثلاً ایک مشکل، اس سے بچا نہیں جا سکتا تھا خواہ ساری مخلوق ان کی مدد کرے۔ اسی طرح جو کچھ بھی ان سے چھوٹ گیا وہ ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ جو شخص اس حقیقت کو صحیح معنوں میں قبول کر لیتا ہے وہ اس چیز پر فخر اور فخر نہیں کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مختص کیا ہے۔ اور نہ ہی وہ کسی ایسی چیز پر غمگین ہوں گے جس کو حاصل کرنے میں وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے میں ناکام رہے، اس نے وہ چیز ان کے لیے مختص نہیں کی اور نہ ہی کوئی چیز اس حقیقت کو بدل سکتی ہے۔ باب 57 الحديد، آیات 22-23

کوئی آفت زمین پر یا آپ کے درمیان نہیں آتی ہے سوائے اس کے کہ ہم اسے وجود میں لانے " سے پہلے ایک رجسٹر 1 میں موجود ہوں۔ بے شک یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ تاکہ تم اس چیز پر مایوس نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس پر فخر نہ کرو۔

اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 79 کی ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ جب کوئی چیز واقع ہو تو مسلمان کو یقین رکھنا چاہیے کہ وہ مقدر تھی اور کوئی چیز اس کا نتیجہ نہیں بدل سکتی تھی۔ اور ایک مسلمان کو یہ خیال کرتے ہوئے پچھتاوا نہیں ہونا چاہیے کہ اگر وہ کسی نہ کسی طرح مختلف طریقے سے برتاؤ کرتے تو وہ نتائج کو روک سکتے تھے کیونکہ یہ رویہ صرف شیطان کو بے صبری اور تقدیر کے بارے میں شکایت کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ایک صابر مسلمان صحیح معنوں میں یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی منتخب کیا ہے وہ ان کے لیے بہترین ہے خواہ وہ اس کے پیچھے موجود حکمت کو نہ دیکھیں۔ صبر کرنے والا اپنے حالات میں تبدیلی کا خواہاں ہوتا ہے اور اس کے لیے دعا بھی کرتا ہے لیکن جو کچھ ہوا اس کی شکایت نہیں کرتا۔ ثابت قدم رہنا ایک مسلمان کو بڑے درجے پر لے جا سکتا ہے یعنی قناعت۔

قناعت کرنے والا حالات میں تبدیلی کی خواہش نہیں رکھتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ان کی پسند سے بہتر ہے۔ یہ مسلمان صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود حدیث پر پختہ یقین رکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ یہ مشورہ دیتا ہے کہ مومن کے لیے ہر حالت بہترین ہے۔ اگر انہیں کوئی مسئلہ درپیش ہو تو انہیں صبر کا مظاہرہ کرنا چاہئے جس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر وہ آسانی کے وقت کا تجربہ کرتے ہیں تو انہیں شکر ادا کرنا چاہئے جو برکتوں کا باعث بنتا ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو آزماتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ اگر وہ صبر کا مظاہرہ کریں گے تو انہیں اجر ملے گا لیکن اگر وہ ناراض ہیں تو یہ ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی کا ثبوت ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2396 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ایک مسلمان کو آسانی اور مشکل دونوں وقتوں میں صبر کرنا چاہیے یا اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور فیصلے پر راضی رہنا چاہیے۔ اس سے کسی کی پریشانی میں کمی آئے گی اور اسے دونوں جہانوں میں بہت سی نعمتیں ملیں گی۔ جبکہ، بے صبری صرف اس انعام کو ختم کر دے گی جو وہ حاصل کر سکتے تھے۔ کسی بھی صورت میں ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ صورت حال سے گزرے گا، لیکن یہ ان کا اختیار ہے کہ وہ اجر چاہتے ہیں یا نہیں۔

ایک مسلمان اس وقت تک مکمل قناعت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ مشکل اور آسانی کے وقت اس کا رویہ برابر نہ ہو۔ ایک سچا بندہ فیصلہ کے لیے مالک یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس کیسے جا سکتا ہے اور پھر ناخوش کیسے ہو سکتا ہے جب انتخاب ان کی خواہش کے مطابق نہ ہو۔ اس بات کا ایک حقیقی امکان ہے کہ اگر کسی شخص کو وہ حاصل ہو جائے جس کی وہ خواہش کرتا ہے تو وہ اسے تباہ کر دے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ایک مسلمان کو کنارے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ یعنی جب حکم الہی ان کی خواہشات کے مطابق ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ غضب ناک ہو جاتے ہیں گویا وہ اللہ تعالیٰ سے بہتر جانتے ہیں۔ باب 22 الحج، آیت 11

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو " جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہیے جیسا کہ وہ کسی قابل اعتماد ڈاکٹر کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان ڈاکٹر کی تجویز کردہ کڑوی دوا لینے کی شکایت نہیں کرے گا یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے اسے یہ جانتے ہوئے کہ دنیا میں ان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسے قبول کرنا چاہیے۔ درحقیقت ایک سمجھدار شخص کڑوی دوا کے لیے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرے گا اور اسی طرح ایک ذہین مسلمان کسی بھی صورت حال کا سامنا کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کی بہت سی آیات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کا جائزہ لیں، جن میں صبر کرنے والے اور مطمئن مسلمان کو دیے جانے والے اجر کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس پر گہرا غور و فکر ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے ثابت قدم رہنے کی ترغیب دے گا۔ مثال کے طور پر، باب 39 از زمر، آیت 10

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا [یعنی حد]۔..."

ایک اور مثال جامع ترمذی نمبر 2402 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ اس میں یہ نصیحت ہے کہ جب صبر کے ساتھ دنیا میں آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنے والوں کو ان کا اجر ملے گا جن لوگوں نے ایسی آزمائشوں کا سامنا نہیں کیا وہ کاش صبر کے ساتھ ایسی مشکلات کا مقابلہ کرتے۔ جیسا کہ ان کی جلد قینچی سے کاٹ دی جاتی ہے۔

صبر اور قناعت حاصل کرنے کے لیے جس چیز کو اللہ تعالیٰ کسی شخص کے لیے چنتا ہے وہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پائے جانے والے علم کی تلاش اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ وہ ایمان کی بلندی تک پہنچ جاتے ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ ایمان کی فضیلت اس وقت ہوتی ہے جب ایک مسلمان عمل کرتا ہے جیسے کہ نماز، گویا وہ اللہ تعالیٰ کی گواہی دے سکتا ہے۔ جو اس درجے پر پہنچ جائے گا وہ مشکلات اور آزمائشوں کا درد محسوس نہیں کرے گا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت میں پوری طرح غرق ہو جائے گا۔ یہ ان عورتوں کا حال ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹتے وقت درد محسوس نہیں کرتی تھیں۔ باب 12 یوسف، آیت 31

اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دی اور کہا، "ان کے سامنے نکل آ۔" اور جب انہوں نے ... " اسے دیکھا تو اس کی بہت تعریف کی اور اپنے ہاتھ کاٹ کر کہنے لگے کہ اللہ کامل ہے یہ کوئی آدمی نہیں ہے، یہ کوئی اور نہیں بلکہ ایک بزرگ فرشتہ ہے۔

اگر کوئی مسلمان ایمان کے اس اعلیٰ درجے تک نہیں پہنچ سکتا تو اسے کم از کم اس نچلی سطح تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے جس کا ذکر پہلے حدیث میں ہے۔ یہ وہ درجہ ہے جہاں انسان کو مسلسل معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھے جا رہے ہیں۔ اسی طرح ایک شخص کسی مستند شخصیت کے سامنے شکایت نہیں کرے گا جس سے وہ ڈرتا ہے، جیسے کہ آجر، ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی موجودگی سے مسلسل آگاہ ہے، اس کے انتخاب کے بارے میں شکایت نہیں کرے گا۔

زبير بن عوام رضی اللہ عنہ - 2

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ہر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خاص شاگرد ہوتا ہے اور آپ کے خاص شاگرد زبير بن عوام رضی اللہ عنہ تھے۔ صحیح بخاری نمبر 3719 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

ان کے اس بلند مقام پر فائز ہونے کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بے پناہ اخلاص رکھتے تھے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7

“اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔”

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ” تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ - 3

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کسی زمانے میں امیر تھے۔ اس کے بہت سے نوکر تھے جو اس کے کاروبار اور جائیدادوں سے روزانہ کی آمدنی جمع کرتے تھے۔ ہر رات وہ اس کے پاس آنے والی پوری آمدنی کو تقسیم کرتا تھا اور وہ اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اسے پوری طرح خیراتی کاموں میں تقسیم کرتا تھا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 180 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 2336 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ ہر روز دو فرشتے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ پہلا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ اس کی خاطر خرچ کرنے والے کو معاوضہ دے۔ دوسرا اللہ تعالیٰ سے پوچھتا ہے کہ روکنے والے کو ہلاک کر دے۔

اس حدیث کا مقصد سخاوت اور بخل سے بچنے کی ترغیب دینا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنا صرف واجب صدقہ ہی نہیں ہے بلکہ اس میں اپنی ضروریات اور اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کرنا بھی شامل ہے جیسا کہ اسلام نے اس کا حکم دیا ہے۔ جو کوئی بھی ان عناصر پر خرچ کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ اپنی دولت کے تباہ ہونے کا مستحق ہے کیونکہ وہ اس مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہے ہیں جو حقیقت میں دولت کو بیکار بنا دیتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنا کبھی بھی مجموعی نقصان کا باعث نہیں بنتا کیونکہ ایک شخص کو کسی نہ کسی طریقے سے معاوضہ دیا جاتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 کی حدیث میں اس بات کی ضمانت دی ہے کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا۔ باب 34 سبا، آیت 39

“...لیکن تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ اس کی تلافی کرے گا”

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ایک سخی اللہ کے قریب، جنت کے قریب، لوگوں کے قریب اور جہنم سے دور ہے۔ جبکہ کنجوس شخص اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم سے قریب ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

آخر میں، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ حدیث ان تمام نعمتوں پر لاگو ہوتی ہے جو کسی کے پاس ہوتی ہے، جیسے کہ ان کی اچھی صحت، نہ کہ صرف مال۔ پس اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی نعمتوں کو صحیح طریقے سے وقف کرنے اور خرچ کرنے میں ناکام رہتا ہے تو فرشتے کی طرف سے ان کی نعمت کے خلاف دعا اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبول ہو سکتی ہے۔ لہذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر ایک نعمت کو اسلامی تعلیمات کے مطابق صحیح طریقے سے استعمال کریں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ حاصل کریں جو حقیقت میں حقیقی شکرگزاری ہے۔ بصورت دیگر، وہ ہمیشہ کے لیے نعمت سے محروم ہو سکتے ہیں۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ "کروں گا۔"

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ - 4

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی نیکیوں کو چھپانے پر قادر ہو تو اسے کرنا چاہیے۔ اس پر امام احمد بن حنبل کی کتاب الزہد ص/179 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ رویہ دکھاوے کو روکتا ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ ذرا سی بھی دکھاوا کرنا شرک ہے۔

یہ شرک کی ایک معمولی قسم ہے جس سے کسی کا ایمان ضائع نہیں ہوتا۔ اس کے بجائے یہ ثواب کے نقصان کا باعث بنتا ہے جیسا کہ اس مسلمان نے لوگوں کی خوشنودی کے لیے عمل کیا جب کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عمل کرنا چاہیے تھا۔ درحقیقت قیامت کے دن ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے اعمال کا بدلہ ان سے مانگیں جو کہ ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اگر شیطان کسی کو اعمال صالحہ سے نہیں روک سکتا تو وہ ان کی نیت کو خراب کرنے کی کوشش کرے گا جس سے ان کا اجر ضائع ہو جائے گا۔ اگر وہ ان کی نیت کو ظاہری طور پر خراب نہیں کر سکتا تو وہ باریک طریقے سے اسے خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں یہ بھی شامل ہے جب لوگ اپنے نیک اعمال کو دوسروں کے سامنے دکھاتے ہیں۔ بعض اوقات یہ اتنا لطیف ہوتا ہے کہ انسان خود بھی اس سے پوری طرح واقف نہیں ہوتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ جیسا کہ علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا سب پر فرض ہے، سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جہالت کا دعویٰ کرنا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قبول نہیں کرے گا۔

باریک بینی کا مظاہرہ اکثر سوشل میڈیا اور کسی کی تقریر کے ذریعے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان دوسروں کو مطلع کر سکتا ہے کہ وہ روزہ رکھ رہا ہے حالانکہ کسی نے ان سے براہ راست نہیں پوچھا کہ کیا وہ روزہ رکھتے ہیں۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ جب کوئی عام طور پر دوسروں کے سامنے قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور دوسروں کو دکھاتا ہے کہ انہوں نے قرآن پاک حفظ کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ عوامی طور پر خود پر تنقید کرنا بھی دوسروں کے سامنے اپنی عاجزی کا مظاہرہ سمجھا جا سکتا ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، نفاست سے دکھاوا ایک مسلمان کے اجر کو ختم کر دیتا ہے اور اپنے اعمال صالحہ کی حفاظت کے لیے اس سے بچنا چاہیے۔ یہ صرف اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے، جیسے کہ اپنی بات کی حفاظت کیسے کی جائے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ - 1

شمالی افریقہ کی مہم کے دوران، ایک مسلمان فوج کو اس کے حجم سے 8-10 گنا زیادہ فوج کا سامنا کرنا پڑا۔ جب مسلمان سپاہیوں کو دشمن کے سپاہیوں نے پوری طرح گھیر لیا تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دشمن کے بادشاہ پر الزام لگانے کی اجازت مل گئی جس کے نتیجے میں بادشاہ مارا گیا۔ جب دشمن کی فوج نے یہ دیکھا تو وہ گھبرا گئے اور ان میں سے بہت سے بھاگ گئے۔ اس سے مسلمانوں کو ان پر قابو پانے اور فتح حاصل کرنے کا موقع ملا۔ امام محمد السلابی کی سیرت عثمان ابن عفان، ذون نورین، صفحہ 292-293 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، یہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے اندرونی شیطان اور وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پہنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب: العنکبوت، آیت 69 29

“اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔”

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

بلال بن رباح رضی اللہ عنہ - 1

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ان کے مالک نے ستایا اور اذیت دی۔ مثال کے طور پر، اس کا مالک اسے جلتی ہوئی ریت پر لیٹنے پر مجبور کرتا اور اس کے سینے کے اوپر ایک پتھر رکھ دیتا تاکہ وہ گرم ریت سے جل جائے اور پتھر سے دم گھٹ جائے۔ بلال رضی اللہ عنہ مشکلات کے باوجود اسلام پر ثابت قدم رہے۔ آخر کار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنی آزادی خرید لی۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 299-300 میں بحث کی گئی ہے۔

مسند احمد نمبر 2803 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی تلقین فرمائی کہ انسان کو درپیش ہر مشکل کے بعد آسانی ہوگی۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں بھی بیان کی گئی ہے، مثال کے طور پر، باب 65، آیت 7

”اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی پیدا کرے گا۔“

مسلمانوں کے لیے اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ یہ صبر اور قناعت کو جنم دیتا ہے۔ حالات کی تبدیلیوں پر غیر یقینی ہونا کسی کو بے صبری، ناشکری اور یہاں تک کہ غیر قانونی چیزوں کی طرف لے جا سکتا ہے، جیسے کہ غیر قانونی رزق۔ لیکن جو اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ آخر کار تمام مشکلات آسانی سے بدل جائیں گی وہ اسلام کی تعلیمات پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے صبر سے اس تبدیلی کا انتظار کرے گا۔ یہ صبر اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 146

”اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسی بے شمار مثالیں بیان کی ہیں جب مشکل حالات کے بعد آسانی اور برکت آتی تھی۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف سے کس بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں سیلاب عظیم سے بچایا اس کا ذکر ہے۔ باب 21 الانبیاء، آیت 76

اور نوح کا ذکر کریں جب اس نے [اس وقت [سے پہلے] اللہ کو [پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول " کی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑی مصیبت [یعنی سیلاب] سے بچا لیا۔

ایک اور مثال باب 21 الانبیاء، آیت 69 میں ملتی ہے

ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک عظیم آگ کی صورت میں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کو ٹھنڈا اور پر سکون بنا دیا۔

یہ اور بہت سی مثالیں قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بیان کی گئی ہیں، تاکہ مسلمان یہ سمجھیں کہ مشکل کا ایک لمحہ آخر کار اللہ کی اطاعت کرنے والوں کے لیے آسانی کا باعث بنتا ہے۔ اس کے احکام کو پورا کرنے سے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے سے۔

لہذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ان اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تاکہ ان بے شمار صورتوں کا مشاہدہ کیا جا سکے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد آسانی عطا فرمائی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو بڑی مشکلوں سے بچا لیا ہے جن کا ذکر الہی تعلیمات میں کیا گیا ہے تو وہ فرمانبردار مسلمانوں کو چھوٹی چھوٹی مشکلات سے بھی بچا سکتا ہے اور بچائے گا۔

بلال بن رباح رضی اللہ عنہ - 2

آسمانی سفر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت میں کسی شخص کو دیکھے بغیر قدموں کی آہٹ سنی۔ جب انہوں نے اس کے بارے میں پوچھا تو جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ بلال بن رباح رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 325 میں بحث کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جنت میں صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے داخل ہوگا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر عمل صالح صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ممکن ہے، علم، الہام، قوت اور عمل کرنے کے موقع کی صورت میں۔ یہ فہم انسان کو غرور اختیار کرنے سے روکتی ہے جس سے بچنا ضروری ہے کیونکہ انسان کو جہنم میں لے جانے کے لیے صرف ایک ایٹم کی قدر کی ضرورت ہوتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 267 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

مزید برآں، ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت، عمل صالح کی صورت میں درحقیقت ایک نور ہے جسے دنیا میں جمع کرنا ضروری ہے اگر وہ آخرت میں رہنمائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان غفلت میں زندگی گزارتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لا کر، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے اس نور کو دنیا میں جمع کرنے سے باز رہتا ہے تو آخرت میں اس ہدایت کی روشنی کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟

تمام مسلمانوں کی خواہش ہے کہ وہ جنت میں اللہ کے سب سے بڑے بندوں جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں۔ لیکن یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بغیر عمل کے محض اس کی تمنا کرنے سے یہ کام نہیں ہو گا ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا کرتے۔ سیدھے الفاظ میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی جتنی زیادہ کوشش کرے گا، آخرت میں اس کے اتنے ہی قریب ہوں گے۔

جنت کی سب سے بڑی نعمت جسمانی طور پر اللہ عزوجل کا مشاہدہ کرنا ہے، جس کا ذکر صحیح بخاری نمبر 7436 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ اگر کوئی مسلمان اس ناقابل تصور نعمت کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے عملی طور پر اس درجہ فضیلت کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو حدیث میں مذکور ہے۔ صحیح مسلم، نمبر 99 میں پایا جاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص نماز جیسے اعمال انجام دیتا ہے، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتا ہے، ان کو نظر انداز کر رہا ہے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی مستقل اور مخلصانہ اطاعت کو یقینی بناتا ہے۔ امید ہے کہ ایمان کے اس درجے کے لیے کوشش کرنے والے کو آخرت میں جسمانی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی سعادت حاصل ہوگی۔

بلال بن رباح رضی اللہ عنہ - 3

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے حدیبیہ میں طے پانے والے صلح کے معاہدے کو ایک ایسے قبیلے کی حمایت سے توڑ دیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ خانہ کعبہ کی چھت سے اذان کا اعلان کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 411 میں بحث کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ ایک حبشی اور سابق غلام تھے اس لیے اس وقت کے معاشرے کے مطابق ان کو پست اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسانی سے کسی ایسے شخص کو دے سکتے تھے جسے اس وقت کا معاشرہ معزز سمجھا جاتا تھا لیکن آپ نے خاص طور پر بلال رضی اللہ عنہ کو چن لیا۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل و صورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں

جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر
میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔ 3154

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ”
پرہیزگار ہے۔“

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

بلال بن رباح رضی اللہ عنہ - 4

شام کی مہم کے دوران، مسلم فوجوں کو کمک کی ضرورت تھی کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس کے نتیجے میں خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رضاکاروں کو ان کے ساتھ شامل ہونے کے لیے کہا اور سعید بن عامر ابن ہذیم رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک بڑا لشکر تشکیل دیا گیا۔ بلال جو کہ نماز کے لیے اصل پکارنے والے تھے، نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس لشکر کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے بے پناہ محبت کی وجہ سے اسے جانے دینے سے گریزاں تھا، لیکن اس سے کم نہیں، آپ نے اسے اجازت دے دی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رخصت ہونے سے پہلے بلال رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ ہمیشہ اچھے کام کریں کیونکہ وہ اس دنیا میں ان کا رزق ہوں گے اور ان کی موت کے بعد اچھے اجر کا باعث بنیں گے۔ امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 655-656 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

نیک اعمال میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں۔ ان پر عمل کرنے والے کو نہ صرف دنیا میں سکون اور کامیابی ملے گی بلکہ وہ ان دنیوی نعمتوں کو لازوال اجر کی صورت میں اپنے ساتھ آخرت تک لے جائے گا۔ لیکن جو لوگ ان کی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں انہیں دنیا میں سکون نہیں ملے گا اور یہ دنیوی نعمتیں ان کی قبر پر پہنچ کر انہیں چھوڑ دیں گی۔

صحیح بخاری نمبر 6442 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انسان کا اصل مال وہی ہے جو وہ آخرت کے لیے آگے بھیجتا ہے اور جو کچھ وہ پیچھے چھوڑتا ہے وہ درحقیقت اس کا مال ہے۔ وارث

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی دولت جیسی زیادہ سے زیادہ نعمتیں بھیجیں، جتنی کہ وہ آخرت کے لیے ان طریقوں سے استعمال کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ اس میں فضول خرچی، ضرورت سے زیادہ یا اسراف کے بغیر کسی کی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی

ضروریات پر خرچ کرنا شامل ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

لیکن اگر کوئی مسلمان ان کی نعمتوں کا صحیح استعمال نہ کرے تو وہ دونوں جہانوں میں اس کے لیے بوجھ بن جائے گا۔ اور اگر وہ ان کو جمع کر کے اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ دیں تو ان سے ان کو حاصل کرنے کا حساب ہوگا اگرچہ ان کے جانے کے بعد دوسرے ان سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اگر ان کے وارثان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں گے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا، جب کہ جس نے اسے جمع کیا وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ یا ان کا وارث ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو کہ نعمت کمانے والے اور اس کے وارث دونوں کے لیے بڑی پشیمانی کا باعث بن جائے گی، خاص طور پر اگر انہوں نے اپنے وارث مثلاً اپنے بچے کو نہ سکھایا تو نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا کیوں کہ یہ ایک فرض ہے۔ ان پر۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ اپنی بقیہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کر کے آخرت تک لے جائیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے۔ ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ اور پشیمانوں سے بھرے رہیں گے۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ - 1

اسلام قبول کرنے کے بعد عمار رضی اللہ عنہ کو ان کے مالک نے ستایا اور اذیت دی۔ اس پر اس قدر وحشیانہ تشدد کیا گیا کہ وہ اس سے بچنے کے لیے کفر کے کلمات کہنے پر مجبور ہوئے۔ جب اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ سے آگاہ کیا تو موصوف نے ان سے آپ کے روحانی قلب کا حال دریافت کیا۔ جب عمار رضی اللہ عنہ نے اس بات کی تصدیق کی کہ ان کے دل کو ایمان پر یقین ہے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اگر اس کا مطلب جان بچانا ہے تو اپنے عمل کو دہراؤ۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 302 میں بحث کی گئی ہے۔

اپنی مثال کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کی مشکلات کا سامنا کرنے والے لوگوں کو آسانی اور رعایت دی۔ عام طور پر، یہ اسلام کی آسان فطرت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 39 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ دین سادہ اور سیدھا ہے۔ اور مسلمان کو اپنے اوپر بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے کیونکہ وہ اسے برداشت نہیں کر سکے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو ہمیشہ سادہ دینی اور دنیاوی زندگی گزارنی چاہیے۔ اسلام مسلمانوں سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ اعمال صالحہ کی ادائیگی میں اپنے اوپر بوجھ ڈالیں۔ لیکن درحقیقت یہ سادگی سکھاتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیارا دین ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی، ادب المفرد، نمبر 287 میں موجود ایک حدیث کے مطابق، ایک مسلمان کو سب سے پہلے اپنے ان واجبات کو ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو بلاشبہ اس کی طاقت میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرح پورا کرنا کسی مسلمان پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اس کی تصدیق قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 286 میں ہوتی ہے

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

اس کے بعد انہیں چاہیے کہ وہ اپنے دن میں سے کچھ وقت اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کے لیے نکالیں تاکہ وہ اپنی طاقت کے مطابق قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ روایات پر عمل کر سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے جس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

اگر کوئی مسلمان اس طرز عمل پر قائم رہے تو ان پر ایسی رحمت نازل ہو گی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنے تمام فرائض کو پورا کریں گے اور اس دنیا کی حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے وقت نکالیں گے، بغیر کسی فضول خرچی اور اسراف کے۔

اس طرح ایک مسلمان اپنے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ اور اگر ان کے پاس زیر کفالت ہیں، جیسے کہ بچے، تو انہیں چاہیے کہ انہیں اس طرح سکھائیں، ان کے لیے بھی آسانیاں پیدا کریں۔ خود پر زیادہ بوجھ ڈالنا چیزوں کو مشکل بنا دیتا ہے اور کسی کو مکمل طور پر چھوڑنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اور بہت زیادہ آرام کرنا چیزوں کو مشکل بنا دے گا کیونکہ انسان سستی کی وجہ سے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ - 2

عمار رضی اللہ عنہ کو ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قبیلے کو اسلام کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا۔ واپسی پر اس نے تبصرہ کیا کہ وہ حیران ہیں کہ لوگوں کو دنیاوی آسائشوں کے حصول اور لطف اندوزی کے علاوہ کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اس سے زیادہ تعجب کی بات اُنّندہ ایسے لوگ ہوں گے جن کے پاس اسلام کا علم ہے اور انہیں دنیاوی آسائشوں کے حصول کے علاوہ کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حیات صحابہ، جلد 3، صفحہ 238 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2886 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال اور عمدہ لباس کے غلاموں پر تنقید کی۔ یہ لوگ جب یہ چیزیں حاصل کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور نہ ملنے پر ناراض ہوجاتے ہیں۔

حقیقت میں، یہ تمام غیر ضروری چیزوں پر لاگو ہوتا ہے۔ یہ تنقید ان لوگوں کی طرف نہیں ہے جو مادی دنیا میں اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔ لیکن یہ ان لوگوں کی طرف ہے جو اپنی خواہشات اور دوسروں کی خواہشات کی تسکین کے لیے مال و دولت اور دیگر دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے حرام کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہے جو غیر ضروری حلال چیزوں کی پیروی اس طرح کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اس اطاعت میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔ یہ انہیں آخرت اور ان کے آخری فیصلے کے لیے مناسب تیاری کرنے سے روکتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ تنقید ان لوگوں کے لیے ہے جو اس وقت بے صبرے ہوتے ہیں جب وہ اس دنیا میں اپنی غیر ضروری خواہشات کو حاصل نہیں کر پاتے۔ یہ رویہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مجبور کر سکتا ہے۔ یعنی جب وہ اپنی خواہشات کو پاتے ہیں تو اس کی اطاعت کرتے ہیں لیکن جب وہ نہیں کرتے تو غصے سے اس کی اطاعت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہ رویہ اختیار کرنے والے کے لیے دونوں جہانوں میں سخت نقصان سے خبردار کیا ہے۔ باب: الحج، آیت 11 22

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو " جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔

مسلمانوں کو اس کے بجائے صبر کرنا اور اپنے پاس موجود چیزوں پر قناعت کرنا سیکھنا چاہیے کیونکہ صحیح مسلم نمبر 2420 میں موجود حدیث کے مطابق یہی حقیقی دولت ہے۔ درحقیقت خواہشات سے بھرا ہوا شخص محتاج ہے، خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کو جاننا چاہیے کہ وہ لوگوں کو وہ عطا کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے نہ کہ ان کی خواہشات کے مطابق کیونکہ یہ اکثر صورتوں میں ان کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ باب 42 اششورہ، آیت 27

اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا تو وہ زمین پر ظلم کرتے۔ لیکن وہ جس "مقدار میں چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے باخیر اور دیکھنے والا ہے۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ - 3

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ آپ کے ایمان سے لبریز تھے۔ گودا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 290 میں بحث کی گئی ہے۔

یقین کو اپنانا ضروری ہے کیونکہ ایمان کی کمزوری گمراہی کا باعث بنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سب سے بڑی رکاوٹ ایمان کی کمزوری ہے۔ یہ ایک قابل ملامت خصوصیت ہے جو دوسری منفی خصوصیات کو جنم دیتی ہے، جیسے اپنے علم پر عمل نہ کرنا، دوسروں سے ڈرنا، لوگوں کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر فوقیت دینا، بغیر کوشش کے معافی کی امید رکھنا اور دیگر ناپسندیدہ خصوصیات۔ خصوصیات ایمان کی کمزوری کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ یہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے جیسے فرائض سے غفلت۔ ایمان کی کمزوری کی اصل وجہ اسلام سے لاعلمی ہے۔

اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ آخرکار ایمان کے اس یقین تک پہنچ جائیں گے جو اس قدر مضبوط ہے کہ یہ انسان کو تمام آزمائشوں اور آزمائشوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ اپنے دینی اور دنیاوی فرائض کو پورا کرے۔ یہ علم اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرتا ہے۔ خاص طور پر وہ تعلیمات جن میں فرمانبرداروں کے لیے اجر کے وعدوں اور اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کے لیے عذاب کا ذکر ہے۔ اس سے مسلمان کے دل میں عذاب کا خوف اور ثواب کی امید پیدا ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف کھینچنے اور دھکیانے کے طریقہ کار کی طرح کام کرتا ہے۔

آسمانوں اور زمین کے اندر کی تخلیقات پر غور و فکر کر کے اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتے ہیں۔ جب صحیح طریقے سے کیا جائے تو یہ واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی لامحدود قدرت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ ”یہ حق ہے۔“

مثال کے طور پر، اگر کوئی مسلمان رات اور دن کے بارے میں غور کرے کہ وہ کس حد تک مطابقت میں ہیں اور ان سے جڑی دوسری چیزوں کو وہ واقعی یقین کر لیں گے کہ یہ کوئی بے ترتیب چیز نہیں ہے، یعنی ایک ایسی طاقت ہے جو اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ ہر چیز گھڑی کی طرح چلتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود طاقت ہے۔ اس کے علاوہ، اگر کوئی رات اور دن کے کامل وقت پر غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی معبود ہے، یعنی اللہ تعالیٰ۔ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو ہر خدا کی خواہش ہوتی کہ رات اور دن ان کی اپنی خواہشات کے مطابق ہوں۔ یہ سراسر افراتفری کا باعث بنے گا کیونکہ ایک خدا سورج کے طلوع ہونے کی خواہش کر سکتا ہے جبکہ دوسرا خدا رات کو جاری رکھنے کی خواہش کر سکتا ہے۔ کائنات کے اندر پایا جانے والا کامل بلا تعطل نظام یہ ثابت کرتا ہے کہ صرف ایک ہی خدا ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔ باب 21 الانبیاء، آیت 22

”اگر ان کے اندر اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وہ دونوں برباد ہو جاتے۔“

ایک اور چیز جو ایمان کو مضبوط کر سکتی ہے وہ ہے عمل صالح پر قائم رہنا اور تمام گناہوں سے پرہیز کرنا۔ جیسا کہ ایمان ایمان ہے جس کی تائید اعمال سے ہوتی ہے جب گناہ سرزد ہوتے ہیں تو کمزور ہوتے ہیں اور جب اچھے اعمال کیے جاتے ہیں تو تقویت ملتی ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5662 میں موجود حدیث میں ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی کہ مسلمان شراب پینے سے مومن نہیں ہوتا۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ - 4

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نصیحت کی کہ نصیحت کرنے کے لیے موت ہی کافی ہے۔ اس پر امام غزالی، احیاء علم الدین، ص/219 میں بحث ہو چکی ہے۔

موت ایک ایسی چیز ہے جس کا آنا یقینی ہے لیکن وقت نامعلوم ہے اس لیے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایک مسلمان جو آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ ان چیزوں کی تیاری پر ترجیح دیتا ہے جو شاید نہ ہو، جیسے شادی، بچے یا ان کی ریٹائرمنٹ۔ یہ عجیب بات ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اس کے برعکس ذہنیت اختیار کر لی ہے حالانکہ وہ گواہی دیتے ہیں کہ دنیا عارضی اور غیر یقینی ہے جبکہ آخرت دائمی ہے اور ان کا اس تک پہنچنا یقینی ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کوئی کس طرح کا برتاؤ کرے ان کے اعمال کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ ایک مسلمان کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دینا چاہئے کہ وہ مستقبل میں آخرت کی تیاری کر سکتے ہیں اور کر سکتے ہیں کیونکہ یہ رویہ انہیں صرف اس وقت تک مزید تاخیر کا باعث بنتا ہے جب تک کہ ان کی موت واقع نہ ہو جائے اور وہ اس ندامت کے ساتھ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں جو ان کی مدد نہیں کرے گی۔

اس لیے اہم بات یہ نہیں ہے کہ لوگ مر جائیں گے کیونکہ یہ ناگزیر ہے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ اس طرح کام کیا جائے کہ انسان اس کے لیے پوری طرح تیار ہو۔ اس کے لیے صحیح طریقے سے تیاری کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کیا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا۔ یہ تبھی ممکن ہے جب کوئی شخص آخرت کی تیاری کو ان چیزوں کی تیاری پر ترجیح دے جو شاید نہ ہو سکیں۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ - 5

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ قناعت کے لیے یقین کافی ہے۔ اس پر امام غزالی، احیاء علم الدین، ص/219 میں بحث ہو چکی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کے لیے رزق جیسی تمام چیزیں مختص کر دیں۔ اور زمین

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام حالات کے حوالے سے دو پہلو ہوتے ہیں، جیسے رزق حاصل کرنا۔ پہلا پہلو وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے معنی، تقدیر کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ واقع ہو گا اور تخلیق میں کوئی بھی چیز اسے ہونے سے نہیں روک سکتی۔ چونکہ یہ ایک شخص کے ہاتھ سے باہر ہے اس پہلو پر دباؤ ڈالنا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ ان کا تقدیر پر کوئی اثر نہیں ہوتا چاہے وہ یا کوئی اور کرتا ہو۔

دوسرا پہلو اس کی اپنی کوشش ہے۔ اس پہلو پر ایک شخص کا مکمل اختیار ہے اور اس لیے انہیں اس پہلو پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو انہیں فراہم کیے گئے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے ان کی جسمانی طاقت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے وہ صبر جس پر ان کا کوئی اختیار نہیں، روایات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق۔ اس میں حرام، زیادتی، فضول خرچی اور اسراف سے بچتے ہوئے ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے حلال رزق حاصل کرنے کی کوشش کرنا شامل ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو ان چیزوں پر دباؤ ڈالنے میں کبھی بھی وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے جن پر اس کا کوئی کنٹرول یا اثر نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے پاس موجود ذرائع کو استعمال کرے اور ان چیزوں پر عمل کرے جن پر اس کا اختیار ہے، اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کا حکم دیا ہے۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ - 6

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ مشغول رکھنے کے لیے عبادت ہی کافی ہے۔ اس پر امام غزالی، احیاء علم الدین، ص/219 میں بحث ہو چکی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک اپنے اسلام کو بہترین نہیں بنا سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں سے اجتناب نہ کرے جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اس حدیث میں ایک ہمہ گیر نصیحت ہے جس کا اطلاق زندگی کے ہر پہلو پر ہونا چاہیے۔ اس میں ایک شخص کی تقریر کے ساتھ ساتھ ان کے دیگر جسمانی اعمال بھی شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان اپنے ایمان کو کامل کرنا چاہتا ہے اسے ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے، قول و فعل کے ذریعے، جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس کے بجائے وہ خود کو ان کاموں میں مشغول رکھیں جو کرتے ہیں۔ انسان کو ان باتوں کو بہت سنجیدگی سے لینا چاہیے جو ان کے ساتھ ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کی کوشش کریں جو اسلام کی تعلیمات کے مطابق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی سوچ یا خواہشات کے مطابق چیزوں سے گریز کرے تو وہ اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکے گا۔ لیکن جو اپنا ایمان کامل کرتا ہے وہ ان چیزوں سے اجتناب کرتا ہے جن سے بچنے کی اسلام نے نصیحت کی ہے۔ یعنی اپنے تمام فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، تمام گناہوں اور اسلام میں ناپسندیدہ چیزوں سے بچنا چاہیے اور غیر ضروری حلال چیزوں کے زیادہ استعمال سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ اس فضیلت کو حاصل کرنا ایمان کی فضیلت کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 کی حدیث میں ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتا ہے کہ گویا وہ اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے یا وہ کم از کم اللہ سے پوری طرح واقف ہو جاتا ہے۔ ان کے ہر خیال اور عمل کا مشاہدہ کرنے والا۔ اس الہی نگرانی سے آگاہ ہونا ایک مسلمان کو ہمیشہ گناہوں سے پرہیز کرنے اور اعمال صالحہ کی طرف جلدی کرنے کی ترغیب دے گا۔ جو ان چیزوں سے پرہیز نہیں کرتا جن سے کوئی سروکار نہیں وہ اس درجہ فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔

ان چیزوں سے اجتناب کرنے کا ایک بڑا پہلو جن سے انسان کو کوئی سروکار نہیں ہوتا اس کا تعلق تقریر سے ہے۔ گناہوں کی کثرت اس وقت ہوتی ہے جب انسان ایسے الفاظ کہے جن سے کوئی تعلق نہ ہو، جیسے غیبت اور غیبت۔ فضول گفتگو کی تعریف یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایسے الفاظ کہے جو گناہ کے تو نہ ہوں لیکن بیکار ہوں اور اس لیے ان کی فکر نہ ہو۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ لغو بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ لاتعداد دلائل، لڑائیاں اور یہاں تک کہ جسمانی نقصان بھی صرف اس لیے ہوا ہے کہ کسی نے ایسی بات کی جس سے انہیں کوئی سروکار نہ ہو۔ کئی خاندان تقسیم ہو چکے ہیں۔ بہت سی شادیاں ختم ہو چکی ہیں کیونکہ کسی کو ان کے کاروبار پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مفید کلام کی مختلف اقسام کی نصیحت فرمائی ہے جس سے لوگوں کو فکر مند ہونا چاہیے۔ باب 4 النساء، آیت 114

ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا حکم دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

درحقیقت ایسے الفاظ کا بولنا جو انسان کے لیے فکرمند نہ ہوں، لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ہو گی۔ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2412 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ تمام تقریریں شمار ہوں گی۔ کسی شخص کے خلاف جب تک کہ اس کا تعلق نیکی کی نصیحت، برائی سے منع کرنے یا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تقریر کی دیگر تمام شکلیں کسی شخص کی فکر نہیں ہیں کیونکہ ان سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اچھی نصیحت کرنا ہر اس چیز کو شامل کرتا ہے جو کسی کی دنیاوی اور مذہبی زندگی میں فائدہ مند ہو، جیسے کہ وہ پیشہ۔

لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے قول و فعل کے ذریعے ان باتوں سے بچنے کی کوشش کریں جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے تاکہ وہ اپنے ایمان کو مکمل کر سکیں۔ سیدھے الفاظ میں، جو شخص ان چیزوں کے لیے وقت لگاتا ہے جن سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، وہ ان چیزوں میں ناکام ہو جاتا ہے جو ان سے متعلق ہیں۔ اور جو اپنے آپ کو ان چیزوں میں مشغول رکھتا ہے جو ان

سے متعلق ہیں وہ ان چیزوں پر خرچ کرنے کے لئے وقت نہیں پائے گا جو ان سے متعلق نہیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں گے۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ - 7

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ جب مسلمان کسی امتحان میں ڈالا جاتا ہے تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ امام ابن عبدالملک آل ہندی کی کنز العمال 3/745 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ادب المفرد نمبر 492 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مسلمان کو کسی بھی قسم کی جسمانی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، خواہ اس کی جسامت کتنی ہی کیوں نہ ہو، جیسے کہ چوٹ لگنا۔ کوئی کانٹا، یا کوئی جذباتی مشکل، جیسے تناؤ، سوائے اللہ تعالیٰ کے، اس کی وجہ سے ان کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

اس سے مراد چھوٹے گناہ ہیں کیونکہ بڑے گناہوں کے لیے سچی توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نتیجہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان مشکل کے آغاز سے اپنی زندگی کے آخر تک صبر کرتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کیونکہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ابتدائی طور پر شکایت کر سکتے ہیں اور اس کے بعد صبر کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ یہ سچا صبر نہیں ہے بلکہ یہ صرف قبولیت ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ سنن نسائی نمبر 1870 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ زندگی بھر صبر کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے کیونکہ انسان بے صبری کا مظاہرہ کر کے اپنے اجر کو ختم کر سکتا ہے۔

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کے چھوٹے گناہ ان مشکلات سے مٹ جائیں پھر ان کے پاس رہتے ہوئے قیامت تک پہنچ جائیں۔ ایک مسلمان کو اپنے چھوٹے گناہوں کو مٹانے کے لیے مسلسل توبہ اور عمل صالح کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور اگر ان کو کوئی جسمانی یا جذباتی دشواری پیش آئے تو ان کو صبر کرنا چاہیے کہ ان کے چھوٹے گناہوں کے مٹ جانے اور بے شمار ثواب حاصل کرنے کی امید رکھیں۔ باب 39 از زمر، آیت 10

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا [یعنی حد]۔..."

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ - 8

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب کوئی غیر مسلم بیمار ہوتا ہے تو وہ اس اونٹ کی مانند ہوتا ہے جسے اس کا مالک باندھتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں باندھا گیا ہے۔ اور جب کھولا جاتا ہے تو پتہ نہیں کیوں کھولا جاتا ہے۔ امام ابن عبدالملک آل ہندی کی کنز العمال 3/745 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کے لیے ایک اہم حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے، یعنی تخلیق میں کوئی بھی چیز عقلمندی کے بغیر واقع نہیں ہوتی، خواہ لوگ اس حکمت کو فوری طور پر نہ دیکھیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر چیز کو جو پیش آتی ہے، خواہ وہ آسانی کے وقت ہو یا مشکل میں، ایک بوتل میں ایک پیغام کی طرح۔ انہیں بوتل کا جائزہ لینے اور جانچنے میں زیادہ نہیں پھنسا چاہئے کیونکہ یہ محض ایک میسنجر ہے جو اہم پیغام پہنچاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب مسلمان یا تو ان اچھی چیزوں پر خوش ہوتے ہیں جو اس طرح ہوتی ہیں اور اچھی چیز کے اندر موجود پیغام سے غافل ہو جاتے ہیں۔ یا وہ مشکلات کے دوران غمگین ہو جاتے ہیں اس طرح مشکل کے اندر موجود پیغام کو سمجھنے کے لیے بہت زیادہ مشغول ہو جاتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ قرآن پاک کی نصیحت پر عمل کرنے کی بجائے ہر صورتحال کو متوازن انداز میں دیکھیں۔ باب 57 الحدید، آیت 23

تاکہ تم اس چیز پر نا امید نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس "پر فخر نہ کرو۔"

یہ آیت مختلف حالات میں خوش یا غمگین ہونے سے منع نہیں کرتی کیونکہ یہ انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ لیکن یہ ایک متوازن نقطہ نظر کی نصیحت کرتا ہے جس کے تحت کوئی انتہائی جذبات سے بچتا ہے یعنی پرجوش جو حد سے زیادہ خوشی یا غم جو کہ ضرورت سے زیادہ اداسی ہے۔ یہ متوازن نقطہ نظر کسی کو اپنے ذہن کو بوتل کے اندر موجود زیادہ اہم پیغام پر مرکوز کرنے کی اجازت دے گا، اس صورت حال کے اندر چاہے یہ آسانی ہو یا مشکل کی صورت حال۔ چھپے

ہوئے پیغام کو جانچنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے ایک مسلمان اپنی دنیوی اور دینی زندگی کو بہتر بنا سکتا ہے۔ بعض اوقات یہ پیغام جاگنے کی کال ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ جائیں، اس سے پہلے کہ ان کا وقت ختم ہو جائے۔ بعض اوقات یہ ان کے درجات کو بڑھانے کا ایک طریقہ ہو گا۔ دوسری بار ان کے گناہوں کو مٹانے کا ایک طریقہ اور بعض اوقات یہ یاد دہانی کہ وہ دنیاوی مادی دنیا اور اس میں موجود چیزوں سے خود کو منسلک نہ کریں۔ اس تشخیص کے بغیر کوئی شخص اپنی دنیوی یا دینی زندگی کو بہتر بنائے بغیر محض واقعات سے گزرے گا۔

عثمان بن مدعون رضی اللہ عنہ - 1

مکہ میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی قبائلی وابستگیوں کی وجہ سے غیر مسلموں کے ظلم و ستم سے محفوظ رکھا گیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے تھے، جنہیں غیر مسلموں کے سرداروں میں سے ایک ولید بن مغیرہ کی حفاظت حاصل تھی۔ ایک موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو برا لگا کہ ایک مشرک ان کی حفاظت کر رہا ہے جبکہ ان کے مسلمان بھائی بہنوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ستایا جا رہا ہے۔ نتیجے کے طور پر، اس نے عوامی طور پر ولید کی طرف سے دی گئی حفاظت سے دستبردار ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک غیر مسلم کے ساتھ جھگڑا ہوا جس کے نتیجے میں اس کی آنکھ زخمی ہو گئی۔ ولید نے اسے یاد دلایا کہ یہ چوٹ نہ ہوتی اگر وہ اس تحفظ کو ختم نہ کرتا جو اس نے اسے بڑھایا تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اطمینان سے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف پہنچا کر خوش ہوں اور اب اس کی پناہ میں ہوں جو ولید سے زیادہ عزت والا اور طاقتور ہے، یعنی اللہ تعالیٰ۔ سربلند اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 310-311 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کی حفاظت اور حفاظت کرتا ہے اور ان کا خاص خیال رکھتا ہے۔ وہ فرمانبرداروں کو شیطان کی چالوں اور جال سے بچاتا ہے اور نافرمانوں کو اپنے فوری عذاب سے بچاتا ہے تاکہ انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کا موقع فراہم کرے۔

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اس الہی نام پر عمل کرنا چاہیے، لیکن ہر حال میں اس کی الہی نگہداشت اور انتخاب پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور اس کے نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے، خواہ وہ کچھ انتخاب کے پیچھے حکمت کا مشاہدہ نہ کرے۔ اس سے صبر اور یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر قناعت کی ترغیب ملتی ہے۔ باب 65 میں: طلاق، آیت 3

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔“

ایک مسلمان کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ گمراہی اور عذاب سے صرف سرپرست یعنی اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رہیں گے۔ یہ فخر کے تمام نشانوں کو دور کرتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ اس کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے اس کی حفاظت تلاش کریں۔ ایک مسلمان کو اس اسم الہی پر عمل کرنا چاہیے کہ وہ اپنے پاس موجود ہر امانت کی حفاظت کرے جیسا کہ ان کی برکات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق استعمال کرتے ہوئے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے افعال و کلام کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رکھیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید برکات حاصل کریں گے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ "کروں گا۔"

عثمان بن مدعون رضی اللہ عنہ - 2

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت متقی تھے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 567-568 میں بحث ہوئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2458 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سے سچی تواضع کرنے میں سر اور اس میں موجود چیزوں کی حفاظت کرنا اور پیٹ کی حفاظت کرنا شامل ہے۔ اس میں موت کو کثرت سے یاد رکھنا ہے۔ انہوں نے یہ اعلان کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا کہ جو شخص آخرت کی تلاش کا ارادہ رکھتا ہے وہ مادی دنیا کی زینت کو چھوڑ دے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حیا وہ چیز ہے جو لباس سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو کسی کی زندگی کے ہر پہلو کو گھیرے ہوئے ہے۔ سر کی حفاظت میں زبان، آنکھ، کان اور خیالوں کو بھی گناہوں اور لغو باتوں سے بچانا شامل ہے۔ گو کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اور جو کچھ دیکھتے ہیں وہ دوسروں سے چھپا سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے ان باتوں کو چھپا نہیں سکتے۔ لہذا جسم کے ان اعضاء کی حفاظت کرنا سچی حیا کی علامت ہے۔

پیٹ کی حفاظت کا مطلب ہے کہ حرام مال اور کھانے سے بچنا چاہیے۔ یہ کسی کے نیک اعمال کو رد کرنے کا باعث بنے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2342 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

آخر میں، حیا میں آخرت کو اس مادی دنیا کی زیادتی پر ترجیح دینا شامل ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس میں فضول خرچی یا اسراف کے بغیر اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی

ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مادی دنیا سے لینا بھی شامل ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند
ہیں۔ باب 7 الاعراف، آیت 31

”اور کھاؤ پیو، لیکن حد سے زیادہ نہ ہو۔ بے شک وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

جو شخص اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس طرح کا برتاؤ کرے گا اسے معلوم ہوگا کہ وہ آخرت
کے لیے مناسب تیاری کر رہا ہے اور دنیا کی حلال لذتوں سے اعتدال سے لطف اندوز ہونے کے
لیے اس کے پاس کافی وقت ہے۔

عثمان بن مدعون رضی اللہ عنہ - 3

جب عثمان بن مدعون رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ میں اپنے ایمان پر قائم ہوں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 211 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام

دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

“...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو”

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے (معمولی گناہ کو مٹانے کی تلقین کی

گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے۔ لہذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46
:الاحقاف، آیت 13

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی ”
“خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

عثمان بن مدعون رضی اللہ عنہ - 4

جب عثمان بن مدعون رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ میں نے اس دنیا سے کچھ نہیں لیا اور نہ دنیا اس سے کچھ لینے میں کامیاب ہوئی۔ اسے اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 211 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ مادی دنیا جس سے کسی کو لاتعلقی اختیار کرنی چاہیے دراصل اس کی خواہشات سے مراد ہے۔ یہ مادی دنیا کا حوالہ نہیں دیتا، جیسے پہاڑ۔ اس کی نشاندہی باب 3: علی عمران، آیت 14 سے ہوتی ہے

لوگوں کے لیے مزین ہے اس چیز کی محبت جس کی وہ خواہش کرتے ہیں - عورتوں اور بیٹوں کی، سونے اور چاندی کے ڈھیروں سے، عمدہ نشان والے گھوڑے، اور مویشی اور کھیتی والی زمین۔ یہ دنیوی زندگی کا مزہ ہے، لیکن اللہ کے پاس بہترین واپسی [یعنی جنت] ہے۔

یہ چیزیں لوگوں کی خواہشات سے جڑی ہوتی ہیں اور ان سے انسان آخرت کی تیاری سے غافل ہو جاتا ہے۔ جب کوئی اپنی خواہشات سے پرہیز کرتا ہے تو وہ درحقیقت مادی دنیا سے الگ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان جس کے پاس دنیاوی چیزیں نہیں ہیں وہ اس کی باطنی خواہش اور اس سے محبت کی وجہ سے پھر بھی دنیا دار سمجھا جا سکتا ہے۔ جبکہ ایک مسلمان جس کے پاس دنیاوی چیزیں ہیں، جیسا کہ بعض صالح پیشروؤں کی طرح، وہ مادی دنیا سے لاتعلق سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اپنے دماغ، دل اور اعمال کی خواہش نہیں رکھتے اور ان پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ ابدی آخرت میں جھوٹ کی خواہش رکھتے ہیں۔

پربیزگاری کا پہلا درجہ ناجائز اور فضول خواہشات سے منہ موڑنا ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی رضا سے نہیں ہے۔ یہ شخص آخرت پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو نبھانے میں مصروف رہتا ہے۔ وہ ان چیزوں اور لوگوں سے منہ موڑ لیتے ہیں جو انہیں اس اہم کام کو پورا کرنے سے روکتے ہیں۔

پربیز کا اگلا مرحلہ وہ ہے جب انسان اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے مادی دنیا سے صرف وہی چیزیں لیتا ہے جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنا وقت ان چیزوں میں نہیں لگاتے جن سے انہیں اگلے جہان میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ صحیح بخاری نمبر 6416 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ نصیحت ہے، آپ نے ایک مسلمان کو اس مادی دنیا میں اجنبی یا مسافر کی طرح رہنے کی نصیحت کی۔ دونوں قسم کے لوگ مادی دنیا سے صرف وہی لیں گے جس کی انہیں ضرورت ہے تاکہ وہ اپنی منزل یعنی آخرت تک بحفاظت پہنچ سکیں۔ ایک مسلمان یہ سمجھ کر حاصل کر سکتا ہے کہ ان کی موت اور آخرت کی روانگی کتنی قریب ہے۔ موت نہ صرف انسان پر کسی بھی وقت آ سکتی ہے بلکہ اگر کوئی لمبی عمر بھی گزارے تو ایسا لگتا ہے جیسے ایک لمحے میں گزر گیا۔ اس حقیقت کا ادراک کر کے انسان ابدی آخرت کی خاطر لمحہ بہ لمحہ قربان کر دیتا ہے۔ اس مادی دنیا میں لمبی عمر کی امید کو مختصر کرنا انہیں اعمال صالحہ کرنے، اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے اور آخرت کی تیاری کو ہر چیز پر ترجیح دینے کی ترغیب دے گا۔ جو شخص لمبی عمر کی امید رکھتا ہے وہ اس کے برعکس رویہ اختیار کرنے کی ترغیب دے گا۔

جو واقعی مادی دنیا میں پربیزگار ہے وہ نہ اس پر الزام لگاتا ہے اور نہ اس کی تعریف کرتا ہے۔ جب وہ اسے حاصل کرتے ہیں تو وہ خوش نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ غمگین ہوتے ہیں جب وہ ان کے پاس سے گزر جاتا ہے۔ اس متقی مسلمان کا ذہن ابدی آخرت پر اتنا مرکوز ہے کہ چھوٹی مادی دنیا کو لالچ سے دیکھ سکے۔

پربیز کئی مختلف سطحوں پر مشتمل ہے۔ بعض مسلمان اپنے دلوں کو ہر فضول اور فضول مشغلہ سے آزاد کرنے کے لیے پربیز کرتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر پوری توجہ مرکوز کر سکیں۔ سنن ابن ماجہ نمبر 257 میں اور لوگوں کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں۔ موجود حدیث کے مطابق ایسا سلوک کرنے والا یہ پائے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کے دنیوی امور کی دیکھ بھال کے لیے کافی ہو گا۔ لیکن جس کو صرف دنیاوی چیزوں کی فکر ہے وہ ان کے وسیلے

پر رہ جائے گا اور اسے تباہی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جو شخص اس مادی دنیا کی زیادتی جیسے مال کی زیادتی کے پیچھے پڑے گا وہ یہ پائے گا کہ اس کا کم سے کم اثر ان پر یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی اطاعت سے غافل ہو جاتا ہے۔ یہ اب بھی سچ ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص مادی دنیا کے اضافی پہلوؤں کے حصول میں کوئی گناہ نہ کرے۔

کچھ لوگ قیامت کے دن اپنے احتساب کو ہلکا کرنے کے لیے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ جس کے پاس جتنی زیادہ چیزیں ہوں گی ان کا احتساب کیا جائے گا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ جس کے اعمال کی جانچ پڑتال کرے گا اسے قیامت کے دن سزا دی جائے گی۔ صحیح بخاری نمبر 6536 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ جس کا احتساب جتنا ہلکا ہو گا 6444 اتنا ہی کم ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6444 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ دنیا میں جس کے پاس بہت کچھ ہے وہ قیامت کے دن بہت کم نیکی کے مالک ہوں گے سوائے وقف کرنے والوں کے۔ ان کا مال و دولت ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں، لیکن یہ تعداد میں تھوڑے ہیں۔ یہ لمبا احتساب یہی وجہ ہے کہ ہر شخص خواہ امیر ہو یا غریب، قیامت کے دن یہ تمنا کرے گا کہ انہیں زمین پر ان کی زندگی کے دوران صرف ان کا روزانہ کا رزق دیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4140 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

کچھ مسلمان اس مادی دنیا کی زیادتی سے جنت کی خواہش سے پرہیز کرتے ہیں جو اس مادی دنیا کی لذتوں سے محروم ہونے کا باعث بنتی ہے۔

کچھ لوگ جہنم کے خوف سے مادی دنیا کی زیادتی سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہ بجا طور پر اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جتنا زیادہ اس مادی دنیا کی زیادتی میں مبتلا ہوتا ہے وہ اتنا ہی ناجائز کے قریب ہوتا ہے جو جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ درحقیقت یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر 4215 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ مسلمان۔ اس وقت سنن ابن ماجہ نے تک پرہیزگار نہیں بنیں گے جب تک کہ کسی ایسی چیز سے پرہیز نہ کریں جو گناہ نہیں ہے اس خوف سے کہ وہ گناہ کا باعث بن جائے۔

پرہیزگاری کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جو کچھ چاہتا ہے اسے سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہے جس کا تذکرہ پورے قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں موجود ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی میں مادی دنیا کی زیادتی سے پرہیز کرنا، یہ جانتے ہوئے کہ ان کا رب مادی دنیا کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مادی دنیا کی زیادتی کی مذمت کی ہے اور اس کی قدر کو حقیر قرار دیا ہے۔ یہ نیک بندے شرمندہ تھے کہ ان کا رب انہیں کسی ایسی چیز کی طرف مائل دیکھے جو اسے ناپسند ہے۔ یہ سب سے بڑے بندے ہیں کیونکہ یہ صرف اپنے رب کی مرضی کے مطابق عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ انہیں دنیا کی حلال آسائشوں سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین کے خزانوں کی پیشکش کے باوجود غربت کا انتخاب کیا۔ صحیح بخاری نمبر 6590 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ انتخاب اس لیے کیا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یہی چاہتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مادی دنیا کو ناپسند فرمایا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کی محبت میں اسے رد فرمایا۔ ایک سچا بندہ کس طرح اس سے محبت کر سکتا ہے جو ان کے رب کو ناپسند ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غربت کا انتخاب کر کے غریبوں کے لیے مثال قائم کی اور امیروں کو اپنے قول و فعل سے زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا۔ وہ آسانی سے متبادل کا انتخاب کر سکتا تھا اور عملی طور پر امیروں کو دکھا سکتا تھا کہ دنیا کے خزانوں کو لے کر زندگی کیسے گزاری جائے اور وہ اپنے قول و فعل سے غریبوں کو صحیح زندگی گزارنے کا طریقہ سکھا سکتا تھا۔ لیکن اس نے غربت کا انتخاب ایک خاص وجہ سے کیا جو اس کے رب العالمین کی بندگی سے باہر تھی۔ اس پرہیز کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنایا۔ مثال کے طور پر، اسلام کے پہلے صحیح ہدایت یافتہ خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ایک بار جب انہیں شہد کے ساتھ میٹھا پانی پلایا گیا تو رو پڑے۔ انہوں نے وضاحت کی کہ میں نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ ایک غیر مرئی چیز کو دھکیل رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا کہ اس کے پاس مادی دنیا آگئی ہے اور آپ نے اسے حکم دیا کہ اسے تنہا چھوڑ دو۔ مادی دنیا نے جواب دیا کہ وہ مادی دنیا سے بھاگ گیا ہے لیکن اس کے بعد والے ایسا نہیں کریں گے۔ اس کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی کو شہد سے میٹھا دیکھ کر رو پڑے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ مادی دنیا انہیں گمراہ کرنے کے لیے آئی ہے۔ یہ واقعہ امام اشفہانی کی کتاب ہلیات الاولیاء نمبر 47 میں درج ہے۔

درحقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لذت حاصل کرنے کے لیے نہ کبھی کھایا اور نہ لباس پہنا بلکہ مادی دنیا سے صرف وہی لیا جو ان کی ضرورت تھی اور آخرت کی تیاری پر توجہ دی۔ جب مادی دنیا ان کے قدموں پر رکھ دی گئی تو وہ اس خوف میں مبتلا تھے کہ شاید ان کا اجر انہیں آخرت کے بجائے اس دنیا میں مل گیا ہے۔

جو بھی واقعی پریزگار ہے وہ ان کے نقش قدم پر چلے گا۔ مسلمانوں کو اس مادی دنیا کی غیر ضروری آسائشوں میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو بیوقوف نہیں بنانا چاہیے جب کہ یہ دعویٰ کریں کہ ان کا دل اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہے۔ اگر کسی کا دل پاک ہوتا ہے تو یہ اس کے اعضاء اور اس کے اعمال میں ظاہر ہوتا ہے جس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 4094 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جس کا دل اللہ تعالیٰ سے لگا ہوا ہے وہ اس سے پہلے صالحین کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ انہیں مادی دنیا کی ضرورت ہے، صرف اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنا، اور آخرت کی تیاری کے لیے کوشش کرتے ہوئے مادی دنیا کی زیادتی سے منہ موڑنا۔ یہ حقیقی پریزگاری ہے۔

عثمان بن مدعون رضی اللہ عنہ - 5

جب حضرت عثمان بن مدعون رضی اللہ عنہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دفن کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 212 میں بحث کی گئی ہے۔

سچی محبت میں خلوص شامل ہوتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، معانی، قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اخلاص ہے۔ اس پر درود ہو۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک 1 عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیینہ، آیت 5۔

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص "ہو کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286-

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک کے ساتھ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی چیز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے وہ ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7

"اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔"

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور "

"تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔"

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے

راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ - 1

اسلام قبول کرنے سے پہلے مصعب رضی اللہ عنہ کا تعلق ایک متمول گھرانے سے تھا اور اس لیے وہ عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے خاندان نے انہیں گرفتار کر لیا اور قید کر دیا یہاں تک کہ وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور بعض دوسرے صحابہ کے ساتھ ہجرت کر کے ایتھوپیا چلے گئے، اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ بعد میں وہ مکہ واپس آئے اور اپنے پختہ ایمان کی وجہ سے ساری زندگی غربت کی زندگی گزاری۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 312 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سمیت بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ اس کے پاس سوائے اونی چادر کے کچھ نہیں تھا۔ تدفین کے دوران جب اس کا سر اس سے ڈھانپ دیا گیا تو اس کے پاؤں کھلے ہوئے اور جب اس کے پاؤں اونی چادر سے ڈھانپے گئے تو اس کا سر کھلا رہ گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے سر کو اونی چادر سے ڈھانپ لیا جائے اور پاؤں کو ڈھانپنے کے لیے گھاس کا استعمال کیا جائے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 46 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں جیسے کہ ان کی خوراک، لباس، رہائش اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ انہیں فارغ وقت فراہم کریں۔ آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل

ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اسی لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا کیونکہ دنیاوی چیزوں سے ان کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ - 2

مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے اور اہل مدینہ کی درخواست پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ ان کے بارے میں تعلیم دیں۔ اسلام اس نے انتھک محنت کی یہاں تک کہ مدینہ کے ہر گھر میں مسلمان تھے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 136-137 میں بحث ہوئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ان سے ایسا حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت احتیاط برتیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کے کاموں میں صرف اس لیے نصیحت کرے کہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ ایک شخص قیامت کے دن محض یہ دعویٰ کر کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کریں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان کاموں کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ خود اسباب کی کمی کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ - 3

مصعب رضی اللہ عنہ ایک بار مسجد میں داخل ہوئے اور ایک ناقص قسم کی بھیڑ کی چمڑی پہنے ہوئے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا اور تبصرہ فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ مصعب رضی اللہ عنہ کے والدین نے انہیں عیش و عشرت کی زندگی میں کیسے پالا لیکن اللہ کی محبت، برگزیدہ اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسی غربت میں پہنچا دیا تھا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 313 میں بحث کی گئی ہے۔

آخرت سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت کی نشانی محبت کرنا اور مادی دنیا سے منہ موڑنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مادی دنیا انسان کو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد سے منہ موڑنے کی ترغیب دیتی ہے۔ جبکہ آخرت اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ کرنے کی ترغیب دیتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر سے کام لے۔

اس کے علاوہ، آخرت میں ایک مسلمان اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے گا۔ لہذا، سچی محبت انسان کو آخرت کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ مادی دنیا سے لاتعلقی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دنیا کو مکمل طور پر ترک کر کے غار میں رہنا چاہیے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی ضرورتوں اور ذمہ داریوں کو فضول خرچی کے بغیر پوری کرنے کے لیے اس دنیا سے لے لیں اور آخرت کی تیاری کے لیے اپنا وقت وقف کر کے اس مادی دنیا کی زیادتی سے منہ موڑ لیں۔

اس دنیا کے بغیر دنیا کرنا نہ صرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت تھی بلکہ جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 2352 میں موجود حدیث میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خواہش کی۔ اس طرح دنیا سے رخصت ہو جاؤ اور اسی طرح زندہ ہو جاؤ۔

انسانی دل کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ پس اگر کوئی اسے مادی دنیا سے بھر دے تو اس میں آخرت کی محبت کی کوئی جگہ نہیں رہے گی۔ اگر کوئی اس مادی دنیا کی زیادتی سے منہ موڑ لے تو اس کا دل آخرت سے بھر جائے گا۔ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے اس کے لیے تیاری کرنے کی ترغیب دے گا۔ اس سے اللہ عزوجل اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت پیدا ہوگی۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ - 4

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے روحانی قلب کو منور کر دیا ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 215 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 52 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر کسی کا روحانی دل درست ہو تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن اگر اس کا روحانی دل فاسد ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے۔ کریٹ

سب سے پہلے تو یہ حدیث اس احمقانہ عقیدے کی تردید کرتی ہے جہاں کوئی شخص اپنے قول و فعل کے خراب ہونے کے باوجود پاکیزہ دل کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ اندر ہے وہ آخر کار باہر سے ظاہر ہوگا۔

روحانی قلب کی تطہیر اسی وقت ممکن ہے جب انسان اپنے اندر سے برائیوں کو ختم کر دے اور ان کی جگہ اسلامی تعلیمات میں مذکور اچھی خصوصیات کو لے آئے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب کوئی شخص اسلامی تعلیمات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے تاکہ وہ خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لائے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرے۔ اسے اس طرح کا برتاؤ ایک پاک روحانی دل کی طرف لے جائے گا۔ یہ طہارت پھر جسم کے ظاہری اعضاء جیسے کہ کسی کی زبان اور آنکھ میں جھلکتی ہے۔ یعنی وہ اپنے اعضاء کو صرف ان طریقوں سے استعمال کریں گے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 6502 کی ایک حدیث کے مطابق یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اپنے نیک بندے سے محبت کی علامت ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ تزکیہ تمام دنیاوی مشکلات میں کامیابی کے ساتھ رہنمائی کرے گا تاکہ وہ دنیوی اور دینی دونوں طرح کی کامیابی حاصل کر سکے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ - 5

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کے نتائج سے قطع نظر احد پہاڑ پر ٹھہرنے کا حکم دیا تھا، ان کا خیال تھا کہ جنگ ختم ہو چکی ہے اور حکم کا اطلاق نہیں ہوگا۔ جب وہ احد پہاڑ پر اترے تو اس سے مسلمانوں کی فوج کا پچھلا حصہ کھل گیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنے شہید ہونے والے ساتھیوں کو دفن کرنا شروع کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شہید صحابی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور آپ نے باب 33 الاحزاب آیت 23 کی تلاوت فرمائی:

”مومنوں میں سے وہ لوگ ہیں جو اللہ سے کیے ہوئے وعدے کے سچے ہیں۔ ان میں وہ ہے جس نے اپنی نذر پوری کی اور ان میں وہ ہے جو انتظار کر رہا ہے۔ اور انہوں نے کسی تبدیلی کے ذریعے [اپنے عہد کی شرائط] کو تبدیل نہیں کیا۔“

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 62 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ قرآن مجید کی سورۃ الاعراف آیت نمبر 172 سے مربوط ہے

اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے بنی آدم سے ان کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا ” اور ان کو اپنے اوپر گواہ کر کے کہا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم نے گواہی دی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن یہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

تمام انسانوں کو اس لیے پیدا کیا گیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر سکیں۔ اس واقعہ کے پیچھے سمجھنے کا سبق یہ ہے کہ تمام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان لیا۔ یعنی جس نے ان کو پیدا کیا، وہی ان کو پالے گا اور وہی جو قیامت کے دن ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا۔ تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اس عہد کو پورا کریں۔

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا وہ اس کے بندے ہیں، بلکہ ان سے پوچھا کہ کیا وہ ان کا رب ہے؟ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہمیشہ انسان کی مرضی اور خواہش کے سامنے آنی چاہیے۔ اگر کسی مسلمان کے پاس اللہ تعالیٰ یا کسی اور کو راضی کرنے کا انتخاب ہے تو یہ عہد انہیں یاد دلائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے پہلے ہونی چاہیے۔

یہ سوال بھی اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ اس نے مخلوق کے لیے اس کا جواب لفظی طور پر بیان کیا۔ اس سے مسلمانوں کو ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی رب ہے جو ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا، وہ بے حد مہربان بھی ہے۔

اس عہد کا اثر تمام بنی نوع انسان کے دلوں میں گہرا ہے۔ درحقیقت یہی وہ نوعیت ہے جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6755 میں موجود حدیث میں وارد ہوا ہے، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے سے ذہن سازی کرنے کے بعد حق کی تلاش نہ کریں اور پھر ثبوت تلاش کریں۔ جو ان کے پہلے سے طے شدہ عقیدے کی تائید کرتا ہے۔ صرف وہی لوگ جو پہلے سے طے شدہ فیصلہ کیے بغیر اپنے دماغ کو کھولتے ہیں وہ اس عہد کو کھولیں گے جو ان کے دلوں کی گہرائیوں میں سرایت کر گیا ہے۔ درحقیقت، کھلے ذہن کا ہونا

نہ صرف ایمان کے معاملات میں تمام مسائل میں اہم ہے کیونکہ یہ سچائی اور بہترین راستہ تلاش کرنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ رویہ معاشرے کو مضبوط کرتا ہے اور ہمیشہ لوگوں کے درمیان امن کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی ضد جو اپنے انتخاب کا پہلے سے تعین کرتے ہیں ہمیشہ معاشرے کے ممبروں کے درمیان پچر پیدا کرے گا جو قومی سطح پر لوگوں کو متاثر کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ یہ نہ مانیں کہ وہ دنیاوی معاملات میں درست ہیں ورنہ وہ یہ ضدی رویہ اپنائیں گے۔ یہ انہیں دوسروں کی رائے کو قبول کرنے سے روکے گا جس سے جھگڑے، دشمنی اور رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ اس لیے اس رویہ سے ہر صورت گریز کرنا چاہیے۔

آخر میں یہ حقیقت کہ یہ عہد ایک شخص کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر اس کا پردہ فاش کرنا فرض ہے۔ یہ ایمان کے یقین کی طرف لے جائے گا جو کہ سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر ایمان سے کہیں زیادہ مضبوط ہے، جسے کسی کے گھر والوں کی طرف سے بنایا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ یقین کا یقین مسلمان کو اس دنیا میں اپنے دینی اور دنیاوی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ کامیابی کے ساتھ تمام مشکلات پر قابو پانے کی اجازت دیتا ہے۔ ایک شخص صرف اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے امتحان اور اپنے فرائض میں ناکام ہوتا ہے۔ ایمان کا یقین صرف قرآن کریم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے اندر موجود علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ ” یہ حق ہے۔“

عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ - 1

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عبداللہ رضی اللہ عنہ اور کچھ مسلمان سپاہیوں کو ایک رومی سردار نے پکڑ لیا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بہادری اور طرز عمل کو دیکھنے کے بعد رومی رہنما نے انہیں عیسائی بننے کی ترغیب دی اور اس کے ساتھ اپنی حکومت میں شریک ہونے کا وعدہ کیا لیکن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اس کے بعد اسے باندھ دیا گیا اور اس پر تیر برسائے گئے تاکہ اسے مرتد کرنے پر ڈرایا جا سکے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ رومی سردار نے حکم دیا کہ ایک دیگچی کو کھولتے ہوئے پانی سے بھرا جائے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت دیکھتے رہے جب ایک مسلمان قیدی کو اس میں ڈالا گیا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ پھر بھی اسلام پر ڈٹے رہے۔ جب اسے دیگ کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو وہ رو پڑا۔ جب رومی سردار نے اس کے رونے کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ مجھے اس بات کا دکھ ہے کہ اس کے پاس صرف ایک جان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قربان کروں اور اس کی خواہش ہے کہ اس کی بے شمار جانیں ہوں جو وہ اللہ کی راہ میں قربان کر سکتا۔ سربلند پھر رومی رہنما نے اس سے کہا کہ وہ اس کی پیشانی چوم کر اس کی عزت اور احترام کا مظاہرہ کرے اور اس کے نتیجے میں وہ اسے آزاد کر دے گا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ کام صرف اسی صورت میں کرنے پر رضامندی ظاہر کی جب رومی رہنما ان کے ساتھ تمام مسلمان قیدیوں کو آزاد کر دے۔ رومی رہنما راضی ہو گیا اور اس نے اپنی بات برقرار رکھی۔ جب عبداللہ رضی اللہ عنہ مدینہ واپس آئے اور خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپ نے سب کو حکم دیا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی کو چومیں۔ ان کے لیے عزت و تکریم کا نشان، اور عمر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایسا کرنے والے تھے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 312-313 میں بحث کی گئی ہے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دکھائے گئے ثابت قدمی کو اپنانا چاہیے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو

شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

“...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو”

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے (معمولی گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے۔ لہذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46
:الاحقاف، آیت 13

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی ”
“خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

شعیب رومی رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تشدد کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ چھپ کر وہ سب کچھ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے جو وہ اپنی ملکیت اور جانتے تھے۔

جب ایک صحابی شعیب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا فیصلہ کیا تو مکہ کے غیر مسلموں نے آپ کو ایسا کرنے سے روکنے کی کوشش کی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ جب وہ پہلی بار مکہ میں داخل ہوا تو وہ غریب تھا اور وہاں کے مالی مواقع کی وجہ سے وہ دولت مند ہو گیا تھا اس لیے وہ اس سے فائدہ اٹھا کر اسے مکہ چھوڑنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ شعیب رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنا سارا مال پیش کیا جو اس نے مکہ میں دفن کر دیا تھا اس کے بدلے میں اسے جانے دیا گیا یا وہ اس سے لڑ سکتے تھے یہاں تک کہ ایک فریق فتح ہو جائے۔ انہوں نے اُس کے مال کے بدلے اُسے چھوڑنے کا انتخاب کیا۔ مدینہ منورہ پہنچنے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ کی تجارت سب سے زیادہ نفع بخش ہے۔ اس واقعہ سے قرآن کریم کی درج ذیل آیت بھی منسلک ہوئی ہے: سورہ البقرہ، آیت 207

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی رضا کے لیے اپنے آپ کو بیچ ڈالتا ہے۔ اور اللہ اپنے "بندوں پر مہربان ہے۔"

تفسیر ابن کثیر جلد 1 صفحہ 580 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ باب 3 علی عمران، آیت 92 سے مربوط ہے

تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے ”
خرچ نہ کرو۔ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو، یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کوئی شخص سچا مومن نہیں ہو سکتا، یعنی وہ اپنے ایمان میں نقص رکھتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی پسند کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت کا اطلاق دولت پر ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا مطلب بہت زیادہ ہے۔ اس میں ہر وہ نعمت شامل ہے جسے ایک مسلمان پسند اور پسند کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مسلمان اپنے قیمتی وقت کو ان چیزوں پر صرف کرنے میں خوش ہوتے ہیں جو انہیں خوش کرتی ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان فرضی فرائض سے ہٹ کر وقت دینے سے انکار کرتے ہیں جو ایک دن میں بمشکل ایک یا دو گھنٹے لگتے ہیں۔ لاتعداد مسلمان ابھی تک مختلف خوشگوار سرگرمیوں میں اپنی جسمانی طاقت کو وقف کرنے پر خوش ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ اسے ان چیزوں کے لیے وقف کرنے سے انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں، جیسے کہ رضاکارانہ روزہ۔ عام طور پر لوگ ان چیزوں میں کوشش کرنے میں خوش ہوتے ہیں جن کی وہ خواہش رکھتے ہیں جیسے کہ ضرورت سے زیادہ دولت حاصل کرنا جس کی انہیں ضرورت نہیں ہے خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ انہیں اوور ٹائم کرنا پڑے اور اپنی نیندیں ترک کرنی پڑیں پھر بھی کتنے لوگ اس راہ میں اللہ کی اطاعت میں کوشش کرتے ہیں۔ اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے باز رہنے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے سربلند؟ کتنے لوگ نماز ادا کرنے کے لیے اپنی قیمتی نیند ترک کر دیتے ہیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان ابھی تک حلال دنیاوی اور دینی نعمتوں کے خواہاں ہیں، ایک سادہ سی حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں انہیں تب ہی حاصل ہوں گی جب وہ اپنے پاس موجود نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کریں گے۔ وہ کیسے کم سے کم چیزیں اس کے لیے وقف کر سکتے ہیں اور پھر بھی اپنے تمام خوابوں کو حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں؟ یہ رویہ واقعی عجیب ہے۔

دھمرہ بن عیسٰی رضی اللہ عنہ - 1

دھمرہ رضی اللہ عنہ ایک دولت مند نابینا آدمی تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا اور مکہ میں مقیم رہے۔ باوجود اس کے کہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت کے فریضہ سے مستثنیٰ تھا لیکن معذوری کی وجہ سے اس نے ثواب حاصل کرنے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاملنے کی خواہش کی۔ ان کی وفات ہجرت کے دوران ہوئی اور ان کے بارے میں درج ذیل آیت نازل ہوئی۔ باب 4 النساء، آیت 100:

اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین پر بہت سی جگہیں اور فراوانی پائے گا۔ اور " جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے پھر اسے موت آ جائے تو اس کا اجر اللہ پر واجب ہو چکا ہے۔ اور اللہ ہمیشہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 365-367 میں بحث ہوئی ہے۔

: یہ باب 47 محمد، آیت 7 سے مربوط ہے

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم "جمائے گا۔"

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ لاتعداد لوگ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے اس آیت کے پہلے حصے کو پورا نہیں کرتے۔ اکثر لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس اعمال صالحہ کے لیے وقت نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، پھر بھی ان کاموں کے لیے وقت نہیں نکالیں گے جن سے وہ خوش ہے۔ کیا اس کی کوئی منطق ہے؟ جو لوگ فریضہ ادا نہیں کرتے اور پھر ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مدد کی امید رکھتے ہیں وہ بالکل بے وقوف ہیں۔ اور جو لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں لیکن ان سے آگے جانے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ انہیں ملنے والی امداد محدود ہے۔ کس طرح برتاؤ کیا جاتا ہے اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ جتنا زیادہ وقت اور توانائی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگی، انہیں اتنی ہی زیادہ مدد ملے گی۔ یہ واقعی اتنا آسان ہے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ زیادہ تر واجبات، جیسے کہ پانچ وقت کی نمازیں، صرف ایک دن میں تھوڑا سا وقت لیتی ہیں۔ ایک مسلمان یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ دن میں بمشکل ایک گھنٹہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے وقف کرے اور پھر باقی دن اللہ تعالیٰ سے غافل رہے اور پھر بھی تمام مشکلات میں اس سے مسلسل مدد کی امید رکھے۔ ایک شخص اس دوست کو ناپسند کرے گا جو اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ تو پھر اللہ رب العالمین کے ساتھ ایسا سلوک کیسے ہو سکتا ہے؟

کچھ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت صرف کرتے ہیں، جب انہیں کوئی دنیوی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اس سے اس کو حل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ایک احسان رضاکارانہ طور پر کیا ہے۔ یہ احمقانہ ذہنیت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی کے خلاف ہے۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنی تمام تفریحی سرگرمیاں، جیسے کہ خاندان اور دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے، ٹی وی دیکھنا اور سماجی تقریبات میں شرکت کے لیے کیسے وقت نکالتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کا وقت نظر نہیں آتا۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی غیر ضروری آسائشوں پر خرچ کرنے کے لیے دولت تلاش کرتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ انہیں رضاکارانہ خیرات میں دینے کے لیے کوئی دولت نہیں ملتی۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اس کے برتاؤ کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت لگاتا ہے، تو اسے وہ سہارا مل جائے گا جس کی انہیں تمام مشکلات سے بحفاظت سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر وہ واجبات کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی دوسرا وقت صرف کیے بغیر صرف ان کو پورا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایسا ہی جواب ملے گا۔ سیدھے الفاظ میں، جتنا زیادہ دیتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ وصول کرے گا۔ اگر کوئی زیادہ نہیں دیتا تو اسے بدلے میں زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ - 1

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے تیسرے سال یہودیوں کے ایک قبیلہ بنو قینقاع نے جو مدینہ میں مقیم تھے اپنا معاہدہ توڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی۔ دنیاوی فائدے کی وجہ سے منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت سے پہلے بنو قینقاع کے ساتھ الحاق کیا تھا، اس بات پر اصرار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نقصان پہنچانے سے گریز کیا اور وہ ان کے ساتھ وفادار رہے حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑ دیا تھا۔ جبکہ ایک صحابی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جن کا بنو قینقاع کے ساتھ پرانا اتحاد بھی تھا کھلم کھلا ان سے اتحاد ترک کر دیا اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے اتحاد کا اعادہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر۔ اللہ تعالیٰ نے پھر باب 5 المائدہ آیت 51 نازل فرمایا:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ [حقیقت میں] ایک دوسرے کے ” اتحادی ہیں۔ اور تم میں سے جو کوئی ان کا ساتھی ہو تو یقیناً وہ ان میں سے ہے۔ بے شک اللہ ظالم ” لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اور باب 5 المائدہ آیت 56:

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کا حلیف ہے، یقیناً اللہ کی جماعت ہے، وہی ” غالب ہوں گے۔“

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 3-4 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی
:سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا ”
“والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخر کار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت
میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک
مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی
چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں
اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں ایک
اور کسی خاص طریقے سے اسکارف اتار دیا مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا
لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ
سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا
ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر
سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور نکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ - 2

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہونے والی مصر کی مہم کے دوران مسلمانوں نے بابلین کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ مصر کے حاکم المقوقس نے اپنے چند ایلچیوں کے ساتھ مسلمانوں کے رہنما عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک خط بھیجا تھا۔ ایلچی دو دن تک مسلمانوں کے پاس رہے اور واپسی پر مقوقس نے ان سے کہا کہ مسلمانوں کا حال ان کے سامنے بیان کریں۔ ان کے بارے میں سننے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ ان کے ساتھ صلح کی بات چیت کرنا بہتر ہے اس لیے اس نے عمرو رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ ان کے پاس کچھ آدمی بھیجے جن سے وہ بات چیت کر سکے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے ایک گروہ روانہ کیا اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو ان کا سربراہ مقرر کیا۔ جب وہ حاکم کے دربار میں پہنچے تو عبادہ رضی اللہ عنہ نے مقوقس کو مخاطب کرنے کے لیے آگے بڑھے لیکن مؤخر الذکر نے ان کی جلد سیاہ ہونے کی وجہ سے انہیں مسترد کر دیا۔ مقوقس نے کسی اور سے ان سے مخاطب ہونے کا مطالبہ کیا لیکن مسلمانوں کے گروہ نے جواب دیا کہ عبادہ رضی اللہ عنہ ان کے سردار ہیں، ان میں سب سے بہتر، ان میں سب سے آگے اور ان میں سب سے زیادہ عقلمند ہیں۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ اسلام میں جلد کے رنگ کا کوئی وزن نہیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 325-328 میں بحث کی گئی ہے۔ 328

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل و صورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے

انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ” ہے۔“

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ - 3

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہونے والی مصر کی مہم کے دوران مسلمانوں نے بابلین کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ مصر کے حاکم المقوقس نے اپنے چند ایلچیوں کے ساتھ مسلمانوں کے رہنما عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک خط بھیجا تھا۔ ایلچی دو دن تک مسلمانوں کے پاس رہے اور واپسی پر مقوقس نے ان سے کہا کہ مسلمانوں کا حال ان کے سامنے بیان کریں۔ ان کے بارے میں سننے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ ان کے ساتھ صلح کی بات چیت کرنا بہتر ہے اس لیے اس نے عمرو رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ ان کے پاس کچھ آدمی بھیجے جن سے وہ بات چیت کر سکے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے ایک گروہ روانہ کیا اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو ان کا سربراہ مقرر کیا۔ جب عبادہ رضی اللہ عنہ نے مقوقس کو مخاطب کیا تو اس نے بتایا کہ ان کے دشمنوں کے خلاف جو اللہ تعالیٰ سے جنگ کرتے ہیں ان کے خلاف مہم کی وجہ دنیاوی نفع یا دولت جمع کرنا نہیں ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ خیال رہے کہ وہ جنگ کے ذریعے سونے کا ایک پہاڑ یا صرف چاندی کا سکہ کماتے ہیں، جیسا کہ وہ اس دنیا سے صرف کھانے کے لیے کچھ اور بھوک مٹانے کے لیے اور اپنے آپ کو لپیٹنے کے لیے کپڑا چاہتے ہیں۔ وہ مطمئن ہو جائیں گے۔ اگر ان میں سے کسی نے سونے کا ایک پہاڑ بھی کمایا تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے خرچ کریں گے اور جو کچھ ان کے ہاتھ میں ہے اس پر راضی ہوں گے۔ اس لیے کہ اس مادی دنیا کی لذت حقیقی لذت نہیں ہے اور اس کی عیش و عشرت حقیقی عیش و عشرت نہیں بلکہ حقیقی لذت اور عیش و عشرت آخرت میں ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی فرمائی اور جو کچھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکھایا۔ آپ نے انہیں نصیحت کی کہ ان کی دنیا میں خواہش صرف اتنی ہونی چاہیے کہ وہ بھوک مٹائیں اور اپنے جسم کو ڈھانپ لیں، ان کی اصل فکر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور اس کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرنا چاہیے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 325-328 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2377 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ وہ اس مادی دنیا کی زیادتی کی فکر نہیں کرتے اور اس دنیا میں اس کی مثال ایک سوار کی ہے ایک درخت کے سائے میں مختصر آرام کرتا ہے اور پھر آگے بڑھ کر اسے پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔

درحقیقت ہر شخص ایک مسافر ہے جو اس دنیا میں بہت ہی محدود مدت کے لیے ٹھہرتا ہے اس کے مقابلے میں جہاں سے وہ معنویت، روحوں کی دنیا اور جس طرف جا رہا ہے وہ ابدی آخرت ہے۔ درحقیقت اس کے مقابلے میں یہ دنیا بس اسٹاپ پر انتظار کرنے کی طرح ہے۔ اس حدیث میں اس دنیا کو سایہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سایہ زیادہ دیر تک نہیں رہتا اور لوگوں کے نوٹس لینے کے بغیر جلدی ختم ہو جاتا ہے جس طرح انسان کے دن اور راتیں گزر جاتی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسافر سرائے یا ہوٹل کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ ٹھوس ڈھانچے ہیں جو مستقل ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ایک دھندلا سایہ اس مادی دنیا کو بہتر طور پر بیان کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص چاہے کتنا ہی بوڑھا کیوں نہ ہو وہ ہمیشہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی زندگی ایک لمحے کی طرح چمکتی اور محسوس ہوتی ہے۔ باب 79 نزیات، آیت 46

جس دن وہ (قیامت کا دن) دیکھیں گے، ایسا ہو گا کہ گویا وہ (دنیا میں) ایک دوپہر یا صبح کے سوا ”باقی نہیں رہے تھے۔“

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوار کی طرف اشارہ فرمایا نہ کہ چلنے والا کیونکہ پیدل چلنے والا درخت کے سائے میں سوار سے زیادہ آرام کرتا ہے۔ یہ مزید بتاتا ہے کہ لوگ اس دنیا میں کتنے محدود وقت گزارتے ہیں۔

سایہ میں آرام کرنا اس بات کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مادی دنیا کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے اپنی ضروریات کو حاصل کرنے کے لیے جس طرح سوار اپنی ضرورت کا سامان لیتا ہے، یعنی آرام۔ لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے آخرت کی تیاری کرتے ہوئے اس دنیا سے فوراً رخصت ہونے کی تیاری کرے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا کو ترک کر دیا جائے کیونکہ یہ حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ انسان کو آخرت کی تیاری کے لیے مادی دنیا کو استعمال کرنا چاہیے۔ سوار آرام کرتا ہے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ چیزیں اکٹھی کریں جو ان کے لیے آخرت میں فائدہ مند ہوں، بجائے اس کے کہ اپنا وقت غیر ضروری چیزوں کے لیے وقف کریں جو انہیں قیامت کے دن خالی ہاتھ چھوڑے گی۔ باب 89
:الفجر، آیات 23-24

اور لایا گیا، وہ دن جہنم ہے، اس دن آدمی یاد رکھے گا، لیکن اس کو یاد کیسے آئے گا؟ وہ کہے گا، " کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔"

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ - 1

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ جب مسلمانوں کی فوج میدان جنگ میں پہنچی تو ایک صحابی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک عارضی پناہ گاہ بنائی جائے۔ اگر مسلمانوں کی فوج جنگ ہار جاتی ہے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسپائی اختیار کر سکتے تھے اور مدینہ میں اپنے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سے دوبارہ جا سکتے تھے۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف مدینہ میں ہی پیچھے رہ گئے کیونکہ انہیں علم نہیں تھا کہ جنگ ہونے والی ہے اور وہ ہمیشہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لیے کوشاں رہیں گے۔ اسے اچھی نصیحت۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خیال سے اتفاق کیا لیکن پھر بھی جنگ میں کسی اور سے زیادہ حصہ لیا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 268 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم " ...میں سے حاکم ہیں

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق

كى كوئى اطاعت نهىں اكر ىه خالق كى نافرمانى كا باعث بنے۔ اس طرح كے معاملات ميں ليڈروں كے خلاف بغاوت كرنے سے گريز كيا جانا چاهيے كيونكه اس سے صرف معصوم لوگوں كا هى نقصان هوتا هے۔ اس كے بجائے قائدین كو اسلام كى تعليمات كے مطابق نرمى سے نيكي اور برائى سے منع كرنا چاهيے۔ دوسروں كو اس كے مطابق عمل كرنے كى تلقين كرنى چاهيے اور هميشه رانماؤں سے صحيح راستے پر چلنے كى دعا كرنى چاهيے۔ ليڈر سيدهے رهين گے تو عوام بهى سيدهے رهين گے۔

ليڈروں كے ساتھ دھوكه كرنا منافقت كى علامت هے جس سے هر وقت بچنا چاهيے۔ اخلاص ميں ان معاملات ميں ان كى اطاعت كرنے كى كوشش كرنا بهى شامل هے جو معاشرے كو بهلائى پر اكٹھا كرتے هين اور هر اس چيز سے تنبيه كرتے هين جو معاشرے ميں خلل پيدا كرهے۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ - 2

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ اللہ تعالیٰ نے غیر مسلم لشکر کو شکست دینے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کے غداری کے اس فعل کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دوران غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔ بنو قریظہ نے ایک صحابی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے سامنے سرتسلیم خم کرنے پر رضامندی ظاہر کی جسے وہ مسلمان ہونے سے پہلے ہی اچھی طرح جانتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اتفاق کیا اور سعد رضی اللہ عنہ کو طلب کیا گیا اور آپ نے فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ کے سپاہیوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے اثاثے ضبط کر لیے جائیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اعلان فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ دیا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 166 میں بحث کی گئی ہے۔

اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ غداری کے لیے سزائے موت اس دن اور دور میں بھی ایک بہت ہی معیاری فیصلہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے انتقام لیتا ہے جو اپنے کمزور بندوں پر ظلم کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے دفاع اور انتقام کی طاقت نہیں رکھتے۔

جو مسلمان اس نام الہی کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ظلم نہیں کرے گا، خاص کر ان لوگوں پر جو بے دفاع دکھائی دیتے ہیں کیونکہ حقیقت میں ان کا محافظ اور بدلہ لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ان کی زمین پر زندگی کے دوران اور خاص طور پر قیامت کے دن کہ وہ ان کے اعمال صالحہ کو اس کے بدلہ لے گا۔ وہ ظالم کو مجبور کر کے انصاف قائم کرے گا شکار کے حوالے کرے اور اگر ضروری ہوا تو مظلوم کے گناہ ان کے مظلوم کے سپرد کر دیے جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ایک مسلمان کو اپنے اندر کے شیطان سے انتقام لیتے ہوئے اس نام الہی پر عمل کرنا چاہیے جو اسے اللہ تعالیٰ کی سخت اطاعت کے تابع کر کے برائی کی طرف ترغیب دیتا ہے، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اور ایک مسلمان کو ان تمام چیزوں کا بدلہ لینا چاہیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکتی ہیں، ان سے منہ موڑ کر۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ - 3

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے پانچویں سال آپ نے بنو قریظہ کی غداری کے بعد ان کا محاصرہ کر لیا۔ بنو قریظہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی غداری کی سزا کا فیصلہ کرنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ جنگ خندق کے دوران لگنے والے زخموں سے وفات پا گئے۔ ان کی تدفین کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ سعد رضی اللہ عنہ کی قبر نے انہیں لمحہ بہ لمحہ تنگ کر دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے فارغ کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 175 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2460 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قبر یا تو جنت کا باغ ہے یا جہنم کا گڑھا ہے۔ یہ حدیث مزید بتاتی ہے کہ جب ایک کامیاب مومن کو ان کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ ان کے لیے کشادہ اور آرام دہ ہو جاتا ہے جب کہ گناہ گار کی قبر ان کے لیے انتہائی تنگ اور نقصان دہ ہو جاتی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ حقیقت میں ہر شخص اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے ساتھ جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا لے جاتا ہے یعنی اپنے اعمال۔ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، تو یہ یقینی بنائے گا کہ وہ اس کے لیے مطلوبہ اعمال کی تیاری کرے۔ ان کی قبر کو جنت کا باغ بنا دے۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے تو ان کے گناہ جہنم کا گڑھا بنائیں گے جس میں وہ قیامت تک آرام کریں گے۔

اس لیے مسلمانوں کو آج ہی عمل کرنا چاہیے اور اس تیاری میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں اور اکثر اچانک آجاتا ہے۔ آنے والے کل تک تاخیر کرنا بے وقوفی ہے اور یہ صرف پچھتاوے کا باعث بنتا ہے۔ جس طرح انسان اس دنیا میں اپنے گھر کو سنوارنے میں بہت زیادہ

توانائی اور وقت صرف کرتا ہے اسے اپنی قبر کو سنوارنے میں زیادہ محنت کرنی چاہیے کیونکہ وہاں کا سفر ناگزیر ہے اور وہاں طویل قیام ہے۔ اور اگر کسی کو ان کی قبر میں تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ بدتر ہوگا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4267 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ - 1

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ مکہ کے غیر مسلموں کے قافلے پر چھاپہ مارنے کے لیے راستے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے لشکر تیار کر رکھا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی رائے دریافت کی کہ کیا کیا جائے؟ مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ان کی شان میں گستاخی کرنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انہیں نہیں چھوڑیں گے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جا کر لڑ سکتے ہیں کیونکہ وہ ان کی مدد کرنے والے نہیں تھے۔ اس کے بجائے مقداد رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ ہر حال میں لڑیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 250-260 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے باطنی شیطان اور ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دینے والے حملہ آور ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب: العنکبوت، آیت 69 29

”اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔“

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ، منافقت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب کوئی زبانی طور پر دوسروں اور ان کے اچھے منصوبوں جیسے کہ مسجد کی تعمیر کے لیے حمایت کا اظہار کرتا ہے لیکن جب اس منصوبے میں حصہ لینے کا وقت آتا ہے، جیسے کہ دولت کا عطیہ کرنا، وہ غائب نظر آتا ہے۔ اسی طرح، جب لوگ اچھے وقت کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں تو وہ زبانی طور پر ان کی حمایت کرتے ہیں اور دوسروں کو ان کی وفاداری کی یاد دلاتے ہیں۔ لیکن جس وقت عوام کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے یہ منافق کوئی جذباتی یا جسمانی سہارا نہیں دیتے۔ اس کے بجائے وہ ان پر تنقید کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین کا یہی رویہ تھا۔ باب 4 النساء آیت 62

تو کیسا ہو گا جب ان کے ہاتھوں کے آگے بڑھنے کی وجہ سے ان پر کوئی آفت آجائے اور پھر ”وہ اللہ کی قسم کھا کر آپ کے پاس آئیں کہ ہم نے حسن سلوک اور رہائش کے سوا کچھ نہیں چاہا۔“

مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ - 2

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ مقداد رضی اللہ عنہ کو ایک مہم کا سپہ سالار مقرر فرمایا۔ جب وہ واپس آئے تو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ انہیں بہت زیادہ عزت و تکریم دی گئی ہے کیونکہ وہ اس مہم کے رہنما تھے اور وہ اس احساس کو ناپسند کرتے تھے کہ جب ان کے ساتھ اس طرح کا سلوک کیا جائے تو کوئی شخص اپنے آپ کو اپنا سکتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ قیادت ایسی ہوتی ہے۔ مقداد رضی اللہ عنہ نے حلف لیا کہ وہ دوبارہ کبھی قائد نہیں بنیں گے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 95-96 میں بحث کی گئی ہے۔

مقداد رضی اللہ عنہ قیادت کے خطرات کو سمجھتے تھے۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کا ایک ریوڑ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مسلمان کا ایمان محفوظ رہے اگر وہ دنیا میں دولت اور شہرت کی تمنا کرے جس طرح شاید ہی کسی بھیڑ کو دو بھوکے بھیڑیوں سے نجات ملے۔ لہذا اس عظیم مثال میں دنیا میں زیادہ دولت اور سماجی حیثیت کے بعد حرص کی برائی کے خلاف سخت تنبیہ ہے۔

ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

عمیر بن ہمام رضی اللہ عنہ - 1

غزوہ بدر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غیر مسلموں سے لڑنے کی ترغیب دی اور بدلے میں ان سے جنت کا وعدہ فرمایا۔ عمیر رضی اللہ عنہ نے جب یہ وعدہ سنا تو کچھ کھجوریں پھینک دیں جو وہ کھا رہے تھے، تلوار اٹھائی اور لڑتے رہے یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 409-410 میں بحث کی گئی ہے۔

عمیر رضی اللہ عنہ نے اس طرح جواب دیا جس طرح انہوں نے مادی دنیا اور آخرت کے بارے میں صحیح ادراک اور فہم کو اپنایا۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ صحیح ادراک پیدا کریں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کر سکیں، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ وہی چیز ہے جو نیک پیشرووں کے پاس تھی اور اس نے انہیں مادی دنیا کی اضافی آسائشوں سے بچنے اور آخرت کی تیاری کرنے کی ترغیب دی۔ یہ ایک اہم خصوصیت ہے اور اسے دنیاوی مثال سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ دو لوگ بہت پیاسے ہیں اور ایک کپ گدلا پانی کے پاس آتے ہیں۔ وہ دونوں اسے پینا چاہتے ہیں اگرچہ وہ پاک نہ ہو اور خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اس پر جھگڑنا پڑے۔ جیسے جیسے ان کی پیاس گندے پانی کے پیالے پر زیادہ مرکوز ہوتی ہے وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر توجہ کھو دیتے ہیں۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی اپنی توجہ ہٹاتا ہے اور صاف پانی کے ایک دریا کو دیکھتا ہے جو کچھ ہی فاصلے پر تھا وہ فوری طور پر پانی کے پیالے پر توجہ اس مقام پر کھو دیتا ہے کہ وہ اب اس کی پروا نہیں کرے گا اور اس پر مزید بحث نہیں کرے گا۔ اور اس کے بجائے وہ اپنی پیاس کو صبر سے برداشت کریں گے یہ جانتے ہوئے کہ خالص پانی کا ایک دریا قریب ہے۔ جو شخص دریا سے ناواقف ہے وہ شاید اس کے رویے میں تبدیلی کو دیکھ کر یقین کرے گا کہ دوسرا پاگل ہے۔ یہی حال اس دنیا میں دو طرح کے لوگوں کا ہے۔ ایک گروہ لالچ سے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ دوسرے گروہ نے اپنی توجہ آخرت اور اس کی پاکیزہ اور ابدی نعمتوں پر مرکوز کر دی ہے۔ جب کوئی اپنی توجہ آخرت کی سعادت کی طرف مبذول کر لے تو دنیاوی مسائل اتنی بڑی بات نہیں لگتے۔ اس لیے صبر کو اپنانا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس دنیا پر اپنی توجہ مرکوز رکھے تو یہ ان کو سب کچھ لگتا ہے۔ وہ اس کے لیے بحث کریں گے، لڑیں

گے، محبت کریں گے اور نفرت کریں گے۔ بالکل اسی طرح جیسے پہلے ذکر کی گئی مثال میں وہ شخص جو صرف گندے پانی کے پیالے پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

یہ صحیح ادراک صرف قرآن پاک میں موجود اسلامی علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پایا جاتا ہے۔
باب 41 فصیلات، آیت 53

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ ” یہ حق ہے۔“

سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ - 1

سہیل رضی اللہ عنہ اور قبیلہ قریش کے کچھ دوسرے سرکردہ رہنما ایک مرتبہ خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے گھر کے باہر انتظار کر رہے تھے۔ خلیفہ نے سب سے پہلے غریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو داخلہ دیا اور ممتاز اور امیروں کو باہر چھوڑ دیا۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ جو قبیلہ قریش کے ایک اور ممتاز رہنما تھے، حیران رہ گئے کہ کس طرح غریب صحابہ رضی اللہ عنہم کو خلیفہ سے ملنے کے لیے داخل کیا گیا جب کہ وہ اور قریش کے دوسرے سرکردہ رہنما موجود تھے۔ باہر سہیل رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کی اور کہا کہ آپ اپنے آپ سے ناراض ہو جائیں، جیسا کہ اسلام سب کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور غریب صحابہ رضی اللہ عنہم نے سب سے پہلے اسے قبول کیا اور اس لیے اس سے بلند مرتبہ حاصل کیا۔ وہ اور دوسرے لوگ جو قبیلہ قریش کے سرکردہ رہنماؤں میں سے تھے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 444-445 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ” پرہیزگار ہے۔“

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

مزید برآں، اگر کسی مسلمان کو اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

ابو خيثمہ رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نویں سال، اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ سب سے پہلے اسلام کی تبلیغ کریں اور اگر ضروری ہو تو عظیم بازنطینی سے جنگ کریں۔ سلطنت یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ ان میں سے ایک ابو خيثمہ رضی اللہ عنہ تھے۔ فوج کے جانے کے کئی دن بعد وہ گھر واپس آیا اور اس کے لیے ٹھنڈے مشروبات اور کھانا تیار کیا۔ اس نے اپنے آپ کو اس مشکل کو یاد کرتے ہوئے ملامت کی جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مہم میں گھر پر آرام فرما رہے تھے۔ اس نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی روانگی کی تیاری کریں اور جلد بازی میں اس مہم میں شامل ہو گئے جس نے تبوک میں کیمپ لگا رکھا تھا۔ جب ابو خيثمہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف سے دعا کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 8-9 میں بحث کی گئی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ صبر کے ساتھ کرنا چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات اور اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کرنا۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے

“...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو”

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی

گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے۔ لہذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

ابن یامین رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نویں سال، اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ سب سے پہلے اسلام کی تبلیغ کریں اور اگر ضروری ہو تو عظیم بازنطینی سے جنگ کریں۔ سلطنت یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ کچھ زیادہ غریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس اس طویل اور دشوار گزار مہم میں حصہ لینے کے لیے وسائل نہیں تھے اور بعض صورتوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وسائل نہیں تھے۔ انہیں بھی دو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خود ان سے معافی مانگی تھی کہ: وہ اس قدر غمگین تھے کہ وہ اس مہم میں شریک نہ ہونے پر روتے تھے۔ باب 9 توبہ آیت 92

اور نہ ہی ان لوگوں پر الزام ہے جو جب وہ آپ کے پاس آپ کو لے جانے کے لیے آئے تو آپ " نے کہا، "مجھے آپ کو لے جانے کے لیے کچھ نہیں ملا۔" وہ پلٹ گئے جب کہ ان کی آنکھیں اس غم سے آنسوؤں سے بہ رہی تھیں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ تھا۔

ان میں سے دو غریب صحابہ رضی اللہ عنہ کو ایک اور ابن یامین رضی اللہ عنہ نے روتے ہوئے دیکھا۔ ابن یامین رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں اپنا اونٹ دیا اور کچھ کھجوریں فراہم کیں تاکہ وہ اس مہم میں شامل ہو سکیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 5 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ان سے ایسا حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت احتیاط برتیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کے کاموں میں صرف اس لیے نصیحت کرے کہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ ایک شخص قیامت کے دن محض یہ دعویٰ کر کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کریں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان کاموں کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ خود اسباب کی کمی کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ خیبر کے غیر مسلموں نے ان کے ایک قلعے میں پناہ لی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کھیتوں پر قبضہ کر لیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی سرزمین سے نکالنا چاہا تو انہوں نے آپ سے معاہدہ کر لیا۔ وہ کھیتی باڑی کی دیکھ بھال کرتے اور آدھی فصل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کرتے، اس شرط پر کہ انہیں زمین سے بے دخل نہ کیا جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو ہر سال ان کی عیادت کرنے اور ان کی ادائیگی پر راضی فرمایا۔ ان غیر مسلموں نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو رشوت دینے کی کوشش کی تاکہ وہ انہیں آدھے سے زیادہ رکھنے کی اجازت دیں جس پر اتفاق ہوا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ اگرچہ روئے زمین پر کوئی بھی ان کے نزدیک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبوب نہیں تھا اور وہ غیر مسلم آپ کو سب سے زیادہ ناپسند کرتے تھے، لیکن آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں کمی نہیں آئے دیں گے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے لیے آپ کی ناپسندیدگی انہیں ان کے ساتھ عدل و انصاف کرنے سے روکتی ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 3، صفحہ 270-271 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر موقع پر انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر

عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135

اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔¹ [پس ذاتی] جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ - 2

ایک انتہائی گرم دن میں ایک مہم کے دوران، جہاں لوگ اپنے ہاتھوں کو دھوپ سے سایہ کرنے کے لیے استعمال کر رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی روزہ دار نہیں تھا۔ صحیح بخاری نمبر 1945 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

سنن نسائی نمبر 2219 میں موجود الہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ تمام اعمال صالحہ جو لوگ انجام دیتے ہیں وہ ان کے لیے ہیں سوائے روزے کے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اسے براہ راست انعام دیں۔

یہ حدیث روزے کی انفرادیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے اس انداز میں بیان ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ باقی تمام اعمال صالحہ لوگوں کو نظر آتے ہیں، جیسے نماز، یا وہ لوگوں کے درمیان ہیں، جیسے خفیہ صدقہ۔ جبکہ، روزہ ایک منفرد نیک عمل ہے کیونکہ دوسرے یہ نہیں جان سکتے کہ کوئی شخص صرف روزہ رکھنے سے روزہ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ، روزہ ایک نیک عمل ہے جو اپنے آپ کے ہر پہلو پر قفل لگاتا ہے۔ یعنی جو شخص صحیح طریقے سے روزہ رکھتا ہے اسے زبانی اور جسمانی گناہوں سے روک دیا جائے گا جیسے کہ حرام چیزوں کو دیکھنا اور سننا۔ یہ بھی نماز کے ذریعے حاصل ہوتا ہے لیکن نماز صرف تھوڑی دیر کے لیے ادا کی جاتی ہے اور دوسروں کو دکھائی دیتی ہے جبکہ روزہ دن بھر ہوتا ہے اور دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45

“...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے”

مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص بغیر کسی جواز کے فرض روزے پورے نہیں کرتا وہ مومن نہیں ہو گا کیونکہ دونوں کا براہ راست تعلق ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 183

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے " گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 723 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر کوئی مسلمان ایک فرض روزہ بغیر کسی شرعی عذر کے پورا نہ کرے تو اس کی قضا نہیں ہو سکتی۔ ثواب اور برکت ضائع ہو جاتی ہے خواہ وہ ساری زندگی روزے رکھے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ اس آیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزہ صحیح طریقے سے تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ یعنی صرف دن کو بھوکا رہنے سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا بلکہ روزے کی حالت میں گناہوں سے بچنے اور اعمال صالحہ کی طرف زیادہ توجہ دینے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 707 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے پرہیز نہ کرے تو روزہ اہم نہیں ہوگا۔ اسی طرح کی ایک حدیث سنن ابن ماجہ نمبر 1690 میں ہے کہ بعض روزہ داروں کو بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جب کوئی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ ہوشیار اور محتاط ہو جاتا ہے، جب کہ وہ روزے کی حالت میں ہوتے ہیں، یہ عادت بالآخر ان پر اثر انداز ہوتی ہے، اس لیے وہ روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اسی طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ دراصل حقیقی تقویٰ ہے۔

اس آیت میں جس نیکی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اس کا تعلق روزے سے ہے کیونکہ روزہ انسان کی بری خواہشات اور شہوتوں کو کم کرتا ہے۔ یہ غرور اور گناہوں کی ترغیب سے روکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ پیٹ کی بھوک اور نفسانی خواہشات کو روکتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں

بہت سے گناہوں کو جنم دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں چیزوں کی خواہش دیگر حرام چیزوں کی خواہش سے زیادہ ہے۔ پس جو شخص روزے کے ذریعے ان پر قابو پالے گا اس کے لیے کمزور خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔ یہ حقیقی راستبازی کی طرف جاتا ہے۔

جیسا کہ مختصراً پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزے کے مختلف درجات ہیں۔ روزہ کا پہلا اور ادنیٰ درجہ وہ ہے جب کوئی ایسی چیزوں سے پرہیز کرے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے کہ کھانا۔ اگلا درجہ گناہوں سے پرہیز کرنا ہے جو روزہ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور اس کے روزے کے ثواب کو کم کر دیتے ہیں، جیسے جھوٹ بولنا۔ سنن نسائی نمبر 2235 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ روزہ جس میں جسم کے ہر عضو کو شامل کیا جائے اگلا درجہ ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب جسم کا ہر عضو گناہوں سے بچتا ہے، مثلاً آنکھ حرام کو دیکھنے سے، کان حرام کو سننے سے، وغیرہ۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اس طرح کا برتاؤ کرے۔ آخر میں روزہ کا اعلیٰ درجہ ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مربوط نہیں ہیں۔

ایک مسلمان کو باطنی طور پر بھی روزہ رکھنا چاہئے جیسا کہ ان کا جسم گناہ یا لغو خیالات سے پرہیز کرتے ہوئے ظاہری طور پر روزہ رکھتا ہے۔ انہیں اپنی خواہشات کے حوالے سے اپنے منصوبوں پر قائم رہنے سے روزہ رکھنا چاہئے اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر توجہ دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ، انہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو باطنی طور پر چیلنج کرنے سے روزہ رکھنا چاہیے، اور اس کے بجائے تقدیر کے علاوہ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے، وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین انتخاب کرتا ہے، چاہے وہ ان انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے روزے کو پوشیدہ رکھ کر اور دوسروں کو مطلع نہ کر کے سب سے زیادہ ثواب حاصل کرنا چاہیے اگر یہ گریز کیا جا سکتا ہے کیونکہ غیر ضروری طور پر دوسروں کو بتانے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دکھاوے کا ایک پہلو ہے۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ - 3

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے اٹھویں سال آپ نے جنگ موتہ میں شرکت کے لیے ایک لشکر روانہ کیا۔ اس نے اس فوج کے ایک کمانڈر اور یکے بعد دیگرے دو جانشینوں کا نام لیا۔ لوگوں نے اس سے سمجھا کہ یہ مخصوص صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک یہودی آدمی نے بھی سابقہ آسمانی تعلیمات سے تصدیق کی کہ جب بھی کسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کمانڈر کے جانشین کا نام دیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ضرور شہید ہوں گے۔ پہلے کمانڈر کے جانشینوں میں سے ایک عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو الوداع کرتے ہوئے رو پڑے۔ جب اس سے اس کے عمل کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ اس کا رونا دنیا یا لوگوں کی محبت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اسے آخرت اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ یاد ہے کہ ہر ایک کو جہنم کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن اسے یقین نہیں تھا کہ وہ کیسے ہے؟ اس سے بچنے کے لئے جا رہا ہے۔ باب 19
:مریم، آیت 71

اور تم میں سے کوئی نہیں ہے سوائے اس کے اس [جہنم] میں آئے گا۔ یہ تیرے رب پر لازم و "ملزوم ہے۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 326-327 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رویہ پر دلالت کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ آخرت پر توجہ مرکوز رکھتے تھے اور مادی دنیا کی آسائشوں کو جمع کرنے اور جمع کرنے پر اس کی تیاری کو ترجیح دیتے تھے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیا اور آخرت کی نوعیت کو سمجھ کر اس صحیح ادراک اور رویے کو اپنائیں۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تمثیل اس لیے دی گئی تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے جبکہ آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے کاٹ دے گی۔ دوسری طرف آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے۔ جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ لہذا کسی کی ریٹائرمنٹ جیسے دن کے لیے کوشش کرنا بے وقوفی ہے، جس تک وہ آخرت کے لیے کوشش کرتے ہوئے کبھی نہ پہنچ سکے جس تک پہنچنے کی ان کی ضمانت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اس مادی دنیا سے اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرنا چاہیے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کریں۔

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ - 4

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے اٹھویں سال آپ نے جنگ موتہ میں شرکت کے لیے ایک لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر میں ایک صحابی عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوج کو صبح سویرے نکلنے کا حکم دیا لیکن عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روانگی میں تاخیر کا فیصلہ کیا تاکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ سکیں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اور پھر باقی لشکر کو پکڑو۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو مسجد میں نماز کے لیے موجود دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اعمال کے بارے میں سوال کیا۔ اس کی نیت معلوم ہونے کے بعد اس نے اسے بتایا کہ اسے جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرنا ساری دنیا سے زیادہ ثواب ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 327 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ قرآن مجید کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل پیرا ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے، بجائے اس کے کہ دیگر تعلیمات اور اعمال پر عمل کیا جائے۔ خواہ اسلام میں ان کو اچھا سمجھا جائے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع

پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنماؤں کے ذریعہ قائم کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ہی دوسرے رضاکارانہ اعمال صالحہ پر عمل کرنا چاہیے اگر اس کے پاس ایسا کرنے کے لیے وقت اور توانائی ہو۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ - 5

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے اٹھویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار سپاہیوں کی ایک فوج کو جنگ موتہ میں حصہ لینے کے لیے روانہ کیا۔ فوج نے موتہ کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈالا جہاں انہیں اطلاع ملی کہ دشمن کی فوج دو لاکھ کے قریب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر بحث کی کہ آیا اس مشن کو جاری رکھنا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجنا ہے، آپ کو صورتحال سے آگاہ کرنا ہے اور مزید احکامات کی درخواست کرنا ہے۔ لیکن عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور فوج کو یہ یاد دلاتے ہوئے لڑنے کی ترغیب دی کہ ان کی طاقت تعداد یا ہتھیاروں میں نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کی مخلصانہ اطاعت میں ہے۔ اس نے فوج کی شہادت یا فتح کا وعدہ کیا۔ فوج راضی ہو گئی اور ثابت قدمی سے آگے بڑھی اور بالآخر انہیں فتح نصیب ہوئی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 328 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر

کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

“...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو”

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے (معمولی گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے۔ لہذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ” ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نوین سال، اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ سب سے پہلے اسلام کی تبلیغ کریں اور اگر ضروری ہو تو عظیم بازنطینی سے جنگ کریں۔ سلطنت یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو جو لوگ اس مہم میں حصہ نہ لے سکے وہ اپنے عذر دہراتے ہوئے اور آپ کی بیعت کا اعلان کرتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ اس نے ان کے تمام عذر قبول کیے، ان کی طرف سے دعا کی اور ان کے پوشیدہ ارادوں کو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان چھوڑ دیا۔ ایک صحابی کعب بن مالک رضی اللہ عنہ صرف غفلت اور سستی کی وجہ سے پیچھے رہے۔ اگرچہ اس نے دیکھا کہ دوسروں کو عذر کرتے ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے معافی دی گئی، لیکن پھر بھی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حق کا اعلان کیا، یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو یقینی بنائے گا۔ جھوٹ بولنے پر اس پر غصہ آیا خواہ وہ جھوٹ بول کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے وقتی طور پر بچ جائے۔ دو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حق کا اقرار کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حالات کا فیصلہ کرے گا۔ اہل مدینہ سے کہا گیا کہ جب تک ان کے بارے میں فیصلہ نہیں ہو جاتا ان تینوں کا سماجی بائیکاٹ کریں۔ اس دوران ایک غیر مسلم حکمران نے کعب رضی اللہ عنہ کو خط بھیجا کہ ان کے ساتھ سخت سلوک کیا جا رہا ہے اور وہ مدینہ چھوڑ کر ان کے پاس آجائیں جہاں ان کے ساتھ بڑی عزت و احترام سے پیش آئیں گے۔ کعب رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ یہ امتحان ہے اور خط کو جلا دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 31-32 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے کیونکہ یہ وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس سے حلال دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ اس قسم کے شخص کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب: الحج، آیت 11 22

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی " ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا "اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔

جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا کسی مشکل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اکثر ناراض ہو جاتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نافرمانی کرتے ہیں، اس صورت حال کے مطابق جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کے خلاف ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سے حلال دنیاوی چیزوں کی خواہش کرنا اسلام میں قابل قبول ہے، لیکن اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو وہ اس آیت میں مذکور کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آخرت میں نجات پانے اور جنت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا افضل ہے۔ مشکلات کا سامنا کرتے وقت یہ شخص اپنے رویے کو تبدیل کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ اور بہترین وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ان کا رب اور کائنات کا رب ہے۔ یہ مسلمان اگر مخلص ہو گا تو ہر حال میں ثابت قدم رہے گا اور اس اطاعت کے ذریعے انہیں دنیاوی اور دینی دونوں نعمتیں حاصل ہوں گی جو دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر پہلی قسم کے انسان کو حاصل ہوں گی۔

آخر میں، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت پر غور کریں اور اگر ضروری ہو تو اس کی اصلاح کریں تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب ملے۔ ، تمام حالات میں۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ - 2

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نویں سال، اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ سب سے پہلے اسلام کی تبلیغ کریں اور اگر ضروری ہو تو عظیم بازنطینی سے جنگ کریں۔ سلطنت یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو جو لوگ اس مہم میں حصہ نہ لے سکے وہ اپنے عذر دہراتے ہوئے اور آپ کی بیعت کا اعلان کرتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ اس نے ان کے تمام عذر قبول کیے، ان کی طرف سے دعا کی اور ان کے پوشیدہ ارادوں کو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان چھوڑ دیا۔ ایک صحابی کعب بن مالک رضی اللہ عنہ صرف غفلت اور سستی کی وجہ سے پیچھے رہے۔ اگرچہ اس نے دیکھا کہ دوسروں کو عذر کرتے ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے معافی دی گئی، لیکن پھر بھی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حق کا اعلان کیا، یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو یقینی بنائے گا۔ جھوٹ بولنے پر اس پر غصہ آیا خواہ وہ جھوٹ بول کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے وقتی طور پر بچ جائے۔ دو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حق کا اقرار کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حالات کا فیصلہ کرے گا۔ اہل مدینہ سے کہا گیا کہ جب تک ان کے بارے میں فیصلہ نہیں ہو جاتا ان تینوں کا سماجی بائیکاٹ کریں۔ 50 مشکل دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی بخشش نازل فرمائی جو کہ ان کے لیے خاص طور پر حق پر قائم رہنے کے لیے ایک خاص نعمت ہے۔ باب 9 توبہ آیت 118

اور ان تینوں کو بھی معاف کر دیا جو اکیلے رہ گئے تھے [یعنی بائیکاٹ کیا گیا، اپنی غلطی پر افسوس کرتے ہوئے] یہاں تک کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر بند ہو گئی اور ان کی روحوں نے انہیں محدود کر دیا اور وہ یقین ہے کہ اللہ کے سوا کوئی پناہ نہیں۔ پھر وہ ان کی طرف متوجہ ہوا، تاکہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 30-33 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ - 3

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نوین سال، اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ سب سے پہلے اسلام کی تبلیغ کریں اور اگر ضروری ہو تو عظیم بازنطینی سے جنگ کریں۔ سلطنت یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو جو لوگ اس مہم میں حصہ نہ لے سکے وہ اپنے عذر دہراتے ہوئے اور آپ کی بیعت کا اعلان کرتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ اس نے ان کے تمام عذر قبول کیے، ان کی طرف سے دعا کی اور ان کے پوشیدہ ارادوں کو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان چھوڑ دیا۔ ایک صحابی کعب بن مالک رضی اللہ عنہ صرف غفلت اور سستی کی وجہ سے پیچھے رہے۔ اگرچہ اس نے دیکھا کہ دوسروں کو عذر کرتے ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے معافی دی گئی، لیکن پھر بھی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حق کا اعلان کیا، یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو یقینی بنائے گا۔ جھوٹ بولنے پر اس پر غصہ آیا خواہ وہ جھوٹ بول کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے وقتی طور پر بچ جائے۔ دو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حق کا اقرار کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حالات کا فیصلہ کرے گا۔ اہل مدینہ سے کہا گیا کہ جب تک ان کے بارے میں فیصلہ نہیں ہو جاتا ان تینوں کا سماجی بائیکاٹ کریں۔ 50 مشکل دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی بخشش نازل فرمائی جو کہ ان کے لیے خاص طور پر حق پر قائم رہنے کے لیے ایک خاص نعمت ہے۔ باب 9 توبہ آیت 118

اور ان تینوں کو بھی معاف کر دیا جو اکیلے رہ گئے تھے [یعنی بائیکاٹ کیا گیا، اپنی غلطی پر افسوس کرتے ہوئے] یہاں تک کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر بند ہو گئی اور ان کی روحوں نے انہیں محدود کر دیا اور وہ یقین ہے کہ اللہ کے سوا کوئی پناہ نہیں۔ پھر وہ ان کی طرف متوجہ ہوا، تاکہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

کعب رضی اللہ عنہ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، آپ نے باقی مدینہ کے ساتھ آپ کو مبارکباد دی۔ کعب رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا

کرتے ہوئے اپنا سارا مال صدقہ کر دیا۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ یہ بہتر ہے کہ وہ صرف چندہ دے دیں اور باقی رکھ لیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد صفحہ 30-33 میں بحث کی گئی ہے۔ 4،

صحیح مسلم نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے اس کو اس کے مطابق اجر دیا جائے گا۔ اور اس نے خبردار کیا کہ ذخیرہ اندوزی نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو روک دے گا۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کو صرف حلال مال حاصل کرنا اور خرچ کرنا ہے کیونکہ ہر وہ نیک عمل جس کی بنیاد حرام پر ہو اللہ تعالیٰ اسے رد کر دے گا، خواہ اس کی نیت کچھ بھی ہو۔ صحیح مسلم نمبر 2342 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ خرچ صرف خیرات کے ذریعے نہیں ہوتا بلکہ اس میں فضول خرچی، اسراف یا اسراف کے بغیر اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات پر خرچ کرنا شامل ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود حدیث کے مطابق یہ درحقیقت ایک نیک عمل ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ متوازن طریقے سے خرچ کرے جس سے وہ خود محتاج نہ ہو کر دوسروں کی مدد کرے۔ باب 17 الاسراء، آیت 29

اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے نہ باندھو اور نہ ہی اسے پوری طرح پھیلا دو اور [اس طرح] ”ملامت اور دیوالیہ بن جاؤ۔“

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق باقاعدگی سے صدقہ دے چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کسی کے معیار کے معنی، ان کے اخلاص کو دیکھتا ہے، نہ کہ عمل کی مقدار کو۔ باقاعدگی کے ساتھ تھوڑا سا صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بہتر اور زیادہ محبوب ہے، اس سے کہ ایک بار زیادہ صدقہ کیا جائے۔ صحیح بخاری نمبر 6465 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب کوئی اپنی وسعت کے مطابق دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے لامحدود درجہ کے مطابق بدلہ دیتا ہے۔ لیکن جو روکے گا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا ہی جواب ملے گا۔ اگر کوئی مسلمان اپنا مال جمع کرتا ہے تو وہ اسے دوسروں کے لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اس کے لیے جوابدہ ہوں گے۔ اگر وہ اپنی دولت کا غلط استعمال کریں گے تو یہ ان کے لیے دنیا میں لعنت اور بوجھ اور آخرت میں عذاب بن جائے گا۔

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ - 1

جنگ کے دوران ایک مسلمان دشمن کی صفوں میں گھس گیا۔ کچھ دوسرے مسلمان سپاہیوں نے مندرجہ ذیل آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس نے اپنے آپ کو تباہی میں ڈال دیا ہے۔
باب 2 البقرہ، آیت 195

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور نیکی " کرو۔ بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے ان کو بیان کیا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے سے باز آ کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کرے جیسا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم پر نازل ہوا تھا۔ ان کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدوجہد کرنے کی بجائے اپنی زمینوں پر کھیتی پر توجہ مرکوز کرنے کی خواہش کی، اس وقت جب اسلام ترقی کرنے لگا تھا۔ اس کا تذکرہ جامع ترمذی نمبر 2972 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

عام طور پر یہ یاد دلاتا ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہنا۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

“...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو”

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے (معمولی گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے۔ لہذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46
:الاحقاف، آیت 13

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی ”
“خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

عباد بن بشر رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غط الرقہ کے نام سے ایک مہم پر روانہ ہوئے۔ جب وہ رات کو ایک وادی میں رکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وادی کے منہ پر اس وقت پہرہ دیں جب لشکر سو رہا تھا۔ ان میں سے ایک صحابی عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے پہلی شفٹ لی جب کہ دوسرے صحابی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سو گئے۔ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے لگے۔ ان کی نماز کے دوران ایک غیر مسلم دشمن سپاہی نے اسے دیکھا اور اس پر تیر مارا۔ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے اپنے جسم سے تیر نکال لیا اور نماز پڑھتے رہے۔ یہ کل چار مرتبہ ہوا اور تبھی آپ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو بیدار کیا۔ غیر مسلم سپاہی اس وقت بھاگ گیا جب اسے معلوم ہوا کہ وہاں دو محافظ ہیں۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے جب پہلا تیر لگا تو انہیں کیوں نہیں جگایا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نماز سے فارغ ہونے تک قرآن پاک کی تلاوت بند نہیں کرنا چاہتا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 115-116 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں سے اس طرح کے برتاؤ کی توقع نہیں کی جاتی ہے لیکن ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ قرآن پاک کے ساتھ سچے اخلاص کا مظاہرہ کریں۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام قرآن کریم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ سورہ 33 الاحزاب آیت 23 کی تلاوت فرمائی:

” مومنوں میں سے مرد وہ ہیں جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا۔ ان میں وہ ہے جس نے اپنی نذر پوری کی اور ان میں وہ ہے جو انتظار کر رہا ہے۔ اور انہوں نے کسی تبدیلی کے ذریعے [اپنے عہد کی شرائط] کو تبدیل نہیں کیا۔“

پھر پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے کس نے اس آیت کو پورا کیا؟ اسی وقت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف اشارہ امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 176 کیا اور فرمایا کہ وہ ان میں سے ہیں۔ اس پر میں بحث کی گئی ہے۔

یہ قرآن کریم کے باب 7 الاعراف، آیت 172 سے مربوط ہے

اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے بنی آدم سے ان کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا ” اور ان کو اپنے اوپر گواہ کر کے کہا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم نے گواہی دی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن یہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔“

تمام انسانوں کو اس لیے پیدا کیا گیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر سکیں۔ اس واقعہ کے پیچھے سمجھنے کا سبق یہ ہے کہ تمام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان لیا۔ یعنی جس نے ان کو پیدا کیا، وہی ان کو پالے گا اور وہی جو قیامت کے دن ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا۔ تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اس عہد کو پورا کریں۔

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا وہ اس کے بندے ہیں، بلکہ ان سے پوچھا کہ کیا وہ ان کا رب ہے؟ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہمیشہ انسان کی مرضی اور خواہش کے سامنے آنی چاہیے۔ اگر کسی مسلمان کے پاس اللہ تعالیٰ یا کسی اور کو راضی کرنے کا انتخاب ہے تو یہ عہد انہیں یاد دلائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے پہلے ہونی چاہیے۔

یہ سوال بھی اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ اس نے مخلوق کے لیے اس کا جواب لفظی طور پر بیان کیا۔ اس سے مسلمانوں کو ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی رب ہے جو ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا، وہ بے حد مہربان بھی ہے۔

اس عہد کا اثر تمام بنی نوع انسان کے دلوں میں گہرا ہے۔ درحقیقت یہی وہ نوعیت ہے جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6755 میں موجود حدیث میں وارد ہوا ہے، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے سے ذہن سازی کرنے کے بعد حق کی تلاش نہ کریں اور پھر ثبوت تلاش کریں۔ جو ان کے پہلے سے طے شدہ عقیدے کی تائید کرتا ہے۔ صرف وہی لوگ جو پہلے سے طے شدہ فیصلہ کیے بغیر اپنے دماغ کو کھولتے ہیں وہ اس عہد کو کھولیں گے جو ان کے دلوں کی گہرائیوں میں سرایت کر گیا ہے۔ درحقیقت، کھلے ذہن کا ہونا نہ صرف ایمان کے معاملات میں تمام مسائل میں اہم ہے کیونکہ یہ سچائی اور بہترین راستہ تلاش کرنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ رویہ معاشرے کو مضبوط کرتا ہے اور ہمیشہ لوگوں کے درمیان امن کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی ضد جو اپنے انتخاب کا پہلے سے تعین کرتے ہیں ہمیشہ معاشرے کے ممبروں کے درمیان پچر پیدا کرے گا جو قومی سطح پر لوگوں کو متاثر کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ یہ نہ مانیں کہ وہ دنیاوی معاملات میں درست ہیں ورنہ وہ یہ ضدی رویہ اپنائیں گے۔ یہ انہیں دوسروں کی رائے کو قبول کرنے سے

روکے گا جس سے جھگڑے، دشمنی اور رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ اس لیے اس رویہ سے ہر صورت گریز کرنا چاہیے۔

آخر میں یہ حقیقت کہ یہ عہد ایک شخص کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر اس کا پردہ فاش کرنا فرض ہے۔ یہ ایمان کے یقین کی طرف لے جائے گا جو کہ سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر ایمان سے کہیں زیادہ مضبوط ہے، جسے کسی کے گھر والوں کی طرف سے بتایا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ یقین کا یقین مسلمان کو اس دنیا میں اپنے دینی اور دنیاوی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ کامیابی کے ساتھ تمام مشکلات پر قابو پانے کی اجازت دیتا ہے۔ ایک شخص صرف اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے امتحان اور اپنے فرائض میں ناکام ہوتا ہے۔ ایمان کا یقین صرف قرآن کریم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے اندر موجود علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ ”یہ حق ہے۔“

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ - 2

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے ایک ہی دن میں ایک لاکھ چاندی کے سکے صدقہ کر دیے۔
میں بحث کی گئی ہے۔ امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 177 اس پر

صحیح بخاری نمبر 6444 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے تنبیہ کی ہے کہ دنیا میں جو امیر ہیں وہ آخرت میں غریب ہی رہیں گے جب تک کہ وہ اپنا مال
صحیح طریقے سے خرچ نہ کریں لیکن یہ لوگ تعداد میں تھوڑے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دولت مندوں کی اکثریت غلط طریقے سے اپنا مال ان چیزوں پر خرچ
کرتے ہیں جو یا تو فضول ہیں اور اس وجہ سے انہیں آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا یا وہ ایسے
گناہوں پر خرچ کرتے ہیں جو ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ بن جائیں یا وہ خرچ کرتے
ہیں۔ حلال چیزوں پر اس طرح سے جس کو اسلام ناپسند کرتا ہے جیسے فضول خرچی یا اسراف۔
ان وجوہات کی بنا پر قیامت کے دن امیر غریب ہو جائیں گے کیونکہ ان کا حساب ہوگا اور ان پر
سزا بھی دی جائے گی۔

اس کے علاوہ جو لوگ اپنا مال صحیح طریقے سے خرچ نہیں کر پاتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان
کا مال انہیں ان کی قبر پر چھوڑ دیتا ہے اور وہ آخرت کو خالی ہاتھ مفلس کی طرح پہنچ جائیں
گے۔ جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ میت دوسروں
کے لیے مال چھوڑے گا جب تک کہ وہ اس کے لیے جوابدہ ہوں۔

آخر کار، جیسا کہ دولت مند اپنی دولت کمانے، ذخیرہ اندوزی کرنے، محفوظ کرنے اور بڑھانے
میں مشغول ہوتے ہیں، یہ انہیں اعمال صالحہ سے غافل کر دیتے ہیں جو کہ قیامت کے دن کسی
کو امیر بنا دے گی۔ درحقیقت، اس سے محروم ہونے سے وہ غریب ہو جائیں گے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ دولت کو صحیح طریقے سے خرچ کرنا نہ صرف صدقہ کرنا ہے بلکہ اس میں فضول خرچی یا اسراف کے بغیر ان کی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کرنا بھی شامل ہے۔

حقیقی امیر وہ ہے جو اپنی دولت کا صحیح استعمال کرے جیسا کہ اسلام نے بتایا ہے۔ یہ شخص دنیا اور آخرت میں امیر ہوگا۔ اور یہ رویہ زیادہ دولت رکھنے پر منحصر نہیں ہے۔ دولت کا جتنی بھی مقدار صحیح طریقے سے استعمال کی جائے وہ امیر بننے کا سبب بنے گی چاہے اس کے پاس بہت کم دولت ہو۔ درحقیقت یہ شخص اپنی دولت اپنے ساتھ آخرت تک لے جاتا ہے اور یہ رویہ انہیں فارغ وقت فراہم کرتا ہے جس سے وہ نیک اعمال انجام دیتا ہے جس سے آخرت میں ان کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ - 3

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب کوئی شخص لوگوں سے میل جول کرتا ہے (بلا ضرورت) تو ان کا دین ان سے چھین لیا جاتا ہے اور انہیں اس کا احساس بھی نہیں میں بحث کی گئی ہے - 293 ہوتا۔ اس پر صالح احمد الشامی، معاذ الصحابہ، صفحہ

جامع ترمذی نمبر 2406 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجات حاصل کرنے کا طریقہ بتایا۔

جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان بلا ضرورت گھر سے نہ نکلے۔ اس طرز عمل سے وقت ضائع ہوتا ہے اور زبانی اور جسمانی دونوں گناہ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی سچے دل سے غور کرے تو وہ سمجھے گا کہ ان کے زیادہ تر گناہوں اور مسائل کا سامنا دوسروں کے ساتھ غیر ضروری طور پر میل جول کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ ہمیشہ دوسروں کی غلطی تھی لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی غیر ضروری طور پر اپنا گھر چھوڑنے سے گریز کرتا ہے تو وہ کم گناہ کرے گا اور کم پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا کرے گا۔ اس سے ان کا اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کا وقت بھی نکل جائے گا جو کسی کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں فائدہ مند ہے۔

انس بن نصر رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کے نتائج سے قطع نظر احد پہاڑ پر ٹھہرنے کا حکم دیا تھا، ان کا خیال تھا کہ جنگ ختم ہوچکی ہے اور حکم کا اطلاق نہیں ہوگا۔ جب وہ احد پہاڑ پر اترے تو اس سے مسلمانوں کی فوج کا پچھلا حصہ کھل گیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی۔ انتشار اور افراتفری اس وقت بڑھ گئی جب یہ آوازیں سنائی دیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے بعض صحابہ کرام، اللہ ان سے راضی ہو گئے، ناامید ہو گئے کیونکہ ان کی قوت اور الہام قیاس کے مطابق شہید ہو چکا تھا۔ لیکن ایک صحابی انس بن نصر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیا جائے تو بھی اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور مر نہیں سکتا۔ لہذا انہیں اس کے لیے لڑتے رہنا چاہیے جس کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے۔ انس بن نصر رضی اللہ عنہ نے جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد صفحہ 29-31 میں بحث کی گئی ہے۔ 3،

گو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسمانی طور پر آج مسلمانوں میں نہیں ہیں، انہیں اسلام کے حقیقی سفیر بن کر جس چیز کے لیے آپ کھڑے تھے، اس کے لیے جدوجہد کرتے رہنا اس کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کیا جائے، چاہیے۔ اس کی ممانعتوں سے پرہیز کیا جائے اور اس کے انتخاب پر صبر کیا جائے۔ اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا کیونکہ صالح پیشرو اس فرض کو بہت سنجیدگی سے لیتے تھے۔ جب انہوں نے فائدہ مند علم حاصل کیا اور اس پر عمل کیا تو بیرونی دنیا نے ان کے طرز عمل سے اسلام کی حقانیت کو پہچان لیا۔ جس کی وجہ سے بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ بدقسمتی سے، آج بہت سے مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں دوسروں کو ظاہر کرنا محض کسی کی ظاہری شکل ہے، جیسے داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا۔ یہ اسلام کی نمائندگی کا صرف ایک پہلو ہے۔ سب سے بڑا حصہ قرآن کریم اور ان کی روایات میں مذکور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو اپنانا ہے۔ صرف اس رویے سے بیرونی دنیا اسلام کی اصل فطرت کا مشاہدہ کرے گی۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام کی تعلیمات کے مخالف خصوصیات کے حامل ہوتے ہوئے اسلامی شکل اختیار کرنا صرف بیرونی دنیا میں اسلام

کی بے عزتی کا باعث بنتا ہے۔ وہ اس بے عزتی کے لیے جوابدہ ہوں گے کیونکہ وہ اس کی وجہ ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی باطنی تعلیمات کو اپناتے ہوئے اسلام کے حقیقی سفیر کے طور پر پیش آئے اور اسلام کی ظاہری شکل و صورت کو بھی اپنائے۔

اس کے علاوہ اس اہم عہدے کو مسلمانوں کو یاد دلانا چاہیے کہ ان کا احتساب کیا جائے گا اور سوال کیا جائے گا کہ آیا انہوں نے یہ کردار ادا کیا یا نہیں؟ جس طرح ایک بادشاہ اپنے سفارت کار اور نمائندے پر غضب ناک ہوتا ہے اگر وہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان سے ناراض ہوگا جو اسلام کے سفیر کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔

عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ - 1

غزوہ بدر کے دوران عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ایک معرکہ میں حصہ لیا جہاں آپ نے اپنے مخالف کو جان لیوا زخمی کیا لیکن خود بھی زخمی ہوئے۔ جب اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے جایا گیا تو آپ نے تصدیق کی کہ وہ شہید ہیں۔ اپنی وفات سے پہلے عبیدہ رضی اللہ عنہ نے تبصرہ کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب کا درج ذیل شعر ان پر زیادہ قابل اطلاق تھا: ”ہم ان کی حفاظت کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک کہ ہم زخمی ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد گر نہ جائیں۔ اپنے بچوں اور بیویوں سے بالکل غافل رہنا۔“ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 500-501 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4

”اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔“

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7

”اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔“

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ” تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

زید بن دثینہ رضی اللہ عنہ - 1

زید رضی اللہ عنہ کو ایک بار پکڑ کر مکہ کے ایک غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا، جس نے اپنے والد کے قتل کے بدلے میں اسے قتل کرنا چاہا، جسے زید رضی اللہ عنہ نے جنگ کے دوران قتل کر دیا تھا۔ بدر کا اس کی پھانسی سے پہلے ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے، جو ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، اس سے پوچھا کہ کیا وہ چاہتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جگہ بدل لے، تاکہ اسے قتل کر دیا جائے؟ اس کی جگہ پر زید رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ وہ اپنے قتل کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا چبھنے سے زیادہ پسند کریں گے۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے پھر تبصرہ کیا کہ میں نے کبھی کسی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ محبت کرنے والی قوم کو نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہو۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 508-509 میں بحث ہوئی ہے۔

قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ایک اہم جز ہے۔ ایمان کی درحقیقت صحیح مسلم نمبر 165 میں موجود ایک حدیث یہ بتاتی ہے کہ انسان ایمان کی مٹھاس تبھی چکھ سکے گا جب وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ساری مخلوق سے زیادہ محبت کرے گا۔ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث نمبر 168 میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ تمام مخلوقات سے بڑھ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ اس حقیقت کی وجہ سے تمام مسلمان دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی تائید ثبوتوں سے ہونی چاہیے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔

محبت کی پہلی نشانی قرآن پاک میں بیان ہوئی ہے۔ یہ واضح طور پر نصیحت کرتا ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور اس کی محبت اور بخشش چاہتا ہے تو اسے عملی طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ”
”تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کرنے کی کوشش کرے، ان کی روایات کو ان کے قول و فعل پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگیوں میں لاگو کرے۔ انہیں اس کے احکام کی تعمیل کرنی چاہیے اور اس کی ممانعتوں سے بچنا چاہیے۔
باب 59 الحشر، آیت 7

اور جو کچھ رسول نے تمہیں دیا ہے وہ لے لو۔ اور جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔“

کسی کو اپنی روایات میں سے انتخاب اور انتخاب نہیں کرنا چاہئے اور انہیں اپنے طرز عمل میں صرف اس وقت لاگو کرنا چاہئے جب یہ ان کے مطابق ہو۔ جو ایسا کرتا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے جبکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کی پیروی کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس غلط رویہ کی ایک واضح نشانی یہ ہے کہ کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقرر کردہ اعمال کی ترجیح کو بدل دیتا ہے۔ مثلاً وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال کو ترجیح دیں گے جو آپ کے دوسرے اعمال سے کم اہمیت کے حامل ہیں۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 5363 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں ہوتے تو گھر کے کاموں میں گھر والوں کی مدد کرتے لیکن جب نماز کا وقت آتا تو آپ امامت کے لیے نکل جاتے۔ مسجد میں باجماعت نماز اگر کوئی گھر کے کاموں میں اپنے گھر والوں کی مدد کرتا ہے لیکن بغیر کسی عذر کے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے مسجد نہیں آتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل نہیں کر رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اعمال کی ترجیح کو دوبارہ ترتیب دیا ہے۔ مسجد میں نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کے مطابق گھر کے کاموں میں مدد کرنے پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس ترجیح کو دوبارہ ترتیب دیتا ہے تو وہ اس کی روایت پر عمل نہیں کرتا۔ گھر کے کاموں میں گھر والوں کی مدد کرنا بلاشبہ ایک نیک عمل ہے لیکن اگر وہ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل نہیں کر رہے ہیں، خواہ ایسا ہی کیوں نہ ہو۔ درحقیقت وہ صرف اپنی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں۔ یہ ایک اہم نکتہ ہے جسے مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے۔

لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے ، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان نیک اعمال کرنا چھوڑ دیں۔
اس کا مطلب ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر صحیح طریقے سے عمل
کرنے کی پوری کوشش کریں۔

خبيب بن عدی رضی اللہ عنہ - 1

خبيب رضی اللہ عنہ کو ایک بار پکڑ کر مکہ کے ایک غیر مسلم کو بیچ دیا گیا، جس نے اپنے رشتہ دار کے قتل کے بدلے میں اسے قتل کرنا چاہا، جسے خبيب رضی اللہ عنہ نے جنگ کے دوران قتل کر دیا تھا۔ بدر کا خبيب رضی اللہ عنہ نے قتل کے دن اپنے آپ کو صاف کرنے کے لیے استرا کی درخواست کی۔ ایک لونڈی نے اپنے چھوٹے بیٹے کو خبيب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جو ان کے گھر میں استرا کے ساتھ جکڑا ہوا تھا۔ تب اسے احساس ہوا کہ اس نے غلطی کی ہے اور خدشہ ہے کہ خبيب رضی اللہ عنہ اس بچے کو اس کی سزائے موت کے بدلے میں قتل کر دیں۔ اس نے بچے کو اپنی گود میں بیٹھا پایا اور پھر اس نے بچے کو اس کے حوالے کر دیا اور کہا کہ وہ کسی بچے کو کبھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس دن جب پہانسی پر لے جایا جا رہا تھا تو اس نے دو رکعت نماز پڑھنے کی درخواست کی جس کی اسے اجازت دی گئی۔ انہوں نے اسے اس امید پر تشدد کا نشانہ بنایا کہ وہ اسلام چھوڑ دے گا، لیکن وہ ثابت قدم رہا۔ آخر کار اسے مکہ کے غیر مسلموں نے پہانسی دے کر سولی پر چڑھا دیا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 509-510 میں بحث ہوئی ہے۔

ایسے مشکل حالات میں بھی خبيب رضی اللہ عنہ نے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کو برقرار رکھا۔

سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ ایک سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کے زبانی اور جسمانی گناہ شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین نصیحت نہ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ یہ دوسروں کے ساتھ اخلاص کے خلاف ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا بھی شامل ہے۔ ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ ہر اس شخص سے حساب لیا جائے گا جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپ دی جائے تو اسے یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے، چاہے وہ ایک ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ درخت جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سپورٹ کرے کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو قیامت کے دن کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ - 1

غزوہ احد کے دوران قتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے جسم کو انسانی ڈھال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیروں کے حملے سے بچانے کے لیے استعمال کیا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے چہرے کو اس لیے استعمال کیا کہ تیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لگنے سے بچ جائے اور اس کے نتیجے میں آپ کی ایک آنکھ اس کے ساکٹ سے نکل گئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مبارک سالویہ اس پر لگایا، اسے دوبارہ آنکھ کے ساکٹ میں رکھا اور اس کی صحت یابی کی دعا کی۔ آنکھ فوری طور پر ٹھیک ہو گئی اور باقی زندگی کے لیے اس کی دونوں آنکھوں سے بہتر ہو گئی۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 538 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ باب 3 علی عمران، آیت 92 سے مربوط ہے

” تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے ” خرچ نہ کرو۔ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو، یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔“

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کوئی شخص سچا مومن نہیں ہو سکتا، یعنی وہ اپنے ایمان میں نقص رکھتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی پسند کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت کا اطلاق دولت پر ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا مطلب بہت زیادہ ہے۔ اس میں ہر وہ نعمت شامل ہے جسے ایک مسلمان پسند اور پسند کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مسلمان اپنے قیمتی وقت کو ان چیزوں پر صرف کرنے میں خوش ہوتے ہیں جو انہیں خوش کرتی ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان فرضی فرائض سے ہٹ کر وقت دینے سے انکار کرتے ہیں جو ایک دن میں بمشکل ایک یا دو گھنٹے لگتے ہیں۔ لاتعداد مسلمان ابھی تک مختلف خوشگوار سرگرمیوں میں اپنی جسمانی طاقت کو وقف کرنے پر خوش ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ اسے ان چیزوں کے لیے وقف کرنے سے انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں، جیسے کہ رضاکارانہ روزہ۔ عام طور پر لوگ ان

چیزوں میں کوشش کرنے میں خوش ہوتے ہیں جن کی وہ خواہش رکھتے ہیں جیسے کہ ضرورت سے زیادہ دولت حاصل کرنا جس کی انہیں ضرورت نہیں ہے خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ انہیں اوور ٹائم کرنا پڑے اور اپنی نیندیں ترک کرنی پڑیں پھر بھی کتنے لوگ اس راہ میں اللہ کی اطاعت میں کوشش کرتے ہیں۔ اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے باز رہنے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے سربلند؟ کتنے لوگ نماز ادا کرنے کے لیے اپنی قیمتی نیند ترک کر دیتے ہیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان ابھی تک حلال دنیاوی اور دینی نعمتوں کے خواہاں ہیں، ایک سادہ سی حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں انہیں تب ہی حاصل ہوں گی جب وہ اپنے پاس موجود نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کریں گے۔ وہ کیسے کم سے کم چیزیں اس کے لیے وقف کر سکتے ہیں اور پھر بھی اپنے تمام خوابوں کو حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں؟ یہ رویہ واقعی عجیب ہے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ - 1

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے ایک غیر مسلم رئیس خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کا سفر کرنے اور اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے وضاحت کی کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام کی خواہش ڈالی اور اسے اس پر غور و فکر کرنے کی صلاحیت عطا کی۔ اس کے بعد اس نے ذکر کیا کہ کس طرح اس نے سرزمین عرب کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف دیکھا حالانکہ ان غیر مسلموں نے اپنی سرزمین میں جو کچھ کیا وہ قابل مذمت تھا اور اسے ایسا محسوس ہوا کہ گویا وہ ان میں سے نہیں ہیں۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ جانتے تھے کہ سچائی یعنی اسلام، بالآخر غالب آئے گا اس لیے اس نے مدینہ کا رخ کرنے اور اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 323 میں بحث کی گئی ہے۔

ہر عمر میں بہت سے لوگ اپنی زندگی کے اندر سے اس قسم کے خالی پن کا تجربہ کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اس احساس کو درمیانی زندگی کے بحران سے بھی جوڑتے ہیں۔ ایک شخص جو اس کا تجربہ کرتا ہے اکثر اپنے مقصد پر سوال اٹھاتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ایک بہت بڑا خلا محسوس کرتا ہے حالانکہ اس کے پاس بہت سی چیزیں ہیں اور بہت ساری دنیاوی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی تخلیق کے اس مقصد کو پورا نہیں کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم حاصل کرنا ہے تاکہ وہ اس کی صحیح اطاعت اور عبادت کر سکیں۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو جدید ترین موبائل فون کا مالک ہے جس میں ابھی تک بہت سی خصوصیات ہیں، ایک خرابی کی وجہ سے وہ اپنے بنیادی مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے جو کہ فون کال کرنا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ یہ دیگر خصوصیات کتنی اچھی ہیں مالک ہمیشہ اس کے حوالے سے ایک خالی محسوس کرے گا کیونکہ فون اپنے وجود کا بنیادی مقصد پورا نہیں کرتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص اپنی زندگی میں خلا محسوس کرے گا خواہ اس کے پاس بہت سی دنیاوی چیزیں ہوں۔ یہ احساس مسلمانوں اور غیر مسلموں کو متاثر کرتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ غیر مسلم ایسا کیوں محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے سے آگے نہیں بڑھ سکتے ہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ وہ کچھ بھی حاصل کر لیں آخر کار وہ اپنی زندگی میں اس خلا کو محسوس کرتے ہیں۔ یہ ان مسلمانوں کو ہوتا ہے جو اپنے واجبات کو بھی پورا کرتے ہیں لیکن جب وہ اپنے مقصد کو صحیح طریقے سے پورا کرنے کے لیے ضروری علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو وہ اس خلا کا تجربہ کرتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں وہ عربی زبان بھی نہیں سمجھتے ہیں اس لیے محض عبادت کرنے سے اس خلا کو پر نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی بھی اس

خلا کو اس وقت تک پر نہیں کرے گا جب تک کہ وہ تخلیق کے اس مقصد کو پورا کرنے کی کوشش نہ کریں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی کے ہر لمحے اس کی صحیح اطاعت اور عبادت کر سکیں۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ - 2

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ خالد رضی اللہ عنہ کو ایک مہم کے سربراہ کے طور پر روانہ کیا جس میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ دونوں میں جھگڑا ہوا اور اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے کر آئے، آپ نے فیصلہ کر دیا۔ خالد نے عمار رضی اللہ عنہ پر تنقید کی اور اس کے نتیجے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو عمار رضی اللہ عنہ کو ناپسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرتا ہے جو عمار رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجتا ہے۔ جب عمار، خالد رضی اللہ عنہ کی مجلس سے باہر نکلے، تو ان کا تعاقب کرتے رہے اور انہیں راضی کرنے کی کوشش کرتے رہے یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے راضی ہو گئے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 102-103 میں بحث ہوئی ہے۔

خالد رضی اللہ عنہ کے رویے میں تبدیلی ان کے گہرے اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو واضح طور پر ظاہر کرتی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک 1 عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیینہ، آیت 5۔

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص " ہو کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ - 3

اپنی خلافت کے دوران، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا، جو جھوٹے نبی طلیحہ السدی اور اس کے پیروکاروں سے لڑنے کے لیے روانہ ہوئے، جو ایک طاقتور بن چکے تھے۔ طاقت طلیحہ نے طائی قبیلے کو اپنے مذہب کی طرف دعوت دی اور انہوں نے ابتدا میں اپنے بہت سے سپاہیوں کو اس کی مہم میں شامل ہونے کے لیے بھیج کر جواب دیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو بھی اس قبیلے کی طرف روانہ کیا، جس قبیلے سے وہ تعلق رکھتے تھے، تاکہ انہیں ارتداد نہ کرنے پر آمادہ کریں۔ آخرکار انہوں نے اس کی نصیحت کو قبول کیا اور اس سے وعدہ کیا کہ وہ ان جنگجوؤں کو واپس بلائے گا جو طلیحہ میں شامل ہونے کے لیے نکلے تھے۔ جب خالد آخرکار عدی سے ملے تو اللہ ان سے راضی ہو گیا، بعد والے نے سابق کو قائل کرنے میں کامیاب کیا کہ وہ طائی قبیلے پر حملہ کرنے سے باز رہیں، حالانکہ ان کے ابتدائی اقدامات کے نتیجے میں کچھ صحابہ کی موت واقع ہوئی، اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ خالد رضی اللہ عنہ بدلہ لینے کے لیے عجلت میں کام کر سکتے تھے لیکن اس کے بجائے وہ تین دن انتظار کرنے پر راضی ہو گئے۔ اس وقت کے اندر قبیلہ طائی کے سپاہی جو شروع میں طلیحہ میں شامل ہونے کے لیے نکلے تھے واپس آگئے اور وہ سب عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں خالد رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج میں شامل ہو گئے۔ انہیں اس پر امام محمد السلابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 430-437 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ کو طائی قبیلے پر حملہ کرنے کا اختیار تھا، پھر بھی اس نے صبر سے انتظار کیا۔ چنانچہ ایک خطرناک اور پرتشدد صورت حال صلح اور امن کی صورت اختیار کر گئی۔

جامع ترمذی نمبر 2012 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غور و فکر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جب کہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

یہ ایک انتہائی اہم تعلیم ہے جس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے مسلمان جو بہت زیادہ نیک اعمال انجام دیتے ہیں اکثر انہیں جلد بازی سے تباہ کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، وہ غصے میں کچھ برے الفاظ کہہ سکتے ہیں جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن جہنم میں جا سکتے ہیں۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2314 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

زیادہ تر گناہ اور مشکلات، جیسے دلائل، اس لیے پیش آتے ہیں کیونکہ لوگ چیزوں کو سوچنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے بجائے جلد بازی میں کام کرتے ہیں۔ ذہانت کی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی بولنے یا عمل کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور صرف اس وقت آگے آتا ہے جب وہ جانتا ہو کہ اس کی بات یا عمل دنیاوی یا دینی معاملات میں اچھا اور فائدہ مند ہے۔

اگر چہ ایک مسلمان کو اعمال صالحہ میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، پھر بھی ان کو انجام دینے سے پہلے غور و فکر کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی نیک عمل کا بدلہ محض اس لیے نہیں ملتا کہ اس کی شرائط اور آداب جلد بازی کی وجہ سے پورے نہ ہوئے ہوں۔ اس سلسلے میں، کسی بھی معاملے میں سوچنے کے بعد ہی آگے بڑھنا چاہیے۔

جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ نہ صرف اپنے گناہوں کو کم کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرے گا بلکہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں پیش آنے والی مشکلات مثلاً جھگڑے اور اختلاف کو کم کر دے گا۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ - 4

اپنی خلافت کے دوران، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا، جو جھوٹے نبی طلیحہ السدی اور اس کے پیروکاروں سے لڑنے کے لیے روانہ ہوئے، جو ایک طاقتور بن چکے تھے۔ طاقت طلیحہ نے طائی قبیلے کو اپنے مذہب کی طرف دعوت دی اور انہوں نے ابتدا میں اپنے بہت سے سپاہیوں کو اس کی مہم میں شامل ہونے کے لیے بھیج کر جواب دیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو بھی اس قبیلے کی طرف روانہ کیا، جس قبیلے سے وہ تعلق رکھتے تھے، تاکہ انہیں ارتداد نہ کرنے پر آمادہ کریں۔ آخرکار انہوں نے اس کی نصیحت کو قبول کیا اور اس سے وعدہ کیا کہ وہ ان جنگجوؤں کو واپس بلائے گا جو طلیحہ میں شامل ہونے کے لیے نکلے تھے۔ جب خالد آخرکار عدی سے ملے تو اللہ ان سے راضی ہو گیا، بعد والے نے سابق کو قائل کرنے میں کامیاب کیا کہ وہ طائی قبیلے پر حملہ کرنے سے باز رہیں، حالانکہ ان کے ابتدائی اقدامات کے نتیجے میں کچھ صحابہ کی موت واقع ہوئی، اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ خالد رضی اللہ عنہ بدلہ لینے کے لیے عجلت میں کام کر سکتے تھے لیکن اس کے بجائے وہ تین دن انتظار کرنے پر راضی ہو گئے۔ اس وقت کے اندر قبیلہ طائی کے سپاہی جو شروع میں طلیحہ میں شامل ہونے کے لیے نکلے تھے واپس آگئے اور وہ سب عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں خالد رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج میں شامل ہو گئے۔ انہیں

اس کے بعد خالد رضی اللہ عنہ کو ان دو عرب قبائل سے لڑنے کا حکم دیا گیا جنہوں نے مرتد ہو گئے تھے: بنو اسد اور بنو قیس۔ قبیلہ طائی کا بنو اسد کے ساتھ صلح کا پرانا معاہدہ تھا اس لیے وہ فوری طور پر ان سے لڑنا نہیں چاہتے تھے اس لیے خالد رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ اگر وہ اس کے بجائے مارچ کر کے بنو قیس کے خلاف لڑیں۔ اس نے ان کی درخواست کو قبول کر لیا، حالانکہ عدی رضی اللہ عنہ اپنی قوم پر ناراض ہو گئے تھے کیونکہ اس نے ان سے تمام دشمنوں سے اسلام کا دفاع کرنے کا مطالبہ کیا تھا، چاہے وہ کوئی بھی ہوں۔ امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 443-444 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

خالد رضی اللہ عنہ نے صحیح دعوت دی کیونکہ وہ طائی قبیلے کو سمجھوتہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں لانا چاہتے تھے جس سے وہ دوبارہ مرتد ہو جائیں۔ وہ واضح طور پر ایک چست قوم

تھے، اس لیے ایسا ہونے کا امکان حقیقی تھا اور اگر وہ جنگ کے دوران ان سے غداری کرتے تو خالد رضی اللہ عنہ کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتے تھے۔

خالد رضی اللہ عنہ نے اسلام کی تعلیمات پر سمجھوتہ کیے بغیر لچکدار انداز میں کام کیا۔ یہ اپنانے کے لیے ایک اہم خوبی ہے۔

بعض دنیوی معاملات میں ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے کردار میں بہتری نہیں لاتے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح ان کی عظیم طاقت اور دانشمندی کی علامت ہے۔ ایمان کے معاملات میں ثابت قدمی ایک قابل تعریف رویہ ہے لیکن اکثر دنیوی معاملات میں اسے صرف ضد کہا جاتا ہے جو کہ قابل ملامت ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدلتے ہیں تو یہ کمزوری کو ظاہر کرتا ہے یا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہے ہیں اور اس وجہ سے وہ ضد کے ساتھ بہتر کے لیے تبدیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بالغ لوگ یہ مان کر نادان بچوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنا رویہ بدل لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہار گئے ہیں جبکہ دوسرے جو اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں وہ جیت گئے ہیں۔ یہ محض بچگانہ ہے۔

درحقیقت ایک ذہین آدمی ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہے گا لیکن دنیوی معاملات میں جب تک گناہ نہ ہو اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے اپنا رویہ بدلے گا۔ لہذا اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے بدلنا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ دراصل ذہانت کی علامت ہے۔

بہت سے معاملات میں، ایک شخص اپنا رویہ تبدیل کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی زندگی میں دوسروں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔ لیکن جو اکثر ہوتا

ہے وہ یہ ہے کہ ضد کی وجہ سے سب ایک ہی حالت میں رہتے ہیں جس سے باقاعدہ اختلاف اور جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔ ایک عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کے ارد گرد کے لوگ اس سے بہتر نہیں ہوتے جو ان کی ضرورت سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی ان کی زندگی کے معیار اور دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کو بہتر بنائے گی جو لوگوں کے ساتھ سرکلر بحث کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ یہ مثبت رویہ بالآخر دوسروں کو ان کا احترام کرنے کا سبب بنے گا کیونکہ کسی کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے حقیقی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ ضدی رہتے ہیں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ناراض پاتے ہیں جس سے ان کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مزید مشکلات پیدا ہوں گی، جیسے کہ ان کی ذہنی صحت۔ لیکن جو لوگ بہتر کے لیے اپناتے اور بدلتے ہیں وہ ہمیشہ امن کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ امن حاصل کر لیتا ہے تو کیا اس سے واقعی کوئی فرق پڑتا ہے اگر دوسرے یہ مانتے ہیں کہ وہ صرف اس لیے بدل گئے کہ وہ غلط تھے؟

آخر میں قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ثابت قدم رہنا قابل تعریف ہے۔ لیکن دنیاوی معاملات میں اور ایسے معاملات میں جہاں کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو انسان کو اپنا رویہ بدلنا سیکھنا چاہیے تاکہ وہ اس دنیا میں سکون حاصل کر سکے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ - 5

اپنی خلافت کے دوران ابوبکر نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جھوٹی نبی طلیحہ اور ان کے پیروکاروں سے لڑنے کے لیے روانہ کیا۔ میدان جنگ میں پہنچ کر خالد رضی اللہ عنہ نے طلیحہ کو ایک چھوٹا مگر خوفناک پیغام بھیجا۔ خط میں لکھا تھا: ”درحقیقت میں آپ کے پاس ایسے لوگوں کے ساتھ آیا ہوں جو موت کو اسی طرح پسند کرتے ہیں جس طرح آپ زندگی سے پیار کرتے ہیں۔“ جب لڑائی شروع ہوئی تو بالآخر طلیحہ کی فوج کو شکست ہوئی اور وہ اپنی جان کے خوف سے میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 446 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

خالد رضی اللہ عنہ کا پیغام واضح طور پر مسلمانوں کے ناقابل شکست ہونے کی ایک بڑی وجہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ چونکہ ان کے پاس یقین کا یقین تھا اس لیے وہ جانتے تھے کہ یا تو وہ جنگ جیت کر ثواب اور دنیاوی نعمتیں حاصل کر لیں گے یا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مارے جائیں گے اور جنت حاصل کر لیں گے۔ آخرت کی ان کی شدید خواہش نے انہیں اپنی جان کی قیمت پر بھی اسلام پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی۔ اس استقامت سے محروم ہوجانا، جس کی جڑیں مضبوط ایمان پر ہیں، یہی وجہ ہے کہ گذشتہ برسوں کے دوران ملت اسلامیہ کی قوت میں کمی آئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4297 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ عنقریب ایک ایسا دن آنے والا ہے جب دوسری قومیں امت مسلمہ پر حملہ آور ہوں گی اور اگرچہ وہ کثیر تعداد میں ہوں گی۔ دنیا کی طرف سے غیر معمولی سمجھا جائے۔ اللہ تعالیٰ دوسری قوموں کے دلوں سے مسلمانوں کا خوف نکال دے گا۔ یہ مسلم قوم کی مادی دنیا سے محبت اور موت سے نفرت کی وجہ سے ہوگا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ابھی تعداد میں کم تھے، پوری قوموں پر غالب آگئے جبکہ مسلمان آج تعداد میں زیادہ ہیں، دنیا میں ان کا کوئی سماجی یا سیاسی اثر و رسوخ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگی اسلام کی تعلیمات کے مطابق بسر کی اور دنیا

کی حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے بجائے آخرت کی تیاری کی۔ جبکہ آج اکثر مسلمانوں نے اس کے برعکس ذہنیت اختیار کر لی ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام گناہوں کی جڑ مادی دنیا کی محبت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو بھی گناہ کیا جاتا ہے وہ اس کی محبت اور خواہش سے کیا جاتا ہے۔ مادی دنیا کو چار پہلوؤں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کے رشتہ دار اور دوست۔ یہ ان چیزوں کے زیادہ حصول میں ہے جو گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں، جیسے کہ قسمت کی محبت میں ناجائز دولت کمانا۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ دولت اور اختیار کی محبت ایمان کے لیے اس تباہی سے زیادہ تباہ کن ہے کہ اگر دو بھوکے بھیڑیوں کو بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جائے۔ جب بھی لوگ مادی دنیا کے ان پہلوؤں کی زیادتی کے خواہاں ہوتے ہیں تو یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بنتا ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ختم ہو جاتی ہے جو مصیبت کے سوا کچھ نہیں دیتی۔

حالانکہ بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ مادی دنیا کی ضرورت سے زیادہ چیزوں کا تعاقب کرنا نقصان دہ ہے یہ وہ چیز ہے جس کے خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں تنبیہ کی ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 3158 میں موجود ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کی غربت سے نہیں ڈرتا تھا۔ اسے جس چیز کا اندیشہ تھا وہ یہ تھا کہ مسلمان اس مادی دنیا کی زیادتی کے پیچھے لگ جائیں گے، جیسے کہ دولت کی زیادتی، اور اس کی وجہ سے وہ اس پر ایک دوسرے سے مقابلہ کریں گے اور یہ ان کی تباہی کا باعث بنے گا۔ جیسا کہ اس حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ یہ گزشتہ امتوں کا طرز عمل تھا۔

چونکہ مادی دنیا محدود ہے یہ ظاہر ہے کہ اگر لوگ اپنی ضروریات سے زیادہ چاہیں تو اس میں مقابلہ کرنا پڑے گا۔ یہ مقابلہ انہیں ان خصوصیات کو اپنانے پر مجبور کرے گا جو ایک سچے مسلمان کے کردار سے متصادم ہوں، جیسے کہ دوسروں کے لیے حسد اور دشمنی۔ وہ ایک دوسرے کی دیکھ بھال کرنا چھوڑ دیں گے کیونکہ وہ مادی دنیا کو جمع کرنے اور جمع کرنے میں مقابلہ کرنے میں بہت مصروف ہیں۔ اور وہ صحیح بخاری نمبر 6011 میں موجود ایک حدیث میں دی گئی نصیحت کے خلاف ہوں گے، جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ جب جسم کا کوئی حصہ کسی بیماری میں مبتلا ہو جائے تو باقی جسم کو درد میں شریک ہو کر مسلمانوں کو ایک جسم کی طرح عمل کرنا چاہیے۔ یہ مقابلہ ایک مسلمان کو دوسروں کے لیے وہی پسند کرنا چھوڑ دے گا جو وہ اپنے لیے پسند کرتے ہیں جو کہ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق ایک سچے مومن کی خصوصیت ہے کیونکہ وہ دنیاوی چیزوں میں اپنے ساتھی مسلمانوں پر سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ اس مقابلے پر قائم رہنا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے مادی دنیا کی خاطر محبت، نفرت، دینے اور سب کچھ روکنے کا سبب بنے گا، جو کہ سنن

میں موجود ایک حدیث کے مطابق ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ ابو داؤد، نمبر 4681۔ یہ مقابلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آج کے بہت سے مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہے۔

اگر مسلمان دوبارہ طاقت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اسلام پر اثر انداز ہونا چاہتے ہیں تو انہیں اس مادی دنیا کو حاصل کرنے اور جمع کرنے کی کوشش پر آخرت کی تیاری کو ترجیح دینی چاہیے۔ یہ انفرادی سطح سے ہونا چاہیے جب تک کہ اس کا اثر پوری قوم پر نہ پڑے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ - 6

بلاشبہ سب سے خطرناک جھوٹا نبی مسیلمہ، جھوٹا تھا۔ خلیفہ ابوبکر نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے مسیلمہ کے کچھ پیروکار، جھوٹے کو پکڑ لیا گیا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان کے رہنما سے بات کی اور اسے اسلام کی سچائی قبول کرنے پر زور دیا۔ انہوں نے یہاں تک واضح کر دیا کہ مسیلمہ، جھوٹی، نے جو شاعری کی ہے، وہ ان کو قرآن پاک کی تلاوت کر کے بیکار کوڑے کے سوا کچھ نہیں۔ جب سردار خالد رضی اللہ عنہ کو دینے میں ناکام رہا تو آخر کار آپ نے فرمایا: "تو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے مقابلے میں ہمارے لیے کافی ہے۔ اور وہ اپنے دین کی عزت کرے گا۔ درحقیقت یہ اسی کے خلاف ہے کہ تم لڑ رہے ہو، حالانکہ یہ اسی کا دین ہے جسے تم (تباہ کرنا) چاہتے ہو۔ امام محمد السلابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 490-492 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ خالد رضی اللہ عنہ کے پختہ ایمان کو اجاگر کرتا ہے۔ اس نے اپنی فوج کی قیادت نہیں کی اور مسیلمہ، جھوٹے کو چیلنج نہیں کیا، اپنی اعلیٰ حکمت عملی، افرادی قوت اور ہتھیاروں پر بھروسہ کرتے ہوئے، بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے باطل کو للکارا۔ ایک ایسا بھروسہ جس کی جڑیں مضبوط ایمان پر تھیں۔ یہ مسلمانوں کے لیے ایک واضح سبق ہے کہ وہ ایمان کا یقین حاصل کرنے کے لیے اسلامی علم کو سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے اس کے نقش قدم پر چلیں۔ اس کے ذریعے وہ تمام مشکلات پر کامیابی سے قابو پا لیں گے، جیسا کہ خالد رضی اللہ عنہ نے کیا۔

تمام مسلمان اسلام پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کے ایمان کی مضبوطی ہر شخص میں مختلف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، وہ جو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے کیونکہ ان کے خاندان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اس جیسا نہیں ہے جو ثبوت کے ذریعے اس پر یقین رکھتا ہے۔ جس شخص نے کسی چیز کے بارے میں سنا ہے وہ اس پر اس طرح یقین نہیں کرے گا جس طرح وہ اپنی آنکھوں سے اس چیز کو دیکھ چکا ہے۔

جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ ایک بہترین طریقہ ہے کہ ایک مسلمان اسلام پر اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتا ہے۔ اس کا تعاقب کرنا ضروری ہے کیونکہ جس کے ایمان پر یقین جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اس کے صحیح راستے پر ثابت قدم رہنے کا موقع اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، خاص طور پر جب مشکلات کا سامنا ہو۔ اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر 3849 میں یقین کا یقین رکھنے کو بہترین چیزوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔ یہ علم قرآن پاک اور حدیث نبوی کا مطالعہ کر کے حاصل کیا جانا چاہیے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک معتبر ذریعہ سے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہ صرف ایک حقیقت کا اعلان کیا بلکہ مثالوں کے ذریعے اس کا ثبوت بھی دیا۔ نہ صرف وہ مثالیں جو ماضی کی قوموں میں پائی جاتی ہیں بلکہ ایسی مثالیں جو کسی کی اپنی زندگی میں رکھی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت کی ہے کہ بعض اوقات انسان کسی چیز سے محبت کرتا ہے حالانکہ اگر وہ اسے حاصل کر لیتا ہے تو وہ اسے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح وہ کسی چیز سے نفرت کر سکتے ہیں جبکہ اس میں ان کے لیے بہت سی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

تاریخ میں اس سچائی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے معاہدہ حدیبیہ۔ کچھ مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہ معاہدہ، جو مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا گیا تھا، مؤخر الذکر گروہ کی مکمل حمایت کرے گا۔ اس کے باوجود تاریخ صاف بتاتی ہے کہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 2731 اور 2732 میں موجود احادیث میں مذکور ہے۔

اگر کوئی اپنی زندگی پر غور کرے تو انہیں بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی جب وہ یقین کرتے تھے کہ کوئی چیز اچھی تھی جب وہ ان کے لیے بری تھی اور اس کے برعکس۔ یہ مثالیں اس آیت کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں اور ایمان کو مضبوط کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

ایک اور مثال باب 79 عن نازیات، آیت 46 میں ملتی ہے

”جس دن وہ (قیامت کے دن) کو دیکھیں گے کہ گویا وہ اس دنیا میں ایک دوپہر یا صبح کے سوا“
”باقی نہیں رہے تھے۔“

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو صاف نظر آئے گا کہ کتنی بڑی سلطنتیں آئیں اور گئیں۔ لیکن جب وہ چلے گئے تو ان کا اس طرح انتقال ہو گیا گویا وہ ایک لمحے کے لیے زمین پر ہیں۔ ان کی چند نشانیوں کے علاوہ باقی سب ایسے مٹ گئے ہیں جیسے وہ زمین پر پہلے کبھی موجود ہی نہیں تھے۔ اسی طرح، جب کوئی اپنی زندگی پر غور کرے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ چاہے وہ کتنے ہی بوڑھے کیوں نہ ہوں اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ان کی مجموعی زندگی کتنی ہی سست محسوس ہوئی ہو گی۔ اس آیت کی سچائی کو سمجھنا انسان کے یقین کو مضبوط کرتا ہے اور اس سے انہیں تحریک ملتی ہے کہ وہ وقت ختم ہونے سے پہلے آخرت کی تیاری کریں۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ لہذا انسان کو ان الہی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ یقین کو اپنا سکے۔ جو اس کو حاصل کر لے گا وہ کسی بھی مشکل سے متزلزل نہیں ہوگا اور اس راستے پر ثابت قدم رہے گا جو جنت کے دروازوں کی طرف جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

”ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ“
”یہ حق ہے۔“

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ - 7

خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کی طرف جانے کا حکم ملنے کے بعد، رومی سلطنت کے ساتھ مشغولیت کے لیے، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عراق سے شام کا انتہائی خطرناک راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ رومیوں کو خبردار کرنے سے بچنے کے لیے، جو اپنی سرحدوں کی حفاظت کر رہے تھے۔ لمبے اور کٹھن سفر کی تیاری کے لیے عملی اقدامات کرنے کے بعد انہوں نے تبصرہ کیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد ایک مسلمان کے ساتھ ہے انہیں کسی بھی مشکل سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 605-606 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

خالد رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے دونوں پہلو پورے کئے۔ پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ اسباب کو ان طریقوں سے استعمال کیا جائے جو اس کو راضی کریں۔ اور دوسرا یہ کہ یقین کے ساتھ اس بات کا یقین ہو کہ صورت حال کا نتیجہ، جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے ہوتا ہے، اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہو گا۔

مسلمان اکثر سوال کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اپنا بھروسہ کیسے مضبوط اور مضبوط کر سکتے ہیں، خاص طور پر مشکلات کے وقت۔ اس کا ایک اہم طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا۔ یہ اس لیے کہ جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے، وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو مانتا رہے گا، ان کی مدد نہیں کرے گا جس کے نتیجے میں اس پر ان کا اعتماد کمزور ہو جاتا ہے۔ جبکہ فرمانبردار مسلمان اس بات پر پختہ یقین رکھے گا کہ جس طرح انہوں نے اپنی ذمہ داریاں پوری کر دی ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ضرورت کے وقت ان کا ضرور جواب دے گا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ پر ان کا بھروسہ مضبوط ہو گا۔

اس کے علاوہ صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک حدیث یہ نصیحت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کے بارے میں اس کے تصور کے مطابق جواب دیتا ہے۔ نافرمان انسان

اپنی نافرمانی کی وجہ سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں منفی خیالات رکھتا ہے۔ جبکہ ایک فرمانبردار مسلمان ان کی اطاعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمیشہ مثبت خیالات رکھتا ہے۔ یہ سوچ اللہ تعالیٰ پر ایک مسلمان کے اعتماد کو کمزور یا مضبوط کر سکتی ہے۔ فرمانبردار مسلمان اس بات پر بھروسہ کرتے ہیں کہ اگر وہ تجارتی معاہدے کے اپنے پہلو کو پورا کرتے ہیں تو ان کا کاروباری ساتھی بھی ایسا ہی کرے گا۔ اسی طرح ایک فرمانبردار مسلمان اس بات پر بھروسہ کرتا ہے کہ جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اپنے فرائض ادا کیے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی زندگی بھر بالخصوص مشکلات میں مدد کرتے ہوئے اپنے وعدوں کو پورا کرے گا۔ جبکہ، جو شخص کسی کاروباری معاہدے کے اپنے پہلو کو پورا نہیں کرتا ہے وہ اعتماد نہیں کرے گا یا امید نہیں کرے گا کہ اس کا کاروباری پارٹنر ان کی طرف کو پورا کرے گا۔ اسی طرح ایک نافرمان شخص اس بات پر بھروسہ نہیں کرے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا کیونکہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکام رہے ہیں۔

نتیجہ اخذ کرنا، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا اور اس کی تعمیر کا براہ راست تعلق اس کی اطاعت سے ہے۔ جتنا زیادہ فرمانبردار ہوگا وہ اس پر اتنا ہی زیادہ بھروسہ کرے گا۔ وہ جتنا کم فرمانبردار ہوں گے اتنا ہی اس پر بھروسہ کریں گے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ - 8

شام کی مہم کے دوران مسلم لشکروں کے قائدین نے خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اجازت سے یرموک کی سرزمین کی طرف پسپائی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا جو رومی سلطنت کی سرحد کے قریب تھی۔ ابوبکر نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تمام لشکروں کا سربراہ مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے قائدین کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے ایک خط لکھا لیکن ان کی اعلیٰ خصوصیات کو اجاگر کرنے کے لیے بھی وہ اپنے راستے سے ہٹ گئے تاکہ وہ خالد رضی اللہ عنہ کی تقرری پر خود کو الگ تھلگ محسوس نہ کریں۔ خالد رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا جیسا کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے درمیان کوئی منفی جذبات پیدا ہوں۔ لیکن چونکہ یہ قائدین اللہ تعالیٰ سے راضی صحابی تھے، جو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے طالب تھے، انہوں نے اس کی قیادت کا کھلے دل سے استقبال کیا۔ اس پر امام محمد السلابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 661-664 میں بحث کی گئی ہے۔

انہوں نے اس طرح برتاؤ کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے متحد تھے نہ کہ دنیاوی وجوہات کے لیے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اکثر منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہو جاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اسی طرح کی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدہ، آیت 2

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔“

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ - 9

جنگ یرموک شروع ہونے سے پہلے، رومی کمانڈروں میں سے ایک جرجہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کھلے میدان میں بات چیت کے لیے ملاقات کی درخواست کی۔ اس نے خالد رضی اللہ عنہ سے اسلام کی کچھ تعلیمات کے بارے میں سوال کیا جن کے بارے میں انہیں یقین نہیں تھا۔ کچھ بنیادی باتیں سننے کے بعد، جیسے مساوات کی اہمیت، اس نے خالد رضی اللہ عنہ امام محمد کے ساتھ مسلمانوں کے کیمپ میں واپس آنے کا فیصلہ کیا اور اسلام قبول کر لیا۔ السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 675-677 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جراح نے ایسے پیچیدہ یا گہرے روحانی مسائل کے بارے میں نہیں پوچھا جس سے وہ حیران ہوا اور نہ ہی اسے اسلام کی حقانیت پر قائل کرنے کے لیے کوئی معجزہ دکھایا گیا، پھر بھی اس نے حق کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور اپنے عقیدے، طرز عمل اور طرز زندگی کو بالکل بدل دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ سچائی کی تلاش میں آیا تھا۔ جب کوئی یہ اعلان کر کے اخلاص اختیار کرے گا کہ وہ سچائی کو قبول کریں گے اور اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کریں گے، خواہ وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو، تو پھر سادہ ترین سچائی، دوسروں کی نظروں سے اوجھل ہونے والی سچائیاں بھی ان کو بالکل بدل دیتی ہیں۔ جبکہ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خوش مزاجی کے ساتھ آتا ہے اور صرف ان چیزوں کو قبول کرتا ہے اور ان کی پیروی کرتا ہے جو ان کو خوش کرتی ہیں اور ان چیزوں کو نظر انداز کر دیتی ہیں جو ان کی خواہشات کو چیلنج کرتی ہیں وہ کبھی حق کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرے گا، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ اسی اخلاص کی وجہ سے تاریخ میں بہت سے لوگوں نے گہرے روحانی تجربات سے نہیں بلکہ آسان ترین چیزوں کا سامنا کرنے کے بعد اسلام قبول کیا۔ اسی اخلاص کو مسلمانوں کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اسلام کی صحیح پیروی اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ - 10

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے آخری الفاظ میں یہ شامل تھا: ”میں نے فلاں فلاں لڑائیاں دیکھی ہیں اور میرے جسم پر کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جس میں ہاتھ کی چوڑائی نہ لگی ہو جس پر تلوار کا وار نہ ہوا ہو یا تیر یا نیزہ نہ چھید گیا ہو، پھر بھی میں حاضر ہوں۔ میرے بستر پر اس طرح مرنا جیسے اونٹ مرتا ہے۔ بزدل کبھی کامیاب نہ ہوں۔ میں نے موت (شہادت) (ان جگہوں پر مانگی جہاں اس کی تلاش کی جا سکتی تھی، لیکن یہ حکم تھا کہ میں اپنے بستر پر مروں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 115-116 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2516 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ کی لامحدود اور مطلق قدرت و اختیار کی طرف اشارہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسا کرنا نہیں چاہا۔ اسی طرح ساری مخلوق مل کر بھی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی اگر اللہ تعالیٰ ان کو نہ چاہے۔ اس کا مطلب صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کائنات میں ہوتا ہے۔ غور طلب ہے کہ یہ نصیحت اس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتی ہے کہ کسی کو دوا جیسے اسباب کا استعمال ترک کر دینا چاہیے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی اسباب کو استعمال کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے پیدا کیا ہے، لیکن اسے سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کے نتائج کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ مثال کے طور پر، وہ بہت سے بیمار لوگ ہیں جو دوائی لیتے ہیں اور اپنی بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ لیکن وہ دوسرے ہیں جو دوائی لیتے ہیں اور ٹھیک نہیں ہوتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک اور عنصر حتمی نتیجہ کا فیصلہ کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مرضی۔ باب 9 توبہ آیت 51

کہہ دو کہ ہم پر ہرگز نہیں مارے جائیں گے مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے۔“

جو اس بات کو سمجھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ان پر اثر انداز ہونے والی ہر چیز سے بچا نہیں جا سکتا تھا۔ اور وہ چیزیں جو ان سے چھوٹ گئیں وہ کبھی حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ نتیجہ جو بھی نکلے خواہ وہ کسی شخص کی خواہش کے خلاف کیوں نہ ہو انہیں صبر کرنا چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہترین انتخاب کیا ہے خواہ وہ نتائج کے پیچھے حکمت کو نہ بھی دیکھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

جب کوئی اس سچائی کو صحیح معنوں میں سمجھ لیتا ہے تو وہ مخلوق پر انحصار کرنا چھوڑ دیتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ وہ انہیں فطری طور پر نقصان یا فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اس کے بجائے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے خلوص نیت سے اس کی حمایت اور حفاظت چاہتے ہیں۔ یہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ انسان کو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ترغیب دیتا ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر مخلوق انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

اس بات کو تسلیم کرنا کہ انسان کی زندگی اور کائنات کے اندر موجود تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھنے کا ایک حصہ ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے اور صرف اس سطحی یقین سے آگے بے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جب یہ بات کسی کے دل میں جم جاتی ہے تو وہ صرف اللہ سے امید رکھتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ وہی ان کی مدد کرنے والا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے۔ حقیقت میں، ایک شخص صرف نقصان سے تحفظ یا کچھ فائدہ حاصل کرنے کے لئے دوسرے کی اطاعت کرتا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی یہ عطا کر سکتا ہے اس لیے صرف وہی اس کی اطاعت اور عبادت کا مستحق ہے۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کسی دوسرے کی اطاعت کو پسند کرتا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ دوسرا انہیں کسی قسم کا فائدہ یا نقصان سے بچا سکتا

ہے۔ یہ ان کے ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ تمام چیزوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے، لہذا
مسلمانوں کو صرف اسی کی اطاعت کرنی چاہیے۔ باب 35 فاطر، آیت 2

اللہ تعالیٰ لوگوں کو جو کچھ بھی رحمت عطا فرمائے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اور جس چیز "
"کو وہ روکے، اس کے بعد اسے کوئی نہیں چھوڑ سکتا۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص کی اطاعت کرنا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب
دیتا ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ مثلاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
اطاعت۔ باب 4 النساء آیت 80

”جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ - 11

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور لوگوں نے آپ کے لیے بہت ماتم کیا۔ اس نے تبصرہ کیا کہ لوگوں کو اس کے لیے رونے کی اجازت دی جانی چاہیے، جب تک کہ وہ بڑبڑاتے ہوئے (گناہ بھری تقریر میں مشغول نہ ہوں۔ انہوں نے یہ کہہ کر بات ختم کی کہ خالد رضی اللہ عنہ کے لیے رونے والوں کو رونا چاہیے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 116-117 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 3127 میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ مشکل کے وقت رونے کی اجازت نہیں ہے، جیسے کہ کسی عزیز کو کھونا۔ یہ غلط ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی موقعوں پر جب کسی کا انتقال ہوا تو روئے تھے۔ مثال کے طور پر جب ان کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو وہ رو پڑے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 3126 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

درحقیقت کسی کی موت پر رونا رحمت کی نشانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں جگہ دی ہے۔ اور صرف وہی لوگ جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں اللہ کی طرف سے رحم کیا جائے گا۔ صحیح بخاری نمبر 1284 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اسی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے پر روئے جو فوت ہو گیا۔

صحیح مسلم نمبر 2137 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کو کسی کی موت پر رونے یا اپنے دل میں ہونے والے غم پر عذاب نہیں دیا جائے گا۔ لیکن ان کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے بارے میں اپنی بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے الفاظ بولیں۔

واضح رہے کہ دل میں غم محسوس کرنا یا آنسو بہانا اسلام میں منع نہیں ہے۔ جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے وہ ہیں رونا، قول و فعل سے بے صبری کا اظہار کرنا، جیسے کپڑے پھاڑنا یا غم میں سر منڈوانا۔ وہ اس طرح کام کرنے والوں کے خلاف سخت انتباہ ہیں۔ اس لیے ان کاموں سے ہر حال میں اجتناب کرنا چاہیے۔ اس طرح کے کام کرنے پر نہ صرف کسی شخص کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے بلکہ اگر مرنے والے نے چاہا اور دوسروں کو اس طرح کرنے کا حکم دیا جب وہ مر گیا تو ان کا بھی جوابدہ ہو گا۔ لیکن اگر مرحوم نے یہ خواہش نہ کی ہو تو وہ کسی قسم کے احتساب سے پاک ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1006 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ سمجھنا عام فہم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کے فعل کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا: جب کہ سابقہ نے اسے اس طرح عمل کرنے کی نصیحت نہیں کی۔ باب 35 فاطر، آیت 18

"...اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ - 1

ابو سعید رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ ان کی والدہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ مال مانگنے کے لیے بھیجا، کیونکہ وہ انتہائی غربت کی زندگی گزار رہے تھے۔ جب وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور بیٹھ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جو شخص بے نیاز ہونا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ، انہیں خود مختار بنا دے گا۔ جو کوئی مانگنے سے باز رہنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ جو شخص اپنے پاس موجود چیزوں پر راضی رہنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہوگا۔ جو شخص ایک اوقیہ (چالیس کے قریب چاندی کے سکے) رکھنے پر دوسروں سے مانگتا ہے تو اس کا مطالبہ بہت زیادہ ہے۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ نے اپنے اونٹ کی قیمت اس سے زیادہ سمجھی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مانگنے سے گریز کیا۔ سنن نسائی نمبر 2596 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6470 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص دوسروں سے مانگنے سے باز رہے گا اسے آزادی دی جائے گی۔ اور جو شخص سچے دل سے صبر کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا کرتا ہے۔ اور جو اس کے پاس ہے اس پر راضی ہو گا وہ خود کفیل ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ صبر سے بڑا کوئی تحفہ نہیں ہے۔

ضرورت پڑنے پر دوسروں سے مدد مانگنے میں کوئی حرج نہیں لیکن مسلمان کو یہ عادت نہیں ڈالنی چاہیے کیونکہ اس سے عزت نفس کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ خطرناک ہو سکتا ہے کیونکہ جو شخص عزت نفس کھو دیتا ہے اس کے گناہوں کا زیادہ امکان ہوتا ہے کیونکہ وہ اس بات کی پرواہ کرنا چھوڑ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو دوسروں کی مدد کے لیے رجوع کرنے سے پہلے ان تمام ذرائع کو بروئے کار لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ لوگوں

کی آزادی عطا فرمائے گا۔ ایک مسلمان کو اپنے اوپر خاص طور پر مشکل کے وقت صبر پر مجبور کرنا چاہیے۔ اس کے حصول کا بہترین طریقہ اسلامی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ مثال کے طور پر جو شخص اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے کہ وہ صبر کرنے والے مسلمان کو بے شمار اجر دے گا اس سے زیادہ صبر کرنے کا امکان اس شخص سے زیادہ ہے جو اس حقیقت سے ناواقف ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا [یعنی حد]۔..."

حقیقی امیر وہ ہے جو محتاج اور چیزوں کا لالچی نہ ہو۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اس پر راضی ہو جاتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے، جو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی صحیح طور پر یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لامحدود علم کے مطابق ہر ایک کو بہترین چیز دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

یہ شخص واقعی امیر ہے جب کہ جو ہمیشہ چیزوں کا لالچی اور محتاج رہتا ہے وہ غریب ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ صحیح مسلم نمبر 2420 کی حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

آخر میں صبر کو اپنانا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ہر عنصر میں اس کی ضرورت ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ آسان الفاظ میں دنیاوی یا دینی معاملات میں کامیابی صبر کے بغیر ممکن نہیں۔

عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ حج کی نیت سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفات کی سرزمین پر پہنچے تو آپ نے خطبہ دیا۔ اس نے جو بات کہی ان میں سے ایک یہ تھی کہ اس نے سود کے ان الزامات کو ختم کر دیا ہے جن پر لوگ اسلام سے پہلے متفق تھے کیونکہ یہ غیر قانونی تھا۔ اس نے سب سے پہلے جس سود کو ختم کرنے کا اعلان کیا وہ ان کے اپنے چچا عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 4، صفحہ 210-211 میں بحث کی گئی ہے۔

معاشرہ تنزلی کا شکار نظر آنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے انصاف کرنا چھوڑ دیا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6787 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ کی ہے کہ پچھلی قومیں تباہ ہوئیں کیونکہ حاکم کمزوروں کو سزا دیتے تھے جب وہ قانون توڑتے تھے لیکن امیر اور بااثر کو معاف کر دیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سربراہ مملکت ہونے کے ناطے اس حدیث میں یہاں تک اعلان فرمایا کہ اگر ان کی اپنی بیٹی نے کوئی جرم کیا تو وہ اس پر پوری قانونی سزا نافذ کریں گے۔ اگرچہ عوام الناس کے ارکان اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے کہ وہ اپنے قائدین کو صرف اپنے اعمال پر قائم رہنے کا مشورہ دے سکیں لیکن وہ اپنے تمام معاملات اور اعمال میں انصاف سے کام لے کر ان پر بالواسطہ اثر ڈال سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد جیسے کہ ان کے بچوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 3544 میں موجود حدیث میں خاص طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے تمام کاروباری معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں خواہ وہ کسی کے ساتھ معاملہ کریں۔ اگر لوگ انفرادی سطح پر انصاف کے ساتھ کام کریں تو کمیونٹیز بہتر طور پر بدل سکتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ لوگ جو بااثر عہدوں پر ہیں، جیسے کہ سیاست دان، چاہے وہ چاہیں یا نہ چاہیں، انصاف سے کام لیں گے۔

مالیاتی سود اس رقم کی نشاندہی کرتا ہے جو قرض دہندہ قرض دہندہ سے سود کی، اس کے علاوہ ایک مقررہ شرح پر وصول کرتا ہے۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت سودی لین دین کی کئی صورتیں رائج تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ فروش نے ایک مضمون فروخت کیا اور قیمت کی

ادائیگی کے لیے ایک وقت کی حد مقرر کی، یہ شرط رکھی کہ اگر خریدار مقررہ مدت کے اندر ادائیگی کرنے میں ناکام رہا تو وہ وقت کی حد کو بڑھا دے گا لیکن مضمون کی قیمت میں اضافہ کر دے گا۔ دوسرا یہ تھا کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو ایک رقم ادھار دی اور یہ شرط رکھی کہ قرض لینے والے کو ایک مقررہ مدت کے اندر قرض کی رقم سے زائد رقم واپس کرنی چاہیے۔ سود کے لین دین کی ایک تیسری شکل یہ تھی کہ قرض لینے والے اور بینڈر نے اس بات پر اتفاق کیا کہ سابقہ قرض ایک مقررہ حد کے اندر ایک مقررہ شرح سود پر ادا کرے گا، اور یہ کہ اگر وہ اس حد کے اندر ایسا کرنے میں ناکام رہے تو قرض دہندہ وقت کی حد بڑھا دے گا لیکن ایک ہی وقت میں سود کی شرح میں اضافہ کرے گا۔ یہ ایسے لین دین ہیں جن پر یہاں مذکور احکام لاگو ہوتے ہیں۔

جو لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں وہ حلال سرمایہ کاری اور مالی مفاد سے حاصل ہونے والے منافع میں فرق کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس الجھن کے نتیجے میں بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر کسی کاروبار میں لگائی گئی رقم سے منافع حلال ہے تو قرض سے حاصل ہونے والے منافع کو کیوں حرام قرار دیا جائے؟ وہ دلیل دیتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی دولت کی سرمایہ کاری کرنے کے بجائے اسے کسی ایسے شخص کو قرض دیتا ہے جو بدلے میں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ایسے حالات میں قرض خواہ قرض خواہ کو منافع کا حصہ کیوں ادا نہ کرے؟ وہ یہ تسلیم کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ کوئی بھی کاروباری منصوبہ خطرے سے محفوظ نہیں ہے۔ کوئی بھی منصوبہ منافع کی مطلق ضمانت نہیں رکھتا۔ لہذا یہ مناسب نہیں ہے کہ اکیلے فنانسر کو ہر حال میں ایک مقررہ شرح پر منافع کا حقدار سمجھا جائے اور اسے نقصان کے کسی بھی امکان سے محفوظ رکھا جائے۔ یہ انصاف کا حصہ نہیں ہے کہ جو لوگ اپنے وسائل وقف کرتے ہیں انہیں کسی بھی مقررہ شرح پر منافع کی ضمانت نہیں دی جاتی جبکہ جو لوگ اپنی دولت کو قرض دیتے ہیں وہ نقصان کے تمام خطرات سے مکمل طور پر محفوظ ہوتے ہیں اور ایک مقررہ شرح پر منافع کی ضمانت دی جاتی ہے۔

ایک عام حلال لین دین میں خریدار اس چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے جسے وہ بیچنے والے سے خریدتا ہے۔ بیچنے والے کو شے بنانے میں لگائی گئی محنت اور وقت کا معاوضہ ملتا ہے۔ دوسری طرف سود سے متعلق لین دین میں، فوائد کا تبادلہ منصفانہ طور پر نہیں ہوتا ہے۔ سود وصول کرنے والے فریق کو اپنے دینے گئے قرض کی ادائیگی کے طور پر ایک مقررہ رقم ملتی ہے اور اس طرح ان کا فائدہ محفوظ ہوجاتا ہے۔ دوسرا فریق قرضے میں دیے گئے فنڈز کا استعمال کر سکتا ہے لیکن یہ ہمیشہ منافع نہیں دے سکتا۔ اگر ایسا شخص ادھار کی رقم کسی ضرورت پر خرچ کرے تو کوئی نفع نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر فنڈز کی سرمایہ کاری کی جاتی ہے تب بھی کسی کو نفع یا نقصان دونوں کا موقع ملتا ہے۔ اس لیے سود سے متعلق لین دین ایک طرف نقصان اور

دوسری طرف منافع یا ایک طرف یقینی اور مقررہ منافع اور دوسری طرف غیر یقینی منافع کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے حلال تجارت مالی سود کے برابر نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، سود کا بوجھ قرض لینے والوں کے لیے قرض کی واپسی کو انتہائی مشکل بنا دیتا ہے۔ اصل قرض اور سود کی ادائیگی کے لیے انہیں کسی اور ذریعے سے قرض بھی لینا پڑ سکتا ہے۔ سود کے کام کرنے کے طریقے کی وجہ سے ان پر واجب الادا رقم اکثر قرض کی ادائیگی کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ یہ مالی دباؤ لوگوں کو اپنے اور اپنے خاندان کے لیے ضروریات زندگی حاصل کرنے سے روک سکتا ہے۔ یہ تناؤ بہت سے جسمانی اور ذہنی مسائل کا باعث بن سکتا ہے۔

بالآخر، اس قسم کے نظام میں صرف امیر امیر تر ہوتے ہیں جبکہ غریب غریب تر ہوتے جاتے ہیں۔

اگرچہ مالی مفادات سے نمٹنا ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے کہ کسی شخص کو دولت حاصل ہوتی ہے لیکن حقیقت میں اس سے ان کا مجموعی نقصان ہی ہوتا ہے۔ یہ نقصان کئی شکلیں لے سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، یہ انہیں اچھے اور حلال کاروباری معاملات کو کھونے کا باعث بن سکتا ہے جو وہ حاصل کر سکتے تھے اگر وہ مالی مفاد سے نمٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مال کو ایسے طریقوں سے استعمال کرنے پر مجبور کر سکتا ہے جو ان کو پسند نہ ہوں۔ مثال کے طور پر، ان کو جسمانی بیماریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی قیمتی غیر قانونی دولت کو اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ اس کو ان طریقوں سے استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو انہیں خوش کرتے ہیں۔ مجموعی نقصان کا ایک روحانی پہلو بھی ہے۔ وہ جتنا زیادہ مالی سود کا سودا کرتے ہیں ان کا لالچ اتنا ہی زیادہ معنی خیز ہوتا جاتا ہے، ان کی دنیاوی چیزوں کی حرص کبھی پوری نہیں ہوتی جو تعریف کے اعتبار سے انہیں غریب بنا دیتی ہے خواہ ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ یہ لوگ دن بھر ایک دنیاوی مسئلے سے دوسرے مسئلے میں جائیں گے اور قناعت حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ وہ اس فضل سے محروم رہیں گے جو حلال کاروبار اور دولت کے ساتھ ہے۔ یہ انہیں مالی مفاد اور دیگر ذرائع سے مزید غیر قانونی دولت حاصل کرنے کی طرف دھکیل سکتا ہے۔ آخرت کا نقصان زیادہ واضح ہے۔ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ چھوڑے جائیں گے کیونکہ کوئی نیک عمل جو حرام سے جڑا ہوا ہو مثلاً حرام مال سے

صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔ یہ طے کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ اس شخص کا قیامت کے دن کہاں تک پہنچنے کا امکان ہے۔

حلال کاروباری لین دین اور سود سے متعلق لین دین میں بہت فرق ہے۔ سابقہ معاشرہ میں فائدہ مند کردار ادا کرتا ہے جبکہ بعد والا اس کے زوال کا باعث بنتا ہے۔ اپنی فطرت کے مطابق مفاد لالچ، خود غرضی، بے حسی اور دوسروں کے ساتھ ظلم کو جنم دیتا ہے۔ یہ دولت کی عبادت کی طرف لے جاتا ہے اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور اتحاد کو ختم کرتا ہے۔ اس طرح یہ معاشرے کو معاشی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے تباہ کر سکتا ہے۔

دوسری طرف صدقہ، سخاوت اور ہمدردی کا نتیجہ ہے۔ باہمی تعاون اور خیرسگالی سے معاشرہ مثبت طور پر ترقی کرے گا جس سے سب کو فائدہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی ایسا معاشرہ ہو جس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ معاملات میں خود غرض ہوں، جس میں امیروں کے مفادات عام لوگوں کے مفادات کے بالواسطہ مخالف ہوں تو وہ معاشرہ مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں رہتا۔ ایسے معاشرے میں محبت اور ہمدردی کی بجائے باہمی رنجش اور تلخی بڑھنے لگتی ہے۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب لوگ اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کریں گے اور پھر اپنی زائد دولت سے خیراتی طریقوں سے خرچ کریں گے یا باہمی طور پر حلال کاروبار میں حصہ لیں گے تو ایسے معاشرے میں تجارت، صنعت اور زراعت میں بہتری آئے گی۔ معاشرے کے اندر زندگی کا معیار بلند ہو گا اور اس میں پیداوار ان معاشروں کی نسبت بہت زیادہ ہو گی جہاں معاشی سرگرمیاں مالی مفاد کی وجہ سے محدود ہیں۔

عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ - 2

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بات کو یقینی بنایا کہ ان کے ساتھ آنے والے ہمیشہ فائدہ مند چیزوں کے بارے میں بات کریں۔ اس کی وجہ سے وہ اس قدر پہچانے گئے کہ عباس نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کی، جو اکثر خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہتا تھا، ان کے سامنے کبھی کسی کی غیبت نہ کرنا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 889 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6593 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیبت اور غیبت کا مفہوم بیان فرمایا۔

غیبت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی کسی کی پیٹھ پیچھے اس طرح تنقید کرے جو اسے ناگوار گزرے حالانکہ یہ سچ ہے۔ جبکہ غیبت غیبت کے مترادف ہے سوائے اس کے کہ قول صحیح نہیں ہے۔ ان گناہوں میں بنیادی طور پر تقریر شامل ہوتی ہے لیکن اس میں دوسری چیزیں شامل ہو سکتی ہیں، جیسے ہاتھ کے اشارے کا استعمال۔ یہ کبیرہ گناہ ہیں اور غیبت کو قرآن مجید میں مردہ لاش کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12

اور ایک دوسرے کی جاسوسی یا غیبت نہ کریں۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ ... "اپنے بھائی کے مرنے پر اس کا گوشت کھائے؟ تم اس سے نفرت کرو گے"

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ گناہ ان اکثر گناہوں سے بھی بدتر ہیں جو انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتے ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو گناہ ہیں وہ اس کی طرف سے معاف ہو جائیں گے اگر گناہ گار سچے دل سے توبہ کر لے۔ لیکن اللہ تعالیٰ غیبت کرنے والے

یا بہتان لگانے والے کو اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو قیامت کے دن غیبت کرنے والے / بہتان لگانے والے کی نیکیاں ان کے شکار کو بطور معاوضہ دی جائیں گی اور اگر ضرورت ہو تو مقتول کے گناہ ان کے غیبت کرنے والے / بہتان لگانے والے کو دیئے جائیں گے جب تک کہ انصاف قائم نہ ہو جائے۔ یہ غیبت کرنے والے / بہتان لگانے والے کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

غیبت صرف اس صورت میں جائز ہے جب کوئی کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچانے کی وارننگ دے رہا ہو اور اس کی حفاظت کر رہا ہو یا اگر کوئی شخص کسی تیسرے فریق کے ساتھ دوسرے کے خلاف شکایت حل کر رہا ہو، جیسے کہ قانونی مقدمہ۔

سب سے پہلے ان کبیرہ گناہوں کے برے نتائج کا علم حاصل کر کے غیبت اور غیبت سے بچنا چاہیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک شخص کو صرف وہ الفاظ ادا کرنے چاہئیں جو وہ خوشی سے اس شخص کے سامنے کہے جو یہ جانتے ہوئے کہ وہ اسے جارحانہ انداز میں نہیں لیں گے۔ تیسرا یہ کہ ایک مسلمان کو دوسرے کے بارے میں صرف اس صورت میں الفاظ ادا کرنے چاہئیں جب وہ کسی دوسرے کے بارے میں یہ یا اس سے ملتے جلتے الفاظ کہنے میں کوئی اعتراض نہ کرے۔ مطلب، انہیں دوسروں کے بارے میں بات کرنی چاہئے کہ وہ کس طرح چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے بارے میں بات کریں۔ آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے عیوب کو ٹھیک کرنے پر توجہ دے اور جب خلوص نیت سے کرے تو یہ اسے دوسروں کی غیبت اور غیبت کرنے سے روکے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصیت بھی اچھی صحبت کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص

کے لیے حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا اس کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67

”اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔“

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ - 1

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دوران اسلامی علم رکھنے والوں کو اپنے قریب رکھتے تھے، خواہ ان کی عمر یا سماجی پس منظر کچھ بھی ہو۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ کی ایک مجلس میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی موجودگی پر تنقید کی، کیونکہ انہیں لگتا تھا کہ وہ بیٹھنے کے لیے بہت کم عمر ہیں۔ ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ قرآن کریم کی سورہ 110 نصر کی تفسیر پوچھی۔ اجتماع میں سے کچھ لوگوں نے اپنی رائے دی جبکہ کچھ خاموش رہے۔ جب انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو انہوں نے مختلف تشریح کی جس سے عمر رضی اللہ عنہ متفق تھے۔ صحیح بخاری نمبر 4294 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ اہل علم کے لیے گہری قدردان تھے اور ہمیشہ ان کی صحبت کے خواہاں رہتے تھے۔ مسلمانوں کو ان لوگوں میں سے ایک بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص حصول علم کے راستے پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔

یہ دونوں جسمانی راستے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کوئی علم حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے، جیسے کہ لیکچرز اور کلاسز میں شرکت کرنا، اور وہ راستہ جس کے ذریعے کوئی شخص بغیر جسمانی سفر کے علم حاصل کرتا ہے۔ اس میں علم کی تمام اقسام شامل ہیں، جیسے علم کے بارے میں سننا، پڑھنا، مطالعہ کرنا اور لکھنا۔ جنت کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں ہیں جو مسلمان کو اس تک پہنچنے سے روکتی ہیں۔ صرف وہی شخص جنت میں جائے گا جس کے پاس ان کا علم ہو اور ان پر کیسے قابو پایا جائے۔ اس کے علاوہ، یہ آسانی سے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی شخص اس دنیا کے کسی شہر تک اس کے محل وقوع اور اس کی طرف جانے والے

راستے کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح جنت ان چیزوں کے بارے میں جانے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی، جیسے اس کی طرف جانے والا راستہ۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کا ارادہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہونا چاہیے۔ جو کوئی دنیوی وجہ سے دینی علم حاصل کرتا ہے، جیسے دکھاوے، وہ جہنم میں جائے گا اگر وہ سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام رہے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اپنے علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ عمل کے بغیر علم کی کوئی قیمت یا فائدہ نہیں ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس حفاظت کے راستے کا علم ہے لیکن اسے اختیار نہیں کرتا اور اس کے بجائے خطرات سے بھرے علاقے میں رہتا ہے۔ اس لیے علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی اپنے علم پر عمل کرتا ہے جس سے تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس قسم سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، درحقیقت یہ ان کے تکبر میں اضافہ کرے گا کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں، حالانکہ وہ گدھے کی طرح ہیں جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہیں جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62: الجمعہ، آیت 5

اور پھر اس پر عمل نہیں کیا (اپنے علم پر عمل نہیں کیا) (اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے)۔“

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ - 2

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے زیادہ بردبار کسی کو نہیں دیکھا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 564 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190

اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد " سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا۔ باب: النور، آیت 22 24

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر... " دے؟

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ - 3

عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر دو لکیریں تھیں جو ان کے آنسوؤں کی وجہ سے تھیں۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 637 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6806 میں موجود ایک طویل حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے سات گروہوں کا تذکرہ کیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سایہ عطا فرمائے گا۔

یہ سایہ ان کو قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے محفوظ رکھے گا جس میں سورج کو تخلیق کے دو میل کے اندر اندر لانے کی وجہ سے ناقابل برداشت گرمی بھی شامل ہے۔ جامع ترمذی نمبر میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ 2421

ان گروہوں میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور روتا ہے۔ اول یہ کہ یہ ردعمل خلوت میں ہوتا ہے مسلمانوں کے اخلاص پر دلالت کرتا ہے، ان کا ردعمل خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ یہ ردعمل بہت سے عوامل کی وجہ سے ہو سکتا ہے جس میں کسی کو ان بے شمار نعمتوں کا ادراک بھی شامل ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں حالانکہ وہ ان کا غلط استعمال کر کے ان کے لیے شکرگزاری کی کمی کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو سمجھنا جب وہ مخلوق سے ان کے گناہوں کو چھپاتا ہے۔ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل برکتیں ملتی رہتی ہیں، یہاں تک کہ جب وہ گناہ کرتے ہیں۔ ایک مسلمان کا ان کے اپنے اعمال کی عکاسی اور تشخیص جو انہیں خلوص دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ کسی کا یہ احساس کہ انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بخشا اور جنت عطا کی جائے گی، نہ کہ ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے، جس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6467 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ یہ ردعمل صرف اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اس مادی دنیا، آخرت، موت، قیامت اور ان کے اعمال پر صحیح معنوں میں غور کرتا ہے۔ جو اس سے غافل رہے گا وہ کبھی یہ نتیجہ حاصل نہیں کر سکے گا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ - 4

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنی زبان کو پکڑا اور اسے حکم دیا کہ اچھی بات کہو تاکہ اس سے ثواب ملے اور برائی سے اجتناب کیا جائے تاکہ سلامتی حاصل ہو۔ جب اس سے اس کے عمل کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے تبصرہ کیا کہ قیامت کے دن انسان کسی بھی چیز سے زیادہ اپنی زبان سے ناراض ہوگا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 642 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2501 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بے ہودہ یا بری بات سے خاموش رہے اور صرف اچھی بات کہے اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں محفوظ رکھے گا۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کیونکہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ان کی تقریر ہے۔ اس کی تئیبہ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ درحقیقت یہ صرف ایک ہی برے لفظ کا استعمال کرتا ہے کہ وہ قیامت کے دن جہنم میں ڈوب جائے جس کی تصدیق جامع ترمذی کی ایک حدیث میں ہوئی ہے۔ نمبر 2314

تقریر تین طرح کی ہو سکتی ہے۔ پہلی بری بات ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ دوسری فضول گفتگو ہے جس سے صرف وقت ضائع ہوتا ہے جس سے قیامت کے دن بڑی پشیمانی ہوگی۔ مزید برآں، گنہگار تقریر کا پہلا قدم اکثر بیہودہ تقریر ہے۔ لہذا اس قسم کی تقریر سے بچنا زیادہ محفوظ ہے۔ آخری قسم اچھی تقریر ہے جسے ہمیشہ اپنانا چاہیے۔ ان پہلوؤں کی بنیاد پر تقریر کا دو تہائی حصہ زندگی سے نکال دینا چاہیے۔

اس کے علاوہ جو زیادہ بولتا ہے وہ صرف اپنے اعمال اور آخرت پر تھوڑا سا غور کرے گا کیونکہ اس کے لیے خاموشی ضروری ہے۔ یہ ان کے اعمال کا اندازہ لگانے سے روک دے گا جو کسی کو مزید نیک اعمال کرنے اور اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس شخص کو پھر بہتر کے لیے تبدیل کرنے سے روکا جائے گا۔

آخر میں، جو لوگ بہت زیادہ بولتے ہیں وہ اکثر دنیاوی چیزوں اور ایسی چیزوں پر بحث کرتے ہیں جو دل لگی اور تفریحی ہیں۔ اس سے وہ ایک ایسی ذہنیت اختیار کریں گے جس کے تحت وہ موت اور آخرت جیسے سنگین مسائل پر بحث کرنا یا سننا پسند نہیں کرتے۔ یہ انہیں آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کرنے سے روک دے گا جس کی وجہ سے وہ ایک بڑے پشیمانی اور ممکنہ عذاب کا باعث بنیں گے۔

ان سب سے بچا جا سکتا ہے اگر کوئی گناہ اور لغو باتوں سے خاموش رہے اور اس کے بجائے صرف اچھی باتیں کہے۔ لہذا اس طرح خاموش رہنے والا دنیا میں مصیبت اور آخرت میں عذاب سے بچ جائے گا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ - 5

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ جب ان پر قرآن مجید نازل ہوا تو انہوں نے اس کی تلاوت کی یہ جانتے ہوئے کہ اس کی آیات کیوں نازل ہوئیں۔ البتہ ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن پاک کی تلاوت کریں گے بغیر علم کے کہ مختلف آیات کیوں نازل ہوئیں۔ پھر لوگ اپنی تشریحات میں اختلاف کریں گے اور اس کی وجہ سے وہ آپس میں لڑ پڑیں گے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حیات صحابہ، جلد 3، صفحہ 261 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے جو قرآن پاک کی وضاحت کرتی ہیں۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنماؤں کے ذریعہ قائم کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ہی دوسرے رضاکارانہ اعمال صالحہ پر عمل کرنا چاہیے اگر اس کے پاس ایسا کرنے کے لیے وقت اور توانائی ہو۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ - 6

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو علم کا سمندر کہا جاتا ہے کیونکہ ان کو علم کا بے شمار عطا کیا گیا تھا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 882 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2645 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بھلائی دینا چاہتا ہے تو اسے اسلامی علم عطا کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اپنے ایمان کی مضبوطی سے قطع نظر دونوں جہانوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان یہ غلط سمجھتے ہیں کہ یہ خیر جس کی وہ خواہش کرتے ہیں وہ شہرت، دولت، اختیار، صحبت اور اپنے کیریئر میں مضمحل ہے، یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہی حقیقی دیرپا بھلائی ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ دینی علم کی ایک شاخ مفید دنیاوی علم ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے حلال رزق کماتا ہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ کہاں کہاں بھلائی ہے لیکن یہ شرم کی بات ہے کہ کتنے مسلمان اس کی قدر نہیں کرتے۔ وہ زیادہ تر معاملات میں اپنے واجبات کو پورا کرنے کے لیے صرف اسلامی علم کا کم سے کم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات جیسی مزید چیزوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ دنیاوی چیزوں پر اپنی کوششیں وقف کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ وہاں حقیقی اچھائی پائی جاتی ہے۔ بہت سے مسلمان اس بات کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ نیک پیشروؤں کو صرف ایک آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سیکھنے کے لیے ہفتوں تک سفر کرنا پڑا، جب کہ آج کوئی اپنا گھر چھوڑے بغیر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود، بہت سے لوگ اس نعمت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو جدید دور کے مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نہ صرف یہ بتا دیا ہے کہ سچی بھلائی کہاں ہے بلکہ اس نیکی کو انگلی کے اشارے پر بھی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بتا دیا ہے کہ ایک ابدی دفن خزانہ کہاں ہے جو دونوں جہانوں میں پیش آنے والے تمام مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ بھلائی تبھی ملے گی جب وہ اسے حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی جدوجہد کریں گے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ - 7

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ تنبیہ کی کہ گناہ گار کو اپنے گناہوں کی سزا سے محفوظ نہیں رہنا چاہیے، کیونکہ یہ رویہ اصل گناہ سے بڑا گناہ ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 912 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نرمی کی وجہ سے اس کے لیے عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کے بجائے وہ انہیں خلوص دل سے توبہ کرنے اور اپنے طرز عمل کو درست کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ جو مسلمان اس بات کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی امید نہیں چھوڑے گا، بلکہ حد سے تجاوز نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر خواہش مندانه سوچ اختیار کرے گا، انہیں کبھی عذاب نہیں دے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سزا میں صرف تاخیر ہوتی ہے جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہیں کرتے۔ پس یہ الہی نام ایک مسلمان میں امید اور خوف پیدا کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو اس تاخیر کو توبہ کرنے اور نیک کاموں کی طرف جلدی کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو اس الہی صفت پر لوگوں کے ساتھ نرمی برتنے ہوئے عمل کرنا چاہیے، خاص طور پر جب وہ برے کردار کا مظاہرہ کریں۔ انہیں دوسروں کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے ان کی غفلت کے لمحات میں ان کے ساتھ نرمی برتنے کی خواہش جس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی بری خصوصیات کے ساتھ نرمی نہیں برتنی چاہئے یہ جانتے ہوئے کہ گناہوں کی سزا میں تاخیر ہوتی ہے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں تب تک ہمیشہ کے لئے ترک نہیں کیا جاتا۔ انہیں بھی چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہوئے نرمی پر ثابت قدم رہیں۔ باب: فصیلات، آیت 34 41

اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس [عمل] سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس " کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ - 8

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے واجب دینی احکام پر استقامت کی تلقین کی اور ان فرائض کی تکمیل کے لیے جو بھی رضا کارانہ اعمال ان کے لیے قابل رسائی بنائے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق یہ ہیں۔ بلند، ان پر۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 916 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک آسمانی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ مسلمان صرف اپنے فرائض کی ادائیگی کے ذریعے ہی اس کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ اور وہ رضاکارانہ عمل صالح کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ وضاحت اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دو قسموں میں تقسیم کرتی ہے۔ پہلا گروہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے واجبات جیسے فرض نماز اور لوگوں کے حوالے سے جیسے فرض صدقہ کی ادائیگی سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ اس کا خلاصہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر پر صبر کرنے سے ہو سکتا ہے۔

دوسری قسم کے وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا جاتا ہے وہ پہلے گروہ سے برتر ہیں کیونکہ وہ نہ صرف اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں بلکہ رضاکارانہ طور پر نیک کاموں میں بھی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا پہی واحد راستہ ہے۔ جو اس کے علاوہ کوئی راستہ اختیار کرے گا وہ اس اہم مقصد کو حاصل نہیں کر سکے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جدوجہد کیے بغیر ولایت حاصل کرنے کے تصور کو یکسر مسترد کرتا ہے۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے وہ محض جھوٹا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 4094 میں موجود حدیث کی تصدیق کی ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو باقی جسم بھی پاک ہو جاتا ہے۔ یہ عمل صالح کی طرف لے جاتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص

اعمال صالحہ مثلاً اپنے واجبات کو ادا نہ کرے تو اس کا جسم نجس ہے یعنی اس کا روحانی دل بھی نجس ہے۔ یہ شخص کبھی اللہ تعالیٰ کے قرب تک نہیں پہنچ سکتا۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سب سے بڑا رضاکارانہ عمل وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہو۔ جو کوئی بھی اپنی روایات کی بنا پر رضاکارانہ نیک اعمال انجام دینے کا انتخاب کرتا ہے اسے شیطان نے دھوکہ دیا ہے کیونکہ کوئی بھی راستہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے قریب نہیں لے جا سکتا سوائے اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے اور اعمال کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ” تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

دوسرے اعلیٰ طبقے میں شامل متقی مسلمان بھی وہ ہیں جو اس مادی دنیا کی غیر ضروری چیزوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ یہ رویہ انہیں اپنی کوششوں کو رضاکارانہ نیک اعمال انجام دینے پر مرکوز کرنے میں مدد کرتا ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت، عداوت، دے کر اور سب کچھ روک کر اپنے ایمان کو مکمل کیا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اس کے بعد جو اہم حدیث زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص فرائض کی ادائیگی اور نفلی اعمال کی انجام دہی میں کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پانچوں حواس کو برکت دیتا ہے تاکہ وہ ان کو اس کی اطاعت میں استعمال کریں۔ یہ نیک بندہ بہت کم گناہ کرے گا۔ ہدایت میں اس: اضافے کی طرف باب 29 العنکبوت، آیت 69 میں اشارہ کیا گیا ہے

”اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔“

یہ مسلمان فضیلت کے اس درجے کو پہنچ جاتا ہے جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک حدیث میں کیا گیا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان عمل کرتا ہے جیسے نماز، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ جو اس درجے تک پہنچ جائے گا وہ اپنے دماغ اور جسم کو گناہوں سے محفوظ رکھے گا۔ یہ وہ ہے جو جب بولتے ہیں تو اللہ کے لیے بولتے ہیں، جب خاموش ہوتے ہیں تو اللہ کے لیے خاموش رہتے ہیں۔ جب وہ کام کرتے ہیں تو اس کے لیے کام کرتے ہیں اور جب وہ خاموش ہوتے ہیں تو اس کی خاطر ہوتے ہیں۔ یہ توحید اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھنے کا ایک پہلو ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ اس مسلمان کی دعا پوری ہو گی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت حاصل ہو گی۔ یہ ان لوگوں کے لیے ایک واضح سبق ہے جو حلال دنیاوی چیزوں کے خواہش مند ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے سوا کسی ذریعہ سے ان کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ کوئی روحانی استاد یا کوئی اور شخص کسی شخص کو اس وقت تک چیزیں نہیں دے سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشش نہ کرے اور ان چیزوں کو حاصل کرنا ان کا مقدر ہو۔

اس حدیث کو ختم کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب صرف اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر پر صبر کرنے کی صورت میں اس کی مخلصانہ اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اور دونوں جہانوں میں کامیابی کا واحد راستہ ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ - 9

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ کہا کہ جب سونے اور چاندی کے پہلے سکے دھاتی سکوں کی شکل میں بنائے گئے تو شیطان نے انہیں پکڑ کر اپنی آنکھوں پر رکھ دیا اور کہا کہ یہ اس کے دل کا پہل ہیں۔ اور اس کی آنکھوں کی خوشی ان کے ذریعے وہ لوگوں کو ظالم اور کافر بننے کی طرف دھکیلتا اور انہیں جہنم کی طرف لے جاتا۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ خوش ہوں گے یہاں تک کہ اگر لوگ تمام دنیاوی چیزوں سے صرف ان سے منسلک ہوں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 924 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کا ایک ریوڑ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مسلمان کا ایمان محفوظ رہے اگر وہ دنیا میں دولت اور شہرت کی تمنا کرے جس طرح شاید ہی کسی بھیڑ کو دو بھوکے بھیڑیوں سے نجات ملے۔ لہذا اس عظیم مثال میں دنیا میں زیادہ دولت اور سماجی حیثیت کے بعد حرص کی برائی کے خلاف سخت تنبیہ ہے۔

دولت کی طلب کی پہلی قسم وہ ہے جب کسی کو دولت سے شدید محبت ہو اور وہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح کا برتاؤ عقلمند شخص کی علامت نہیں ہے کیونکہ ایک مسلمان کو پختہ یقین رکھنا چاہئے کہ ان کے رزق کی ضمانت ہے اور یہ تقسیم کبھی نہیں بدل سکتی۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ شخص بلا شبہ اپنے فرائض میں کوتاہی کرے گا کیونکہ وہ دولت کے حصول میں بہت زیادہ مشغول ہے۔ جو جسم دولت کے حصول میں بہت مصروف ہو وہ آخرت کے لیے کبھی بھی مناسب تیاری نہیں کر سکتا۔ درحقیقت یہ شخص دولت کے حصول کے لیے اتنی محنت کرے گا کہ اسے

اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ اس کے بجائے، وہ اس دنیا کو چھوڑ دیں گے اور اسے دوسرے لوگوں کے لئے لطف اندوز کرنے کے لئے چھوڑ دیں گے، اگرچہ اس کے لئے انہیں جوابدہ کیا جائے گا۔ یہ شخص حلال طریقے سے دولت حاصل کر سکتا ہے لیکن پھر بھی اسے ذہنی سکون نہیں ملے گا کیونکہ وہ جتنا بھی حاصل کر لیں وہ صرف اور کی خواہش کرے گا۔ یہ شخص محتاج ہے اور اس لیے حقیقی مفلس ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔

ایک ہی خواہش جو فائدہ مند ہے وہ ہے حقیقی دولت جمع کرنے کی خواہش، یعنی اعمال صالحہ تاکہ واپسی کے دن کی تیاری ہو۔

دوسری قسم کی دولت کی طلب پہلی قسم کی طرح ہے لیکن اس کے علاوہ یہ قسم کے لوگ ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرتے ہیں اور لوگوں کے حقوق مثلاً صدقہ فطر ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس کے خلاف تنبیہ فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 6576 میں موجود ایک حدیث میں آپ نے تنبیہ کی کہ اس رویے نے پچھلی امتوں کو تباہ کر دیا کیونکہ انہوں نے حرام چیزوں کو حلال کیا، دوسروں کے حقوق کو روکا اور مال کی زیادتی کی خاطر دوسروں کو قتل کیا۔ یہ شخص اس دولت کے لیے کوشش کرتا ہے جس کا وہ حقدار نہیں ہے جس سے بے شمار کبیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ جب کوئی یہ رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ شدید لالچی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود ایک حدیث میں لالچی شخص اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ درحقیقت سنن نسائی میں موجود ایک حدیث نمبر 3114 میں خبردار کیا گیا ہے کہ ایک سچے مسلمان کے دل میں شدید لالچ اور سچا ایمان کبھی جمع نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی مسلمان اس قسم کی حرص کو اختیار کرے تو اس کا شدید خطرہ ان پڑھ مسلمان پر بھی واضح ہے۔ یہ ان کے ایمان کو تب تک تباہ کر دے گا جب تک کہ تھوڑی سی چیز کے سوا کچھ باقی نہ رہے جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ کسی کے ایمان کی یہ تباہی دو بھوکے بھیڑیوں کی تباہی سے زیادہ شدید ہے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ مسلمان اپنی موت کے وقت اپنے پاس موجود تھوڑے سے ایمان کو کھونے کا خطرہ رکھتا ہے، جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ - 10

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ خانہ کعبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کی، اس کی تعظیم اور برکت کی۔ لیکن مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ مقدس ہے۔ اس پر صالح احمد الشامی، معاذ الصحابہ، صفحہ 553 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 67 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اسلام میں مسلمان کا خون، مال اور عزت حرمت ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، مسلمانوں کو سکھاتی ہے کہ کامیابی صرف اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے حقوق، جیسے فرض نماز، اور لوگوں کے حقوق کو ادا کرے۔ ایک کے بغیر دوسرا کافی اچھا نہیں ہے۔

سچا مومن اور مسلمان وہ ہے جو دوسروں کے نفس اور مال سے ان کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عمل یا الفاظ سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچائیں۔

ایک مسلمان کو دوسروں کے مال کا احترام کرنا چاہیے اور انہیں غلط طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، مثال کے طور پر، قانونی معاملے میں۔ صحیح مسلم نمبر 353 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اگرچہ اس نے حاصل کی ہوئی چیز درخت کی ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے مال کو صرف ان کی خواہش کے مطابق استعمال کریں اور انہیں اس طریقے سے واپس کریں کہ اس کے مالک کی خوشنودی ہو۔

غیبت یا غیبت جیسے فعل یا تقریر سے کسی مسلمان کی عزت کو پامال نہیں کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کی عزت کا دفاع کرے خواہ ان کی موجودگی میں ہو یا غیر موجودگی میں کیونکہ یہ جہنم کی آگ سے ان کی حفاظت کا باعث بنے گا۔ جامع ترمذی نمبر 1931 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہوئے اپنے نفس، مال یا عزت پر ظلم کرنے سے گریز کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ جس طرح کوئی اسے اپنے لیے پسند کرتا ہے اسے دوسروں کے لیے بھی پسند کرنا چاہیے اور اسے اپنے عمل اور تقریر سے ثابت کرنا چاہیے۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق یہ مومن کی نشانی ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ - 11

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے پیشروؤں کی طرح تقویٰ اختیار کیا اور اپنے گورنروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دی۔ جن لوگوں کو اس نے مقرر کرنا چاہا ان میں سے بہت سے لوگوں نے اپنے تقویٰ کی وجہ سے انکار کر دیا، وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے تھے، جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، جنہوں نے شام میں حمص کی گورنری سے انکار کیا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 57-58 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ کسی چیز کی طرف لے جائے۔ جو کہ نقصان دہ ہے

تقویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ اس میں دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا بھی شامل ہے جیسا کہ کوئی چاہتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ سلوک کیا جائے۔

تقویٰ کا ایک پہلو ان چیزوں سے بچنا ہے جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام کے قریب لے جاتی ہیں۔ اور حرام کے جتنا قریب ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ جو شخص حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے اور صرف حلال چیزوں کو استعمال کرتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔

اگر معاشرے میں گمراہی کا شکار ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثلاً فضول اور فضول کلامی معنی، ایسی تقریر جس سے نہ کوئی فائدہ ہو اور نہ گناہ، اکثر غیبت، جھوٹ اور غیبت جیسی بری بات کا باعث بنتا ہے۔ اگر کوئی شخص لغو باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بری بات سے بچتا ہے۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔ اس لیے ایک مسلمان کو تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، جس کی ایک شاخ یہ ہے کہ باطل اور مشتبہ چیزوں سے اس خوف سے بچیں کہ وہ حرام کی طرف لے جائیں گے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ - 12

علی ابن ابی طالب نے ایک بار عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور انہیں نصیحت کی کہ آدمی اس چیز سے محروم ہو جائے گا جس کا اس کے پاس کبھی ہونا نہیں تھا۔ اور وہ اس چیز کو حاصل کرنے پر خوش ہے جسے وہ کبھی نہیں کھو سکتا تھا۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ آخرت کے حوالے سے جو کچھ حاصل کرے اس پر راضی ہو جائے اور جو کچھ اس سے چھوٹ جائے اس پر افسوس کرے۔ کسی کو دنیوی چیزوں پر خوش نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی ان دنیوی چیزوں پر غمگین ہونا چاہئے جن سے وہ محروم ہے۔ انہیں اس بات کی زیادہ فکر ہونی چاہیے کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے۔ امام محمد السلابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 580 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک چیز جو کسی شخص کو تناؤ سے بچنے میں مدد دے سکتی ہے وہ ہے متوازن ذہنی حالت کو اپنانا۔ یہ تب ہوتا ہے جب کوئی اپنے جذبات کو اس طرح قابو میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ خود کو انتہائی جذباتی حالتوں کا تجربہ نہ ہونے دے کیونکہ یہ اکثر تناؤ اور ذہنی عارضے کا باعث بنتے ہیں۔ قرآن مجید کی سورہ 57 الحدید آیت 23 میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے

تاکہ تم اس چیز پر نا امید نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس " پر فخر نہیں کریں گے۔"

اسلام کسی کو جذبات کے اظہار سے منع نہیں کرتا کیونکہ یہ انسان ہونے کا ایک حصہ ہے۔ لیکن یہ دماغ کی متوازن حالت کا مشورہ دیتا ہے جس کے تحت کوئی ایک انتہائی جذبات سے دوسرے جذبات میں نہیں جھولتا۔ مشکل حالات میں اداس ہونا قابل قبول ہے لیکن مایوس نہیں ہونا چاہیے، جو کہ انتہائی اداسی ہے، کیونکہ یہ اکثر دیگر ذہنی عوارض جیسے کہ ڈپریشن کا باعث بنتا ہے۔ اور خوش رہنا قابل قبول ہے لیکن انسان کو ضرورت سے زیادہ خوش نہیں ہونا چاہیے یعنی خوش ہونا، کیونکہ یہ اکثر دونوں جہانوں میں گناہوں اور پشیمانیوں کا باعث بنتا ہے۔ ایک مسلمان کو مشکل کے وقت ان لاتعداد نعمتوں کو یاد کر کے ایک متوازن ذہنی حالت حاصل کرنے کی کوشش

کرنی چاہئے جو اس کے پاس اب بھی موجود ہیں جو کہ انتہائی اداسی یعنی مایوسی کو روکتی ہیں۔ اور آسانی کے وقت ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو چیز انہیں خوش کرتی ہے اس کے لیے ان سے جوابدہ ہو گا اور اگر وہ اس کا غلط استعمال کریں گے یا اس سے منسلک فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے تو انہیں اس کی سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ یہ کسی کو حد سے زیادہ خوش ہونے سے روکے گا، یعنی پرجوش۔

دماغ کی متوازن حالت ہمیشہ بہترین ہوتی ہے جو انتہائی موڈ کے منفی اثرات کو روکتی ہے۔ یہ ایک مسلمان کو حقیقی ذہنی سکون اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے قریب لے جائے گا، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ - 13

اپنی خلافت کے دوران، علی ابن ابوطالب رضی اللہ عنہ، باغیوں کو مسلمانوں کے مرکزی جسم کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے بے چین تھے۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ان سے بحث کرنے کی اجازت دے دی۔

باغیوں نے دعویٰ کیا کہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین معاملات ہیں۔ پہلی بات یہ تھی کہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس نے اپنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ثالثی کا فیصلہ مردوں پر چھوڑ دیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ صرف اسی کا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی، جیسے عائشہ، طلحہ، عز زبیر اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر، پھر بھی اس نے ان کے ہتھیاروں کے علاوہ (کوئی مال غنیمت نہیں لیا۔ یا ان سے اسیر۔ اگر وہ کافر تھے تو اسے مال غنیمت اور قیدی لینا چاہیے تھا۔ اگر وہ مومن ہوتے تو اسے پہلے ان سے جنگ نہیں کرنی چاہیے تھی۔ ان کا تیسرا مسئلہ یہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ثالثی کی دستاویز سے اپنا خلیفہ اور امیر المومنین کا لقب مٹا دیا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تمام احمقانہ مسائل کا جواب دیا۔ انہوں نے انہیں یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو لوگوں کو قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے ذریعے لاگو کرنا چاہیے۔ اس نے دلیل کے طور پر درج ذیل آیات کی تلاوت کی: باب 5 المائدہ، آیت 95

اے ایمان والو، حالت احرام میں کھیل کو قتل نہ کرو۔ اور تم میں سے جو بھی اسے جان بوجھ کر مارے تو قربانی کے جانوروں کی سزا اس کے قتل کے برابر ہے، جیسا کہ تم میں سے دو عادل آدمیوں کی طرف سے فیصلہ کیا جائے گا۔

:اور باب 4 النساء آیت 35

اور اگر تم دونوں کے درمیان اختلاف کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث اس کی قوم سے اور ایک ثالث اس کی قوم سے بھیج دو۔ اگر وہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان صلح کرا دے گا۔

ان کی دوسری بات کے بارے میں آپ نے انہیں بتایا کہ جب تک وہ مسلمان ہیں عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی والدہ تھیں اور انہیں غلام بنا کر لینا جائز نہیں تھا۔ کوئی بھی عقل مند اس کو قبول نہیں کرے گا۔ باب 33 الاحزاب، آیت 6

نبی مومنین کے لیے ان کی جانوں سے زیادہ حق دار ہیں اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔“

ان کے تیسرے مسئلہ کے بارے میں کہ جب غیر مسلموں نے اس پر اعتراض کیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اپنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لقب کو ختم کر دیا۔ وہ اپنا نام لکھنا چاہتا تھا۔ اس نے امن کی خاطر معاہدہ کی تکمیل کے لیے ایسا کیا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو علی رضی اللہ عنہ ان کے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ثالثی کی دستاویز سے ان کے عنوان کو ہٹانے میں ان کی مثال پر عمل کر رہے تھے۔

نتیجتاً تقریباً دو ہزار باغیوں نے بغاوت سے توبہ کر لی لیکن باقی اپنی صریح گمراہی اور دنیاوی چیزوں مثلاً مال و دولت اور زمین میں اختیار حاصل کرنے کی حرص پر ڈٹے رہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے ان کا مقابلہ صرف اپنے دفاع میں کیا تھا کیونکہ انہوں نے واضح کیا تھا کہ وہ انہیں وہ حقوق دیں گے جن کا کوئی بھی مسلمان اس وقت تک حقدار ہے جب تک کہ وہ اسلام کے قوانین کو نہ توڑیں یا کفر کی واضح نشانیاں نہ دکھائیں۔ انہوں نے انہیں متنبہ کیا کہ وہ خون نہ بہائیں، لوگوں کو دہشت زدہ کریں یا سڑکوں پر لوگوں کو لوٹنے میں مشغول نہ ہوں۔ ورنہ وہ ان کے خلاف اعلان جنگ کر دے گا۔ جیسا کہ باغی ان مسلمانوں کو کافر سمجھتے تھے جو ان سے اختلاف کرتے تھے، جن کا خون اور مال ان کے لیے حلال سمجھتے تھے، انہوں نے مسلمانوں کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا شروع کیا۔

انہوں نے علی کو تاکید کی کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ثالثی نہ کریں، حالانکہ وہ سب پہلے ہی اس پر راضی تھے۔ علی رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا کیونکہ وہ اپنے قول میں خیانت نہیں کرنا چاہتے تھے اور ثالثی کرنا درست تھا۔ یہ باغی ان شہروں کو چھوڑنے پر راضی ہو گئے جن میں وہ رہ رہے تھے اور عراق میں نہروان میں فوج میں شامل ہو گئے۔ امام محمد السلابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 260-264 اور 268-273 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ باغی متقی عبادت گزار تھے لیکن انتہائی جاہل تھے اور اسلامی معلومات بہت کم رکھتے تھے۔ نتیجتاً وہ اپنے برے لیڈروں اور دنیاوی چیزوں، جیسے دولت اور قیادت کے لیے ان کی بُری خواہشات کے ذریعے آسانی سے بہ گئے۔ باب 18 الکہف، آیات 103-105

کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والوں کے بارے میں بتائیں گے؟ یہ وہ " لوگ ہیں جن کی محنت دنیا کی زندگی میں ضائع ہو گئی، حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات اور اس سے ملاقات کا انکار کیا تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن [اہمیت] مقرر نہیں کریں گے۔"

ایک بڑا خلفشار جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکتا ہے وہ جہالت ہے۔ یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ یہ ہر گناہ کی اصل ہے کیونکہ جو گناہوں کے نتائج کو صحیح معنوں میں جانتا ہے

وہ کبھی بھی گناہ نہیں کرے گا۔ اس سے مراد حقیقی فائدہ مند علم ہے جو وہ علم ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے۔ درحقیقت وہ تمام علم جس پر عمل نہ کیا جائے وہ فائدہ مند علم نہیں ہے۔ اس طرز عمل کی مثال قرآن پاک میں اس گدھے کی طرح بیان کی گئی ہے جو علم کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5

اور پھر اس پر عمل نہیں کیا۔ (اس گدھے کی مانند ہے جو کتابوں کی ... " کثرتیں اٹھائے ہوئے ہے۔

جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے وہ شاذ و نادر ہی پھسلتا ہے اور جان بوجھ کر گناہ کرتا ہے۔ درحقیقت، جب ایسا ہوتا ہے تو یہ صرف جہالت کے ایک لمحے کی وجہ سے ہوتا ہے جہاں ایک شخص اپنے علم پر عمل کرنا بھول جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ گناہ کرتا ہے۔

نمبر 2322 میں موجود جامع ترمذی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک حدیث میں جاہلیت کی سنگینی پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ مادی دنیا کی ہر چیز ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے۔ اس ذکر سے جو بھی تعلق ہے، عالم اور طالب علم۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی دنیا کی تمام نعمتیں جاہل کے لیے لعنت بن جائیں گی کیونکہ وہ ان کا غلط استعمال کر کے گناہوں کا ارتکاب کریں گے۔

درحقیقت جہالت کو انسان کا بدترین دشمن سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اسے اپنے آپ کو نقصان سے بچانے اور فائدہ حاصل کرنے سے روکتی ہے یہ سب کچھ صرف علم پر عمل کرنے سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جاہل ان سے بے خبر ہو کر گناہ کرتا ہے۔ کوئی گناہ سے کیسے بچ سکتا ہے اگر وہ نہیں جانتا کہ گناہ کیا ہے؟ جہالت انسان کو اپنے فرائض سے غفلت کا باعث بنتی ہے۔ اگر وہ اپنے فرائض سے ناواقف ہوں تو اپنے فرائض کیسے ادا کر سکتے ہیں؟

لہذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اتنا علم حاصل کریں کہ وہ اپنے تمام واجبات کو پورا کر
میں موجود حدیث سے 224 نمبر سکیں اور گناہوں سے بچ سکیں۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ
ہوتی ہے۔ -

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ - 14

جب عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور انہیں دفن کیا جا رہا تھا تو ایک سفید پرندہ ان کے کفن میں داخل ہوا اور لوگوں کے تلاش کرنے کے باوجود وہ نہ ملا۔ ان کی تدفین کے دوران لوگوں نے غیب سے ایک آواز سنی جو سورۃ 89 الفجر آیت 27 تا 30:

اے اطمینان والی روح، اپنے رب کی طرف لوٹ جا، خوش اور خوش ہو کر، اور میرے [نیک]"
"بندوں میں داخل ہو جا، اور میری جنت میں داخل ہو جا۔"

اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 3، صفحہ 567-568 میں بحث ہوئی ہے۔

جیسا کہ اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے، ایک مسلمان صرف اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت راضی ہو گا جب وہ اس سے اور اس کے احکام سے راضی ہو گا۔ اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے کوئی یہ حاصل کر سکتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے ایک سادہ سی بات کو سمجھنا ضروری ہے جو ان کو تقدیر اور اس سے پیش آنے والی مشکلات کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔ ایک شخص خوشی خوشی ایک کڑوی دوا لیتا ہے جسے اس کا ڈاکٹر اس کے علم، تجربے اور انتخاب پر مکمل بھروسہ کرتے ہوئے تجویز کرتا ہے جب تک کہ اس کا ڈاکٹر جانتا ہے کہ اس کے لیے کیا بہتر ہے۔ یہ سچ ہے اگرچہ وہ صرف انسان ہیں اور غلطیوں کا شکار ہیں۔ اس کے باوجود، بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ پر اسی سطح پر بھروسہ کرنے میں ناکام رہتے ہیں، حالانکہ اس کا علم لامحدود ہے اور اس کے انتخاب ہمیشہ دانشمندانہ ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تقدیر اور اس سے آنے والی پریشانیوں کو قبول کرنے کی کوشش کریں جس طرح وہ کڑوی دوا کھاتے ہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ انہیں یہ سمجھنا چاہئے کہ ان کو جن پریشانیوں اور

مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ان کے لئے بہترین ہیں چاہے وہ ان میں موجود حکمتوں کو نہ سمجھیں یا ان کا مشاہدہ نہ کریں جس طرح وہ کڑوی دوائیوں کے پیچھے موجود سائنس کو خوشی سے نہیں سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اکثر معاملات میں وہ کڑوی دوائیوں کے پیچھے سائنس کو کبھی نہیں سمجھ پائیں گے ایک وقت ضرور آئے گا، چاہے اس دنیا میں ہو یا آخرت میں، جب ان کو درپیش تلخ مشکلات کے پیچھے کی حکمت ان پر آشکار ہوگی۔ لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس وقت صبر کے ساتھ یہ جانتے ہوئے کہ جلد ہی سب کچھ ظاہر ہو جائے گا۔ اس پر گہرائی سے غور کرنے سے مشکلات کا مقابلہ کرتے وقت صبر میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ حج کی نیت سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ میں جانوروں کی قربانی کے مقام پر پہنچے تو آپ کے چھوٹے چچا زاد بھائی فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اونٹ پر اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا۔ ایک نوجوان عورت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے سوال کیا۔ اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے اس نے جسمانی طور پر اپنے کزن کا سر نوجوان عورت سے پھیر دیا تاکہ وہ اسے دیکھ نہ سکے۔ جب اس سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے ایک نوجوان مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے قریب دیکھا ہے اور وہ شیطان پر بھروسہ نہیں کر سکتا یعنی ان پر منفی اثر ڈال رہا ہے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 265 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو غیر قانونی تعلقات کے لالچ میں آنے سے بچنے کے لیے احتیاط کرنی چاہیے۔ سب سے پہلے، انہیں اپنی نظریں نیچی کرنا سیکھنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو ہمیشہ اپنے جوتوں کو گھورنا چاہئے لیکن اس کا مطلب ہے کہ انہیں غیر ضروری طور پر ارد گرد دیکھنے سے گریز کرنا چاہئے خاص طور پر عوامی مقامات پر۔ انہیں دوسروں کو گھورنے سے گریز کرنا چاہئے اور مخالف جنس کا احترام برقرار رکھنا چاہئے۔ جس طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ کوئی اپنی بہن یا بیٹی کو گھورے اسے دوسرے لوگوں کی بہنوں اور بیٹیوں کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ باب 24 النور، آیت 30

مومن مردوں سے کہو کہ وہ اپنی بصارت میں کچھ کمی کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت " ...کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے

جب بھی ممکن ہو ایک مسلمان کو مخالف جنس کے ساتھ اکیلے وقت گزارنے سے گریز کرنا چاہیے جب تک کہ ان کا تعلق اس طرح سے نہ ہو جس سے شادی کی ممانعت ہو۔ صحیح بخاری

نمبر 1862 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تلقین فرمائی ہے۔

مسلمانوں کو لباس پہننا چاہیے اور شائستگی سے پیش آنا چاہیے۔ معمولی لباس پہننا اجنبیوں کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے سے گریز کرتا ہے اور شائستہ برتاؤ کسی کو ابتدائی قدم اٹھانے سے روکتا ہے جو غیر قانونی تعلقات کا باعث بن سکتا ہے جیسے کہ مخالف جنس سے غیر ضروری بات کرنا۔

غیر قانونی تعلقات سے بچنے کی برکات کو سمجھنا خود کو ان سے بچانے کا ایک اور طریقہ ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان اور عفت کی حفاظت کرنے والے کو جنت کی ضمانت دی ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

غیر قانونی تعلقات میں ملوث ہونے کی سزا کے خوف سے بھی ایک مسلمان کو ان سے بچنے میں مدد ملے گی۔ مثال کے طور پر، ایمان اس شخص سے دور ہو جائے گا جو زنا کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4690 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حقیقت میں، ایک مسلمان کو غیر قانونی تعلقات کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ اسلام شادی کا حکم دیتا ہے۔ جو لوگ شادی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ کثرت سے روزہ رکھیں کیونکہ اس سے خواہشات اور اعمال پر قابو پانے میں بھی مدد ملتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 3398 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ - 2

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ حج کی نیت سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ قربانی کے دن کی صبح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا زاد بھائی فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ ان کے لیے کچھ کنکریاں جمع کریں جو منیٰ میں جمرات کو پتھر مارنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ فضل رضی اللہ عنہ نے چھوٹی چھوٹی کنکریاں چن لیں جو ایک گولی میں استعمال کی جا سکتی تھیں اور انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دیا، جو آپ کے انتخاب سے خوش ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر نصیحت فرمائی کہ غلو سے بچو کیونکہ یہ دین میں زیادتی ہے جس نے سابقہ امتوں کو تباہ کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 267 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 39 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ دین سادہ اور سیدھا ہے۔ اور مسلمان کو اپنے اوپر بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے کیونکہ وہ اسے برداشت نہیں کر سکے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو ہمیشہ سادہ دینی اور دنیاوی زندگی گزارنی چاہیے۔ اسلام مسلمانوں سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ اعمال صالحہ کی ادائیگی میں اپنے اوپر بوجھ ڈالیں۔ لیکن درحقیقت یہ سادگی سکھاتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیارا دین ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی، ادب المفرد، نمبر 287 میں موجود ایک حدیث کے مطابق، ایک مسلمان کو سب سے پہلے اپنے ان واجبات کو ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو بلاشبہ اس کی طاقت میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرح پورا کرنا کسی مسلمان پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اس کی تصدیق قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 286 میں ہوتی ہے:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

اس کے بعد انہیں چاہیے کہ وہ اپنے دن میں سے کچھ وقت اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کے لیے نکالیں تاکہ وہ اپنی طاقت کے مطابق قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ روایات پر عمل کر سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے جس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

اگر کوئی مسلمان اس طرز عمل پر قائم رہے تو ان پر ایسی رحمت نازل ہو گی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنے تمام فرائض کو پورا کریں گے اور اس دنیا کی حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے وقت نکالیں گے، بغیر کسی فضول خرچی اور اسراف کے۔

اس طرح ایک مسلمان اپنے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ اور اگر ان کے پاس زیر کفالت ہیں، جیسے کہ بچے، تو انہیں چاہیے کہ انہیں اس طرح سکھائیں، ان کے لیے بھی آسانیاں پیدا کریں۔ خود پر زیادہ بوجھ ڈالنا چیزوں کو مشکل بنا دیتا ہے اور کسی کو مکمل طور پر چھوڑنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اور بہت زیادہ آرام کرنا چیزوں کو مشکل بنا دے گا کیونکہ انسان سستی کی وجہ سے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 1

عثمان بن عفان نے اپنی خلافت کے دوران عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر کرنے کا فیصلہ کیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے بتایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ حج تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک نجات حاصل کرے گا جبکہ باقی دو جہنم میں جائیں گے۔ ناحق یا نادانی سے فیصلہ کرنے والے جہنم میں ہوں گے جبکہ علم اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والا نجات پائے گا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی، حیات صحابہ، جلد صفحہ 99-100 میں بحث کی گئی ہے۔ 2،

اگرچہ یہ واقعہ ججوں کے بارے میں بحث کرتا ہے، لیکن یہ دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے علم رکھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

بعض نے عجیب رویہ اختیار کیا ہے۔ جب ان سے ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے جس سے وہ بے خبر ہوتے ہیں تو وہ سچائی کو تسلیم کرنے کے بجائے ایسا جواب دیتے ہیں جس کی سچائی میں کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ یہ خاص طور پر اسلام سے جڑے معاملات میں ایک سنگین مسئلہ بن سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو غلط معلومات دینے پر سزا مل سکتی ہے جس پر دوسرے عمل کرتے ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نادانی سے چیزوں کو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا۔ ان لوگوں کی وجہ سے اسلام کے ساتھ عجیب و غریب عقائد و رسوم وابستہ ہو گئے ہیں جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے حق سے بہت بڑا انحراف ہے۔ درحقیقت مسلمانوں نے بہت سی ثقافتی رسومات کو اپنایا ہے اور انہیں اسلام کا حصہ ماننا اسی جاہلانہ ذہنیت کی وجہ سے رونما ہوا ہے۔

یہ لوگ یقین رکھتے ہیں کہ اگر وہ محض اعتراف کرتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں جانتے ہیں تو وہ دوسروں کو بے وقوف دکھائی دیں گے۔ یہ ذہنیت اپنے آپ میں انتہائی احمقانہ ہے کیونکہ نیک پیشرو اپنی جہالت کو تسلیم کرنے کی اہمیت پر زور دیتے تھے تاکہ دوسرے گمراہ نہ ہوں۔

درحقیقت، صالح پیش رو صرف اس شخص کو شمار کرتے جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہو اور عقلمندوں میں شمار ہوتا تھا اور ان کے ہر سوال کا جواب دینے والے کو احمق شمار کیا جاتا تھا۔

یہ رویہ اکثر ان بزرگوں میں دیکھنے میں آتا ہے جو اکثر اپنے بچوں کو دنیا اور دین سے متعلق مسائل پر نصیحت کرتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ اپنی لاعلمی کا اعتراف کریں اور انہیں کسی ایسے شخص کی طرف لے جائیں جو سچائی سے واقف ہو۔ جب بزرگ اس طرح سے کام کرتے ہیں تو وہ اپنے زیر کفالت افراد کی صحیح رہنمائی کرنے میں اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کرتے ہیں جس کا اشارہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے صحیح علم حاصل کریں خواہ دنیوی ہو یا دینی، اور اگر وہ کسی چیز سے ناواقف ہوں تو اسے تسلیم کر لیں کیونکہ اس سے ان کے درجات میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اگر کچھ بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اور لوگ ان کی ایمانداری کی قدر کریں گے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 2

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جب بھی کسی چیز سے لگاؤ ہوتا تھا تو وہ فوراً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صدقہ کر دیتے تھے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 785 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ باب 3 علی عمران، آیت 92 سے مربوط ہے

تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے ”خرچ نہ کرو۔ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو، یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔“

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کوئی شخص سچا مومن نہیں ہو سکتا، یعنی وہ اپنے ایمان میں نقص رکھتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی پسند کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت کا اطلاق دولت پر ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا مطلب بہت زیادہ ہے۔ اس میں ہر وہ نعمت شامل ہے جسے ایک مسلمان پسند اور پسند کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مسلمان اپنے قیمتی وقت کو ان چیزوں پر صرف کرنے میں خوش ہوتے ہیں جو انہیں خوش کرتی ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان فرضی فرائض سے ہٹ کر وقت دینے سے انکار کرتے ہیں جو ایک دن میں بمشکل ایک یا دو گھنٹے لگتے ہیں۔ لاتعداد مسلمان ابھی تک مختلف خوشگوار سرگرمیوں میں اپنی جسمانی طاقت کو وقف کرنے پر خوش ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ اسے ان چیزوں کے لیے وقف کرنے سے انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں، جیسے کہ رضاکارانہ روزہ۔ عام طور پر لوگ ان چیزوں میں کوشش کرنے میں خوش ہوتے ہیں جن کی وہ خواہش رکھتے ہیں جیسے کہ ضرورت سے زیادہ دولت حاصل کرنا جس کی انہیں ضرورت نہیں ہے خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ انہیں اوور ٹائم کرنا پڑے اور اپنی نیندیں ترک کرنی پڑیں پھر بھی کتنے لوگ اس راہ میں اللہ کی اطاعت میں کوشش کرتے ہیں۔ اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے باز رہنے اور

صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے سربلند؟ کتنے لوگ نماز ادا کرنے کے لیے اپنی قیمتی نیند ترک کر دیتے ہیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان ابھی تک حلال دنیاوی اور دینی نعمتوں کے خواہاں ہیں، ایک سادہ سی حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں انہیں تب ہی حاصل ہوں گی جب وہ اپنے پاس موجود نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کریں گے۔ وہ کیسے کم سے کم چیزیں اس کے لیے وقف کر سکتے ہیں اور پھر بھی اپنے تمام خوابوں کو حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں؟ یہ رویہ واقعی عجیب ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 3

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی چیز پر لعنت نہیں کی۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 843 میں بحث کی گئی ہے۔

لعنت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لیے دعا کرتا ہے کہ اسے کسی چیز سے یا کسی اور سے ہٹا دیا جائے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون لعنت کا مستحق ہے اور کون اس کی رحمت سے محروم ہے۔ اس لیے اس فضول عادت سے بچنا چاہیے۔ ایسے شخص پر لعنت بھیجنا جو اس کا مستحق نہیں ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خواہاں ہے کہ اسے کسی اور سے ہٹایا جائے وہ اس کے بدلے ان سے دور کر دیا جائے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2019 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ سچا مومن لعنت نہیں کرتا۔ جن مسلمانوں کو لعنت کرنے کی عادت ہے وہ اللہ تعالیٰ کو اس قدر ناپسند ہیں کہ وہ قیامت کے دن گواہ اور سفارشی ہونے سے محروم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے نمبر 6610 صحیح مسلم دن باقی مخلوق کے سامنے انہیں دکھانا ناپسند کرے گا۔ اس کی تصدیق میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

آخر میں صحیح بخاری نمبر 6652 میں موجود ایک حدیث مومن پر لعنت کرنے کی شدت کو واضح کرتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن پر لعنت کرنا انہیں قتل کرنے کے مترادف ہے۔

یہاں تک کہ اگر کوئی لعنت کا مستحق ہے تو اس سے پرہیز کرنا زیادہ محفوظ اور دانشمندی ہے اور اس کے بجائے ایسے الفاظ کہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، جیسے اس کا ذکر۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 4

جب عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے بندوں کو اعمال صالحہ میں سعی کرتے ہوئے دیکھتے، مثلاً مساجد میں زیادہ وقت گزارتے، تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انہیں آزاد کر دیتے۔ جب اسے بتایا گیا کہ اس کے نوکر اسے صرف دھوکہ دے رہے ہیں کیونکہ وہ اس کی عادت جانتے تھے۔ اس نے جواب دیا کہ وہ ایسے کاموں میں دوسروں کے دھوکے میں آکر مطمئن ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ امام محمد کاندھلوی کی حیات صحابہ جلد 2 صفحہ 188 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی محبت اور خلوص کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کیا۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک 1 عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیینہ، آیت 5۔

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص "ہو کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286-

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 5

اکثر صورتوں میں عبداللہ رضی اللہ عنہ گھر میں صرف اس وقت کھاتے جب کوئی غریب یا یتیم ان کے ساتھ ہوتا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 216 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق عطا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں ذکر ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا تو وہ انہیں یاد کرے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 152

"...پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوسروں کو کھانا کھلانا بھی ایسا ہی ہے۔ اس عمل کو انجام دینے والے کو جنت کا کھانا کھلایا جائے گا اور جو دوسرے کو پلائے گا اسے قیامت کے دن جنت کا پانی پلایا جائے گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2449 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6236 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسلام کی بہترین قسم کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوسروں کو کھانا کھلانا اور خوش اخلاقی سے بات کرنا اسلام کی بہترین خصلتیں ہیں۔

مسلمانوں کو اس نیک عمل پر عمل کرنے کو اولین ترجیح بنانا چاہئے اور دوسروں کو خاص طور پر غریبوں کو مستقل بنیادوں پر کھانا کھلانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ ایک حیرت انگیز

عمل ہے جس کے لیے زیادہ دولت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی استطاعت کے مطابق دوسروں کو کھلائے خواہ نصف کھجور ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1417 کی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی ہے کہ اس سے ان کی حفاظت ہوگی۔ قیامت کے دن جہنم کی آگ۔ اس سے لوگوں کو اس نیک عمل سے باز رہنے کا کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 6

عبداللہ رضی اللہ عنہ بہت سخی تھے اور کوئی مال جمع نہیں کرتے تھے۔ آپ کو ایک بار معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی طرف سے 4000 ہزار سکے، کسی اور کی طرف سے 4000 سکوں کا ایک اور تحفہ، کسی اور کی طرف سے 2000 سکوں کا ایک اور تحفہ اور ایک شال۔ اگلے دن تک اس نے شال سمیت سارا کچھ غریبوں کو عطیہ کر دیا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 261 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6444 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دنیا میں جو امیر ہیں وہ آخرت میں غریب ہی رہیں گے جب تک کہ وہ اپنا مال صحیح طریقے سے خرچ نہ کریں لیکن یہ لوگ تعداد میں تھوڑے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دولت مندوں کی اکثریت غلط طریقے سے اپنا مال ان چیزوں پر خرچ کرتے ہیں جو یا تو فضول ہیں اور اس وجہ سے انہیں آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا یا وہ ایسے گناہوں پر خرچ کرتے ہیں جو ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ بن جائیں یا وہ خرچ کرتے ہیں۔ حلال چیزوں پر اس طرح سے جس کو اسلام ناپسند کرتا ہے جیسے فضول خرچی یا اسراف۔ ان وجوہات کی بنا پر قیامت کے دن امیر غریب ہو جائیں گے کیونکہ ان کا حساب ہوگا اور ان پر سزا بھی دی جائے گی۔

اس کے علاوہ جو لوگ اپنا مال صحیح طریقے سے خرچ نہیں کر پاتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کا مال انہیں ان کی قبر پر چھوڑ دیتا ہے اور وہ آخرت کو خالی ہاتھ مفلس کی طرح پہنچ جائیں گے۔ جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ میت دوسروں کے لیے مال چھوڑے گا جب تک کہ وہ اس کے لیے جوابدہ ہوں۔

آخر کار، جیسا کہ دولت مند اپنی دولت کمانے، ذخیرہ اندوزی کرنے، محفوظ کرنے اور بڑھانے میں مشغول ہوتے ہیں، یہ انہیں اعمال صالحہ سے غافل کر دیتے ہیں جو کہ قیامت کے دن کسی کو امیر بنا دے گی۔ درحقیقت، اس سے محروم ہونے سے وہ غریب ہو جائیں گے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ دولت کو صحیح طریقے سے خرچ کرنا نہ صرف صدقہ کرنا ہے بلکہ اس میں فضول خرچی یا اسراف کے بغیر ان کی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کرنا بھی شامل ہے۔

حقیقی امیر وہ ہے جو اپنی دولت کا صحیح استعمال کرے جیسا کہ اسلام نے بتایا ہے۔ یہ شخص دنیا اور آخرت میں امیر ہوگا۔ اور یہ رویہ زیادہ دولت رکھنے پر منحصر نہیں ہے۔ دولت کا جتنی بھی مقدار صحیح طریقے سے استعمال کی جائے وہ امیر بننے کا سبب بنے گی چاہے اس کے پاس بہت کم دولت ہو۔ درحقیقت یہ شخص اپنی دولت اپنے ساتھ آخرت تک لے جاتا ہے اور یہ رویہ انہیں فارغ وقت فراہم کرتا ہے جس سے وہ نیک اعمال انجام دیتا ہے جس سے آخرت میں ان کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 7

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد پیدا ہونے والا بہترین گروہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جسمانی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی زندگی کے دوران دیکھا، یقیناً ایک عنصر ہے۔ لیکن جو کوئی ان کی زندگی اور ان کے اعمال صالحہ کے بارے میں جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ان کی برتری صرف اس منفرد اور عظیم عمل سے زیادہ ہے۔

ان کی فضیلت کی ایک بڑی وجہ صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعلق ایک حدیث میں دکھائی گئی ہے جو کہ صحیح مسلم نمبر 6515 میں موجود ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ سوار تھے۔ ریگستان میں جب وہ ایک بدو سے ملے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اعرابی کو سلام کیا، اعرابی کے سر پر اپنی پگڑی رکھ دی اور اعرابی کو اپنی سواری پر سوار ہونے کی تاکید کی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ اس نے اعرابی کو جو سلام کیا وہ کافی سے زیادہ تھا کیونکہ اعرابی اس بات پر بہت خوش ہوا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم صحابی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سلام کیا۔ ، اسے سلام کیا۔ اس کے باوجود ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بہت آگے جا کر بدویوں کا بہت احترام کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا صرف اس لیے کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار یہ نصیحت کی تھی کہ ایک شخص اپنے والدین کی عزت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ محبت اور احترام کیا جائے۔ والدین کے رشتہ دار اور دوست۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مزید کہا کہ اعرابی کے والد اپنے والد امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔

یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ وہ مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے تابع تھے۔ انہوں نے نہ صرف فرض کی ادائیگی کی اور تمام گناہوں سے اجتناب کیا بلکہ ان تمام اعمال کو مکمل طور پر پورا کیا جن کی سفارش ان کے لیے ممکن حد تک ممکن تھی۔ ان کی سر تسلیم خم کرنے کی وجہ سے وہ اپنی خواہشات کو ایک طرف رکھ کر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ آسانی سے اعرابی کو نظر انداز کر سکتے تھے کیونکہ اس نے جو عمل کیا تھا ان میں سے کوئی بھی واجب نہیں تھا، اس عذر کو

استعمال کرنے والے بہت سے مسلمانوں کے برعکس، اس نے مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور جس طرح اس نے عمل کیا۔

اسلام کی تعلیمات کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کا ایمان کمزور ہوا ہے۔ بعض تو صرف واجبات کو پورا کرتے ہیں اور دوسرے اعمال صالحہ سے اعراض کرتے ہیں، مثلاً صدقہ، جو ان کی خواہشات کے خلاف یہ کہتے ہوئے کہ اعمال واجب نہیں ہیں۔ تمام مسلمان آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ختم ہونے کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن اگر وہ ان کے راستے یا راستے پر نہ چلیں تو یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر کوئی مسلمان ان کے سوا کسی اور راستے پر چلے گا تو وہ ان کے ساتھ کیسے جا سکتا ہے؟ ان کے ساتھ ختم ہونے کے لیے ان کے راستے پر چلنا چاہیے۔ لیکن یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کوئی شخص اپنی خواہشات کے مطابق کام کرنے کی بجائے اسلام کی تعلیمات کو مکمل طور پر تسلیم کر لے جیسا کہ انہوں نے کیا تھا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 8

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو ایسا لباس پہننے کی نصیحت کی جو نہ تو احمقوں کو ان کا مذاق اڑانے کا باعث بنیں اور نہ ہی عقلمندوں کو تنقید کا نشانہ بنائیں۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 723 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1999 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حسن کو پسند کرتا ہے۔

اسلام کسی مسلمان کو اپنے آپ کو سنوارنے میں توانائی، وقت اور پیسہ خرچ کرنے سے منع نہیں کرتا کیونکہ یہ اس کے جسم کے حقوق کو پورا کرنے والا سمجھا جا سکتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 5199 میں موجود حدیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اہم چیز جو اس طرز عمل کو ناپسندیدہ یا حتیٰ کہ گناہ کے عمل سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی اپنے آپ کو سنوارتے وقت حد سے زیادہ، فضول خرچی یا اسراف کرے۔ اس کا تعین کرنے کا ایک اچھا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنوارنے سے اللہ تعالیٰ یا لوگوں کے لیے اپنے فرض کو پورا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے جسے اسلامی علم حاصل کیے بغیر پورا کرنا ممکن نہیں۔ اور درحقیقت کسی کی جسمانی شکل کو درست کرنا تاکہ وہ صاف ستھرا اور ہوشیار نظر آئے، مہنگا نہیں ہے اور نہ ہی اس میں زیادہ وقت لگتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ سمجھنا زیادہ ضروری ہے کہ حقیقی خوبصورتی جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، اس کا تعلق اندرونی حسن یعنی کردار سے ہے۔ یہ خوبصورتی دونوں جہانوں میں قائم رہے گی جبکہ ظاہری خوبصورتی وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جائے گی۔ اس لیے اس حقیقی حسن کو ظاہری خوبصورتی پر حاصل کرنے کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ترجیح دینی چاہیے تاکہ وہ اپنے کردار سے حسد جیسی بری خصلت کو ختم کر کے سخاوت جیسی اچھی خصوصیات کو اپنا لے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے میں مدد ملے گی، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ ہو گا اور ان کی مدد کرے گا۔ لوگوں کے حقوق کی تکمیل میں، جیسے کہ ان کے زیر کفالت۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 9

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نصیحت کی کہ علم تین حصوں پر مشتمل ہے۔ امام محمد کاندھلوی کی حیات صحابہ جلد 3 صفحہ 207 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

پہلا قرآن کریم ہے اور دوسرا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام قرآن کریم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔

قرآن پاک کے ساتھ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی چیز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے وہ ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7

”اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔“

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ”تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان

نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

علم کا آخری حصہ تسلیم کرنا ہے جب کسی کو کچھ معلوم نہ ہو۔

بعض نے عجیب رویہ اختیار کیا ہے۔ جب ان سے ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے جس سے وہ بے خبر ہوتے ہیں تو وہ سچائی کو تسلیم کرنے کے بجائے ایسا جواب دیتے ہیں جس کی سچائی میں کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ یہ خاص طور پر اسلام سے جڑے معاملات میں ایک سنگین مسئلہ بن سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو غلط معلومات دینے پر سزا مل سکتی ہے جس پر دوسرے عمل کرتے ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نادانی سے چیزوں کو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا۔ ان لوگوں کی وجہ سے اسلام کے ساتھ عجیب و غریب عقائد و رسوم وابستہ ہو گئے ہیں جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے حق سے بہت بڑا انحراف ہے۔ درحقیقت مسلمانوں نے بہت سی ثقافتی رسومات کو اپنایا ہے اور انہیں اسلام کا حصہ ماننا اسی جاہلانہ ذہنیت کی وجہ سے رونما ہوا ہے۔

یہ لوگ یقین رکھتے ہیں کہ اگر وہ محض اعتراف کرتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں جانتے ہیں تو وہ دوسروں کو بے وقوف دکھائی دیں گے۔ یہ ذہنیت اپنے آپ میں انتہائی احمقانہ ہے کیونکہ نیک پیشرو اپنی جہالت کو تسلیم کرنے کی اہمیت پر زور دیتے تھے تاکہ دوسرے گمراہ نہ ہوں۔ درحقیقت، صالح پیش رو صرف اس شخص کو شمار کرتے جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہو اور عقلمندوں میں شمار ہوتا تھا اور ان کے ہر سوال کا جواب دینے والے کو احمق شمار کیا جاتا تھا۔

یہ رویہ اکثر ان بزرگوں میں دیکھنے میں آتا ہے جو اکثر اپنے بچوں کو دنیا اور دین سے متعلق مسائل پر نصیحت کرتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ اپنی لاعلمی کا اعتراف کریں اور انہیں کسی ایسے شخص کی طرف لے جائیں جو سچائی سے واقف ہو۔ جب بزرگ اس طرح سے کام کرتے ہیں تو وہ اپنے زیر کفالت افراد کی صحیح رہنمائی کرنے میں اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کرتے ہیں جس کا اشارہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے صحیح علم حاصل کریں
خواہ دنیوی ہو یا دینی، اور اگر وہ کسی چیز سے ناواقف ہوں تو اسے تسلیم کر لیں کیونکہ اس
سے ان کے درجات میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اگر کچھ بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اور لوگ ان کی
ایمانداری کی قدر کریں گے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 10

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ کہا کہ میں نے جب سے مسلمان ہوا ہے کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 804 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2380 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متوازن غذا کی اہمیت بتائی ہے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اپنے پیٹ کو تین حصوں میں تقسیم کر دیں۔ پہلا حصہ کھانے کے لیے، دوسرا حصہ پینے کے لیے اور آخری حصہ سانس لینے کے لیے خالی چھوڑ دینا چاہیے۔

یہ اس وقت حاصل کیا جا سکتا ہے جب کوئی کھانا پیٹ بھرنے سے پہلے کھانا بند کر دے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل تھا۔

اگر لوگ اس نصیحت پر عمل کریں تو وہ جسمانی اور ذہنی دونوں بیماریوں سے محفوظ رہیں گے۔ درحقیقت بہت سے باشعور لوگوں کے مطابق بیماری کی ایک بڑی وجہ بدبھمی ہے۔

دل کے لحاظ سے تھوڑی سی خوراک نرم دل، عاجزی نفس اور خواہشات کی کمزوری اور غصہ کا باعث بنتی ہے۔ پیٹ بھرنے سے سستی پیدا ہوتی ہے جو عبادت اور دوسرے اعمال صالحہ کو روکتی ہے۔ یہ نیند کو آمادہ کرتا ہے جس کی وجہ سے کوئی رضاکارانہ اور حتیٰ کہ فرض رات کی نمازوں سے محروم ہوجاتا ہے۔ یہ عکاسی کو روکتا ہے جو کسی کے اعمال کا اندازہ لگانے کی کلید ہے اور اس لیے اس کے کردار کو بہتر سے بدلنا ہے۔ پیٹ بھرنے والا غریب کو بھول جاتا ہے اور اس لیے ان کی مدد کرنے کا امکان کم ہوتا ہے۔ یہ تمام منفی اثرات سخت دل کی

طرف لے جاتے ہیں۔ سخت دل والا قیامت کے دن محفوظ نہیں رہے گا۔ باب 26 اشعراء، آیات 88-89:

جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس دل کے ساتھ ” آتا ہے۔

جس کو صرف اپنے پیٹ کی فکر ہوتی ہے وہ زیادہ اہم چیزوں سے ہٹ جاتا ہے جیسے دینی علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس دنیا میں قیامت کے دن سب سے زیادہ بھوکا وہ ہو گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2478 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

لہذا مسلمانوں کو متوازن غذا حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ زیر بحث منفی اثرات سے بچیں جو بلاشبہ دنیا اور آخرت دونوں میں ان کی کامیابی میں رکاوٹ ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 11

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ لوگوں کو نصیحت کی کہ وہ جو کچھ آج کر سکتے ہیں اس کے فائدے کے لیے کریں جو کل ان کی وفات پر حاصل کریں گے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 832 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ان سے بہتر واقف نہیں ہے۔ جب کوئی ایمانداری سے اپنے اعمال کا خود فیصلہ کرے گا تو یہ انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے اور نیک اعمال کی طرف ترغیب دینے کی ترغیب دے گا۔ لیکن جو اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لینے میں ناکام رہے گا وہ غفلت کی زندگی گزارے گا جس کی وجہ سے وہ سچے دل سے توبہ کیے بغیر گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ یہ شخص قیامت کے دن اپنے اعمال کا تولنا بہت مشکل پائے گا۔ درحقیقت، یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔

ایک ہوشیار کاروباری مالک ہمیشہ اپنے کھاتوں کا باقاعدگی سے جائزہ لے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کے کاروبار کی سمت درست سمت میں چل رہی ہے اور یہ یقینی بنائے گا کہ وہ تمام ضروری اکاؤنٹس جیسے کہ ٹیکس ریٹرن کو درست طریقے سے مکمل کرتے ہیں۔ لیکن بیوقوف کاروباری مالک باقاعدگی سے اپنے کاروبار کا حساب نہیں لے گا۔ یہ منافع میں نقصان اور ان کے کھاتوں کی صحیح طریقے سے تیاری میں ناکامی کا باعث بنے گا۔ جو لوگ اپنے اکاؤنٹس کو صحیح طریقے سے حکومت کے پاس جمع کرانے میں ناکام رہتے ہیں انہیں جرمانے کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ان کی زندگی کو مزید مشکل بنا دیتا ہے۔ لیکن نوٹ کرنے کی اہم بات یہ ہے کہ قیامت کے ترازو کے لیے کسی کے اعمال کا درست اندازہ لگانے اور اسے تیار کرنے میں ناکامی کی سزا میں مالی جرمانہ شامل نہیں ہے۔ اس کی سزا زیادہ سخت اور واقعی ناقابل برداشت ہے۔ باب 99 زلزال، آیات 7-8

پس جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے " گا وہ اسے دیکھ لے گا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 12

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ کہا کہ میں جہنم کا کھولتا ہوا پانی پینا پسند کروں گا یا پھر جہنم میں جلنا پسند کروں گا، پھر شراب کا ایک گھونٹ پیوں گا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 840 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3371 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مسلمان کو ہرگز شراب نہیں پینا چاہئے کیونکہ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے۔

بدقسمتی سے مسلمانوں میں یہ کبیرہ گناہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا ہے۔ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے کیونکہ یہ دوسرے گناہوں کو جنم دیتی ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ شرابی اپنی زبان اور جسمانی افعال پر قابو کھو دیتا ہے۔ صرف اس خبر کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شراب پینے سے کتنا جرم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ اعتدال سے پیتے ہیں وہ صرف اپنے جسم کو نقصان پہنچاتے ہیں، جسے سائنس نے ثابت کیا ہے۔ الکحل سے منسلک جسمانی اور ذہنی بیماریاں بے شمار ہیں اور نیشنل ہیلتھ سروس اور ٹیکس دہندگان پر بھاری بوجھ کا باعث بنتی ہیں۔ یہ تمام برائیوں کی کلید ہے کیونکہ یہ انسان کے تینوں پہلوؤں یعنی ان کے جسم، دماغ اور روح پر منفی اثر ڈالتی ہے۔ باب 5 المائدة، آیت 90

اے ایمان والو، بے شک نشہ، جوا، پتھروں پر قربانی کرنا، اور طاغوت کے تیر شیطان کے کام ” سے ناپاک ہیں، لہذا اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

حقیقت یہ ہے کہ شراب پینے کو اس آیت میں ان چیزوں کے ساتھ رکھا گیا ہے جن کا تعلق شرک سے ہے اس سے بچنا کتنا ضروری ہے۔

یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ شراب باقاعدگی سے پینے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

سنن ابن ماجہ، نمبر 68 کی ایک حدیث کے مطابق امن کے اسلامی سلام کو پھیلانا جنت کے حصول کی کلید ہے۔ پھر بھی، امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 1017 میں پائی جانے والی ایک حدیث مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ ایسے شخص کو سلام نہ کریں جو باقاعدگی سے شراب پیتا ہو۔ شراب

شراب ایک انوکھا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ سنن ابن ماجہ نمبر 3380 میں موجود ایک حدیث میں دس مختلف طریقوں سے اس پر لعنت کی گئی ہے۔ ان میں شراب خود، اسے بنانے والا، اس کے پیدا کرنے والا، جس کے لیے تیار کیا جاتا ہے، شامل ہیں۔ اسے بیچنے والا، اسے خریدنے والا، اسے اٹھانے والا، جس تک پہنچایا جائے، وہ جو اسے بیچ کر حاصل کردہ مال کو استعمال کرے، اسے پینے والا اور اس کو ڈالنے والا۔ جو شخص ایسی لعنت کا معاملہ کرے گا وہ اس وقت تک حقیقی کامیابی حاصل نہیں کرے گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 13

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ آپ بازار میں کیوں جاتے ہیں حالانکہ آپ نے کچھ خریدا ہی نہیں؟ وہ صرف اتنا کرے گا کہ ہر مسلمان کو سلام کرے گا جس کے پاس سے وہ اسلامی سلام کے ساتھ گزرے گا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ بازار میں صرف اس لیے گیا تھا کہ سب کو سلام کا پیغام پہنچائے۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ ہر اس شخص کو سلام پیش کریں جس سے وہ گزرتے ہیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 856 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 12 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام میں پائے جانے والے ایک اچھے معیار کی نصیحت کی۔ یعنی سلام کا اسلامی سلام ان لوگوں تک پہنچانا جن کو وہ جانتا ہے اور جن کو وہ نہیں جانتے۔

اس اچھی خصوصیت پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ آج کل مسلمان اکثر صرف ان لوگوں کو امن کا اسلامی سلام پھیلاتے ہیں جنہیں وہ جانتے ہیں۔ اسے سب تک پہنچانا ضروری ہے کیونکہ اس سے لوگوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور اسلام مضبوط ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ خصوصیت صحیح مسلم نمبر 194 میں موجود حدیث کے مطابق جنت کی طرف لے جاتی ہے۔

ایک مسلمان کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ دوسروں کو بھیجے جانے والے ہر سلام کے لیے کم از کم دس انعامات حاصل کریں گے چاہے دوسرے ان کا جواب نہ دیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 5195 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں کے نفس اور مال سے دور رکھ کر اپنی دوسری تقریر اور عمل میں اس امن کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلامتی

كے اسلامی سلام كو صحیح طریقے سے پورا كریے۔ یہ حقیقت میں سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث كے مطابق سچے مسلمان اور مومن كی تعریف ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 14

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میں اخلاص آسانی سے پہچانا جا سکتا تھا، اور کوئی بھی ان کے بول چال اور عمل سے ان کی صداقت کو پہچان سکتا تھا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 857 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔

باب 17 الاسراء، آیت 53

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔“

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔“

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 15

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب کسی نے پوچھا کہ کیا ایمان کی گواہی قبول کرنے کے بعد ان کے اعمال ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق زندگی گزاریں اور خود فریبی سے بچیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 862 میں بحث کی گئی ہے۔

اس خود فریبی سے مراد اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے اسلامی تعلیمات کی غلط تشریح کرنا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث ہیں جو بنی نوع انسان کو نصیحت کرتی ہیں کہ جو شخص گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بندے اور آخری رسول ہیں، جہنم کی آگ سے بچ جائیں گے۔ ایسی ہی ایک مثال صحیح بخاری نمبر 128 میں موجود ہے۔

ان احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اس گواہی پر ایمان لاتے ہوئے مرے گا وہ یا تو جنت میں جائے گا اور جہنم سے بچ جائے گا یا وہ اپنے گناہوں کی حد تک جہنم میں داخل ہوں گے اور پھر آخر کار جنت میں داخل ہو جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ صحیح بخاری نمبر 7510 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جو لوگ جہنم میں داخل ہوئے بغیر جنت میں داخل ہونے کی خواہش رکھتے ہیں انہیں نہ صرف زبانی طور پر اسلام پر ایمان کا اعلان کرنا چاہیے بلکہ اس کی شرائط اور فرائض

کو بھی پورا کرنا چاہیے۔ ایمان کی گواہی بلاشبہ جنت کی کنجی ہے لیکن ایک مخصوص دروازے کو کھولنے کے لیے چابی کو دانتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جنت کی کنجی کے دانت اس کے فرائض اور فرائض ہیں۔ ان کے بغیر معنی، دانتوں کے بغیر چابی، جنت کا دروازہ نہیں کھولے گی۔ یہ بات بہت سی احادیث سے ثابت ہے جو کہ جنت میں داخل ہونے کے لیے اسلام کی شرائط اور فرائض کو پورا کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1397 میں موجود ایک حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ گواہی کی تائید اسلام کے ستونوں کی شکل میں ہونے والے اعمال سے ہونی چاہیے، جیسے کہ فرض نماز۔

گواہی کا پہلا حصہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ہی واحد ہے جس کی اطاعت لازم ہے اور کبھی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود تسلیم کرتا ہے تو اسے کسی ایسی چیز کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے جو اس کی نافرمانی کا باعث بنتی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا مالک ہے اور وہ صرف اس کے بندے ہیں۔ لیکن جس لمحے کوئی ایسی بات مانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بنتی ہے تو انہوں نے اس کی وحدانیت پر اپنے اعتقاد کو خراب کر دیا جس کی طرف باب 45 الجثیہ آیت 23 میں اشارہ کیا گیا ہے

”کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟“

قرآن کریم نے مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ جو کوئی گناہ کرتا ہے وہ درحقیقت شیطان کی عبادت کرتا ہے جیسا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اس کی اطاعت کی ہے۔ باب 36 یاسین، آیت 60

اے بنی آدم کیا میں نے تم کو یہ وصیت نہیں کی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو کیونکہ وہ ”تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

وہ مسلمان جو اپنی خواہشات، دوسروں کی خواہشات اور شیطان کے احکام کو ٹھکرا کر صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں، انہوں نے واقعی اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا معبود بنا لیا ہے۔ ان مسلمانوں کو دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت عطا کی گئی ہے۔ ان مسلمانوں نے عملی طور پر اسلام کی گواہی کو عملی جامہ پہنایا ہے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق مخلصانہ عمل کے ساتھ اپنے زبانی اور باطنی دعوے کی تائید کی ہے۔ جب کوئی اپنی روایات کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس نے گواہی کے دوسرے پہلو کو پورا کیا ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور آخری رسول ہیں۔ یہ وہ مسلمان ہیں جن کا ذکر صحیح بخاری نمبر 128 میں موجود حدیث میں ہے۔ اس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جہنم کی آگ سے بچائے گا۔

جو شخص زبان سے اسلام کا اعلان کرتا ہے اور باطنی طور پر اسے قبول کرتا ہے وہ بلاشبہ مسلمان ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ان کا سچا ایمان ان کے گناہوں کے حساب سے ماند پڑ جاتا ہے۔

گواہی پر صحیح معنوں میں عمل کرنے کا ایک پہلو اللہ تعالیٰ سے مخلصانہ محبت کرنا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص ان چیزوں سے محبت کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور اس سے نفرت کرتا ہے جس سے وہ نفرت کرتا ہے۔ چونکہ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی، سنن ابن ماجہ نمبر 2333 میں موجود ایک حدیث کے مطابق مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 3 علی :عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ” تمہارے گناہ بخش دے گا۔“

اسلامی تعلیمات سے یہ بات واضح ہے کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اسے ناپسند کرتا ہے اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اسے ناپسند کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انسان اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اوپر ان کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین کو کم کر دیتا ہے۔ درج ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اس ذہنیت کو اختیار کرنا اسلام کی گواہی کے حقیقی عقیدہ سے انحراف ہے۔ باب 9 توبہ آیت 24

کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے رشتہ دار، وہ مال جو تم نے حاصل کیا ہے، وہ تجارت جس کے زوال کا تمہیں ڈر ہے، اور وہ مکانات جن سے تم خوش ہو، تمہیں اس سے زیادہ محبوب ہیں۔ اللہ اور اس کا رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرتے رہو، پھر "انتظار کرو جب تک کہ اللہ اپنا حکم نافذ نہ کر دے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، اپنی خواہشات کے مطابق اس کی عبادت کنارے پر کرتا ہے۔ یعنی جو جب ان پر آسانی ہوتی ہے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں لیکن جب ان پر مشکلات آتی ہیں تو غصے میں اس کی اطاعت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ باب 22 الحج، آیت 11

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا "اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔"

صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود ایک حدیث مسلمانوں کو بتاتی ہے کہ کس طرح صحیح طریقے سے ایمان اور ایمان کی گواہی پر عمل کیا جائے جو کہ اگلے جہان میں جہنم کی آگ سے نقصان پہنچنے سے بچ جائے۔ یہ سب سے پہلے فرض کے فرائض کو ان کی تمام شرائط اور آداب کو پورا کرتے ہوئے صحیح طریقے سے ادا کرنا ہے۔ پھر اس میں رضاکارانہ طور پر اعمال صالحہ کا اضافہ

کرنا چاہیے، جن میں سے سب سے افضل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت شدہ روایات ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا باعث بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان کے جسم کے ہر عضو کو طاقت بخشتا ہے تاکہ وہ صرف اس کی اطاعت کریں۔ یہ سچی اور مخلصانہ اطاعت ایمان کی شہادت کی تکمیل ہے۔ یہ وہ دل ہے جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور دنیاوی خواہشات اور مادی دنیا کی محبت سے پاک ہے۔ باب 26 اشعرا، آیات 88-89

”جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس سچے دل کے ساتھ آتا ہے۔“

غور طلب ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان سے سچے دل سے توبہ کرتا ہے جب بھی وہ شاذ و نادر ہی سرزد ہوتے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام کی گواہی نہ صرف داخلی اور زبانی طور پر بیان کریں بلکہ اپنے عمل میں بھی اس کا اظہار کریں کیونکہ یہی دنیا میں حقیقی کامیابی اور آخرت میں عذاب سے مکمل طور پر بچنے کا واحد راستہ ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 16

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے، اللہ تعالیٰ کے لیے عداوت رکھنے، صرف اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کی حمایت کرنے اور اس کے لیے مقابلہ کرنے کی تلقین کی۔ اللہ تعالیٰ کے لیے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی دوستی برگز حاصل نہیں کریں گے، اور ایمان کی مٹھاس کا مزہ نہیں چکھیں گے، خواہ وہ کثرت سے نماز اور روزے رکھیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 866 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خصوصیات کی نصیحت فرمائی جو مسلمان کے ایمان کو کامل کرتی ہیں۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا ہے۔ اس میں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں دوسروں کے لیے بہتر کی خواہش کرنا شامل ہے۔ اس کو عملی طور پر کسی کے اعمال کے ذریعے ظاہر کیا جانا چاہیے جس کا مطلب ہے، دوسروں کی مالی، جذباتی اور جسمانی طور پر مدد کرنا۔ اپنے احسانات کو دوسروں پر شمار کرنا نہ صرف ثواب کو منسوخ کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان کی محبت کی کمی کو بھی ثابت کرتا ہے، کیونکہ یہ شخص صرف لوگوں سے تعریف اور دیگر معاوضے حاصل کرنا پسند کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

دنیوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کے بارے میں کسی بھی قسم کے منفی جذبات، جیسے حسد، اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں سے محبت کرنے کے منافی ہے، اور اس سے بچنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ اس عمدہ خوبی میں دوسروں کے لیے وہ محبت شامل ہے جو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ اعمال کے ذریعے اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق یہ مومن ہونے کا ایک پہلو ہے۔

مرکزی حدیث میں زیر بحث اگلی خصوصیت اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کو ان چیزوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جیسے اس کی نافرمانی۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں سے نفرت کرنی چاہیے کیونکہ لوگ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود اس گناہ کو ناپسند کرے جو ان سے ثابت ہے کہ اس سے بچنا اور دوسروں کو بھی اس سے خبردار کرنا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ دوسروں سے تعلق توڑنے کے بجائے نصیحت کرتے رہیں کیونکہ یہ احسان مندی انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ اس میں اپنے جذبات کی بنیاد پر چیزوں کو ناپسند کرنا شامل ہے، جیسے کوئی عمل، جو کہ جائز ہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسندیدگی کا ثبوت یہ ہے کہ جب وہ اپنے قول و فعل سے ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے تو یہ ہرگز اس طرح نہیں ہوگا جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ یعنی کسی چیز کے لیے ان کی ناپسندیدگی ان سے کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گی کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز سے ان کی ناپسندیدگی ان کے اپنے لیے ہے۔

مرکزی حدیث میں زیر بحث اگلی خصوصیت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دینا ہے۔ اس سے مراد ہر وہ نعمت ہے جو ایک دوسرے کو دے سکتا ہے، جیسے کہ جسمانی اور جذباتی مدد نہ صرف دولت۔ جب کوئی دیتا ہے تو وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایسا کرے گا، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے معاملات میں، جیسے مخلصانہ مشورہ دینا۔ درحقیقت یہ دوسروں کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ ان نعمتوں کو کسی کے احسانات کو شمار کیے بغیر دوسروں کو دینا اور بانٹنا ہے کیونکہ اس سے یہ

ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے وصول کرنے کے لیے دیا تھا۔ دوسروں سے کچھ۔ باب 76 الانسان، آیت 9:

[کہتے ہوئے]، "ہم تمہیں صرف اللہ کے چہرے [یعنی رضامندی کے لیے کھلاتے ہیں، ہم تم سے "اجر یا شکر گزاری نہیں چاہتے۔"

مرکزی حدیث میں زیر بحث آخری خصوصیت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے روکنا ہے۔ اس میں دولت جیسی نعمتوں کو دوسروں سے ایسے معاملات میں روکنا بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ یہ مسلمان یہ نہیں دیکھے گا کہ کون ان سے کسی چیز کی درخواست کر رہا ہے بلکہ وہ صرف اس درخواست کی وجہ کا جائزہ لیتے ہیں۔ اگر وجہ اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے تو وہ نعمت کو روکیں گے اور سرگرمی میں حصہ نہیں لیں گے۔ باب 5 المائدة، آیت 2

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔“

اس میں ایسے معاملات میں اپنے قول و فعل سے روکنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہیں، جیسے غیبت یا غصہ ظاہر کرنا۔ یہ مسلمان اپنی خواہشات کے مطابق نہ بولے گا اور نہ ہی عمل کرے گا اور صرف اس صورت میں پیش قدمی کرے گا جب وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرے، ورنہ آگے بڑھنے سے باز آجائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، ان خصوصیات کو اپنانے سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے کیونکہ یہ کسی کے جذبات پر مبنی ہوتی ہیں اور اس لیے ان پر قابو پانا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ جس کو ان پر قابو پانے کی سعادت حاصل ہو گی وہ اسلام کے دیگر فرائض کی ادائیگی کو آسان سمجھے گا۔ ان فرائض

میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 17

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک بار کہا تھا کہ آج لوگوں کی وفاداری صرف اور صرف دنیاوی مفادات پر مرکوز ہے اور اس طرح کی سیاسی توثیق اس کے لوگوں کو مسائل کے سوا کچھ نہیں لاتی۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 867 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم " ...میں سے حاکم ہیں

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

ليڈروں كے ساآھ دھوكه كرنا منافقت كى علامت هے جس سے هر وقت بچنا چاهيے۔ اخلاص ميں ان معاملات ميں ان كى اطاعت كرنے كى كوشش كرنا بهى شامل هے جو معاشرے كو بهلائي پر اكٹها كرتے هیں اور هر اس چيز سے تنبيه كرتے هیں جو معاشرے ميں خلل پيدا كرهے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 18

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک ایمان تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ اپنے دل میں شک کی وجہ سے دور نہ ہو جائے۔ اس پر صالح احمد الشامی، معاذ الصحابہ، صفحہ 387 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام نے حلال و حرام کو واضح کر دیا ہے۔ ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن سے بچنا چاہیے تاکہ ایمان اور عزت کی حفاظت ہو۔

مسلمانوں کی اکثریت فرض فرائض اور شراب نوشی جیسی حرام چیزوں کی اکثریت سے واقف ہے۔ لہذا یہ مسلمانوں کے اندر کوئی شک و شبہ پیدا نہیں کرتے اس لیے ان کو اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق فرائض کو پورا کرو اور حرام سے پرہیز کرو۔ باقی تمام چیزیں جو واجب نہیں ہیں اور معاشرے میں شکوک پیدا کرتی ہیں اس لیے ان سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اس سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ کسی نے رضاکارانہ عمل کیوں نہیں کیا بلکہ وہ پوچھے گا کہ اس نے رضاکارانہ عمل کیوں کیا۔ اس لیے رضاکارانہ عمل کو چھوڑنے کا آخرت میں کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا جب کہ رضاکارانہ عمل کرنے سے سزا، جزا یا معافی ہوگی۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اس مختصر مگر انتہائی اہم حدیث پر عمل کریں کیونکہ یہ بہت سے مسائل اور بحثوں کو حل اور روک دے گی۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب کوئی مشتبہ یا حتیٰ کہ فضول چیزوں میں ملوث ہوتا ہے تو یہ اسے غیر قانونی کے قریب لے جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، گنہگار تقریر اکثر بیکار اور بیکار تقریر سے پہلے ہوتی ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کے ایمان اور عزت کے لیے یہ زیادہ محفوظ ہے کہ وہ مشکوک اور لغو باتوں سے بچ جائے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 19

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ فرمایا کہ آدمی اس وقت تک علم کے بلند مقام پر پہنچے گا جب تک کہ وہ اپنے اوپر والے سے حسد نہ کرے۔ اس پر امام غزالی کی کتاب احیاء علم الدین 1/218 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4210 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حسد کرنا ایک سنگین اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ حسد کرنے والے کا مسئلہ کسی دوسرے انسان سے نہیں درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہے جس نے حسد کرنے والی نعمت عطا فرمائی ہے۔ لہذا انسان کی حسد صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار اور انتخاب سے ناراضگی کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غلطی کی ہے جب اس نے ان کے بجائے کسی دوسرے شخص کو ایک خاص نعمت مختص کی تھی۔

بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدتر قسم وہ ہے جب حسد کرنے والا مالک سے نعمت کو دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔ حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، اپنے جذبات کو ناپسند کرے اور اسی طرح کی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے بغیر اس کے کہ مالک اس نعمت سے محروم ہو۔ اگرچہ یہ قسم گناہ نہیں ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو تو اسے ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے اور اگر دینی نعمت پر ہو تو قابل تعریف ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 کی ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلا شخص جس پر حلال رشک کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو حلال مال حاصل کرے

اور خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے طریقوں سے۔ دوسرا وہ شخص جس سے حسد کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو اپنے علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرے اور دوسروں کو سکھائے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ حسد کرنے والے کے ساتھ حسن سلوک اور حسن سلوک سے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ اس کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 20

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ فرمایا کہ وعدہ خلافی ایک تہائی نفاق ہے۔ اس پر ابن عبد ربیع، العقد الفرید، 1/197 میں بحث ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان کا سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، جو اس کی سچی اطاعت کرنا ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی برقرار رکھا جانا چاہیے جب تک کہ کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2227 میں موجود حدیث وعدہ کرے اور پھر بغیر کسی عذر کے اسے پر میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام توڑ دے وہ اس کے خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 21

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ فرمایا کہ کسی شخص کو اس وقت تک پختہ ایمان نہیں آئے گا جب تک وہ اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دیکھ رہا ہے۔ اس پر صالح احمد الشامی، معاذ الصحابہ، صفحہ 400 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی غیبی بصیرت ہر چیز پر محیط ہے قطع نظر اس کی جسامت یا مقام۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے اعمال کا گواہ ہے۔ وہ ان کے ظاہری جسمانی اعمال اور اندرونی پوشیدہ ارادوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ کوئی چیز اس کی الہی نظر سے نہیں بچ سکتی۔

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں کوشش کرے تاکہ وہ اس درجہ تک پہنچ جائے جہاں وہ نظر الہی سے مسلسل چوکننا رہے۔ صحیح مسلم نمبر 99 میں ایک حدیث میں اس درجے کو ایمان کی فضیلت کہا گیا ہے۔ جب کوئی شخص الہی نظارے سے پوری طرح واقف ہوتا ہے تو یہ اسے گناہ کرنے سے روکتا ہے اور عمل صالح کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ایک مسلمان کو اپنی روح کا نگران ہونا چاہیے اور اپنے آپ کو مسلسل مدنظر رکھنا چاہیے تاکہ وہ غافل نہ ہو جائیں۔ جیسا کہ گناہ کی اصل وجہ غفلت ہے۔ جو اپنا محاسبہ کرے گا وہ قیامت کے دن اپنا احتساب آسان پائے گا۔ جو شخص اپنے آپ کو اس طرح نہیں دیکھے گا وہ بغیر احساس کے گناہ کرے گا۔ ایک مسلمان کو یہ بھی یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اپنی زیر نگرانی تمام لوگوں پر کڑی نظر رکھیں اور انہیں اس کے مطابق نصیحت کریں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں دی گئی ذمہ داری ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ - 22

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جب ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کو بھوکا چھوڑ کر سیر نہ ہو۔ اپنے بھائی کو بغیر کپڑوں کے چھوڑتے وقت وہ لباس نہ پہنے اور اس پر اپنا مال خرچ کرنے میں لالچ نہ کرے۔ اس پر صالح احمد الشامی، معاذ الصحابہ، صفحہ 400 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کو برقرار رکھنا چاہیے۔ یہ تمام مسلمانوں پر لاگو ہوتا ہے خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں اور اگر وہ ایک دوسرے کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمانوں کے بہت سے حقوق بیان ہوئے ہیں اور ہر مسلمان کو ان کو سیکھنے اور پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق درج کیے ہیں۔

اس سے بھی اہم بات اول تو سلام کا جواب دینا ہے خواہ جواب دینا ان کی خواہش کے خلاف ہو۔ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی گفتگو اور عمل کے ذریعے دوسروں کے ساتھ امن اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عملی طور پر امن کے اسلامی سلام کو پورا کرنا چاہیے۔ اسلامی سلام کا صحیح مفہوم یہی ہے۔

ایک مسلمان کو بیمار مسلمانوں کی عیادت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ان کی جسمانی اور نفسیاتی مدد کی جا سکے۔ تمام بیمار مسلمانوں کی عیادت کرنا مشکل ہوگا لیکن اگر ہر مسلمان کم ہر قسم از کم اپنے بیمار رشتہ داروں کی عیادت کرے تو بیماروں کی اکثریت کو یہ سہارا ملے گا۔ کی فضول یا گناہ والی باتوں اور کاموں سے پرہیز کرنا چاہیے جیسے کہ گپ شپ کرنا ورنہ مسلمان برکت کے بجائے گناہ ہی کمائے گا۔

ایک مسلمان کو جب ممکن ہو دوسرے مسلمانوں کے جنازے میں شرکت کرنی چاہیے کیونکہ ہر شریک میت کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہے۔ اس لیے جتنے زیادہ مسلمان حاضر ہوں گے اتنا ہی بہتر ہے۔ جس طرح کوئی چاہتا ہے کہ دوسرے ان کے جنازے میں شرکت کریں اور ان کے لیے دعا کریں وہ بھی دوسروں کے لیے ایسا کرے۔ اس خاص عمل میں ایک مسلمان کے لیے ایک اچھی یاد دہانی ہے کہ وہ بھی آخرکار مرے گا۔ امید ہے کہ اس سے ان کے طرز عمل میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب بہتری آئے گی تاکہ وہ کرتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے اپنی موت کے لیے بہتر طور پر تیاری کریں۔

کو کھانے اور اگلی بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں اجتماعی تقریبات کی دعوت اس وقت تک قبول کرنی چاہیے جب تک کہ کوئی غیر شرعی یا ناپسندیدہ کام انجام نہ دیا جائے جو کہ اس زمانے میں بہت کم ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ بعض مسلمان ایسے سماجی پروگراموں میں شرکت کرتے ہیں جہاں غیر قانونی یا ناپسندیدہ چیزیں پیش آتی ہیں اور اپنے اعمال کی تائید کے لیے اس حدیث کا حوالہ دیتے ہیں۔ کسی کو اپنی خواہشات کی یہ صریح گمراہی اور کیونکہ تکمیل کے لیے آسمانی تعلیمات کی غلط تشریح نہیں کرنی چاہیے عذاب الہی کی دعوت ہے۔

آخر میں، مرکزی حدیث مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے ختم ہوتی ہے کہ وہ مسلمان کے لیے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ دعا کریں جو چھینک آئے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 2714 میں موجود ایک حدیث میں ایک انتہائی اہم فرض کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہ دوسرے مسلمانوں کو اچھی اور مخلصانہ نصیحت کرنا ہے۔

سب سے پہلے، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اچھی نصیحت سب کو پیش کی جانی چاہئے چاہے وہ کسی بھی مذہب سے ہوں۔ سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں واضح طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو اس طرح نصیحت کریں جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ انہیں نصیحت کریں۔ کسی کو بھی اپنے جذبات کو اس فرض کی ادائیگی سے باز نہیں آنا چاہیے کیونکہ جو شخص جان بوجھ کر برا مشورہ دیتا ہے اسے لوگ غلط مشورہ دیتے ہیں۔ مخلصانہ نصیحت کرنا اس قدر ضروری ہے کہ جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 1925 میں ایک حدیث میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے فرض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس فرض کو ادا کرنے کا عہد لیتے تھے۔ نماز کے طور پر حقیقت یہ ہے کہ مخلصانہ طور پر دوسروں کو نصیحت کرنا ان واجبات کے ساتھ رکھا گیا ہے اس کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ لہذا کسی مسلمان کو اس حقیقت سے کبھی چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے۔

ہر شخص خواہ کسی بھی عقیدے سے تعلق رکھتا ہو، ان چیزوں کو حاصل کرنا پسند کرتا ہے جو اسے فائدہ پہنچاتی ہیں اور نقصان دہ چیزوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں واضح طور پر اعلان فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ دوسروں کو ان چیزوں کو حاصل کرنے کو یقینی بنانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے اعمال کے ذریعے ظاہر کیا جانا چاہئے جو ان کے لئے دستیاب کسی بھی ذریعہ سے وہ اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔ ایک مسلمان کو محض اپنے الفاظ سے یہ دعویٰ نہیں کرنا چاہیے۔

حق یہ ہے کہ ان کے لیے صدق دل سے دعا کرے۔ یہ ایک دوسرے پر رحم کرنے کا ایک اور ایک پہلو ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب 48 الفتح، آیت 29

...محمد اللہ کے رسول ہیں؛ اور جو اس کے ساتھ ہیں وہ آپس میں مہربان ہیں "

درحقیقت جب ایک مسلمان دوسرے کے لیے دعا کرتا ہے تو وہ خود اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6927 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کے لیے چپکے سے دعا کرتا ہے تو فرشتہ ان کے لیے دعا کرتا ہے۔

دوسرا اہم حق یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کے لیے وہی محبت اور نفرت کرے جو وہ اپنے لیے پسند اور نفرت کرتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود ایک حدیث میں صدق دل سے اس کو شرط قرار دیا ہے۔

ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی حلال خوشی پر خوش ہونا چاہیے اور امید رکھنی چاہیے کہ یہ ان کے لیے باقی رہے گی۔ جب کسی دوسرے مسلمان کو کوئی مشکل پیش آئے تو انہیں غمگین ہونا چاہیے اور اس میں ان کی مدد کرنا چاہیے، چاہے یہ ان کی طرف سے صرف دعا ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6011 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ جسم کا کوئی حصہ بیمار ہو تو باقی جسم درد میں شریک ہوتا ہے۔

کسی مسلمان کو اپنے قول و فعل سے کسی دوسرے مسلمان یا غیر مسلم کو بلا جواز نقصان نہیں پہنچانا چاہیے کیونکہ جامع ترمذی کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کی یہی تعریف فرمائی ہے۔ نمبر 2627۔ درحقیقت لوگوں کو کسی کے نقصان سے محفوظ رکھنا ایک صدقہ ہے جو انسان اپنے لیے کرتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 250 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ اپنے آپ پر صدقہ ہے کیونکہ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچاتا ہے۔

دوسرے مسلمانوں کے حقوق میں ان کے راستے کی رکاوٹوں کو ہٹانا بھی شامل ہے۔ اس میں جسمانی رکاوٹوں کے ساتھ علامتی رکاوٹیں بھی شامل ہیں جو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ درحقیقت صحیح مسلم نمبر 6670 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص کو اس درخت کو ہٹانے پر جنت دی جائے گی جو ساتھی مسلمانوں کے راستے میں رکاوٹ تھا۔

یہ ایک مسلمان کا حق ہے کہ دوسرے مسلمان جب ان پر کسی بھی طرح سے ظلم ہو تو ان کی مدد کریں جیسے کہ مالی مدد، اور ان مسلمانوں کی مدد کریں جو ظلم کرتے ہیں انہیں اس طرز عمل کے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6952 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ غور کرنا ضروری ہے کہ مشورہ صرف اسی صورت میں دیا جائے جب مشورہ دینے والا ظالم کے نقصان سے محفوظ ہو۔

ایک مسلمان کو اجازت نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان سے کسی دنیوی وجہ سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع کرے۔ یہ بات بہت سی احادیث میں واضح ہو چکی ہے جیسے کہ جامع ترمذی نمبر 1932 میں موجود ہے۔ دوسرے مسلمان سے اس طرح منہ موڑنا اتنا سنگین مسئلہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار تنبیہ فرمائی۔ سنن ابن ماجہ نمبر 1740 میں موجود ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر پیر اور جمعرات کو تمام مسلمانوں کو معاف کر دیتا ہے سوائے ان کے جنہوں نے کسی دوسرے مسلمان کو چھوڑ دیا ہو یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں۔

دوسرا حق یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آئے۔ اس کے بجائے، انہیں عاجزی کا مظاہرہ کرنا چاہئے جو معاشرے میں ہمیشہ پیار اور محبت کے پھیلاؤ کا باعث بنتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4895 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کے برعکس تکبر اور غرور صرف معاشرتی رکاوٹوں اور معاشروں کی علیحدگی کا باعث بنتے ہیں۔ اگر کسی مسلمان کے ساتھ تکبر کا برتاؤ کیا جائے تو انہیں اس طرح جواب نہیں دینا چاہئے بلکہ صبر اور درگزر سے کام لینا چاہئے۔

درحقیقت دوسروں کے لیے ان کی سماجی حیثیت سے قطع نظر انکساری آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ جیسا کہ سنن نسائی نمبر 1415 میں موجود حدیث میں آتا ہے کہ آپ غریبوں اور مسکینوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ان کے ساتھ چلنے کو کبھی ناپسند نہیں کرتے تھے۔

ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے بارے میں افواہوں یا گپ شپ پر کبھی دھیان نہ دے کیونکہ زیادہ تر معاملات میں وہ یا تو مکمل طور پر جھوٹے ہوتے ہیں یا کچھ حقائق پر مشتمل افسانے کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔ بہت سے معاملات میں، کسی کی بری خواہشات کی تکمیل کے لیے سچائی کو بھی سیاق و سباق سے ہٹ کر توڑ مروڑ دیا گیا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ کہی گئی باتوں کو نظر انداز کرے اور گپ شپ کرنے والے کو سچے دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرے۔ انہیں کبھی بھی دوسروں سے گپ شپ نہیں دہرائی چاہئے اور نہ ہی دوسروں سے گپ شپ کا ذکر کرنا چاہئے۔ اس کو چھپا کر انہیں امید رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو دونوں جہانوں میں چھپائے گا۔ جامع ترمذی نمبر 1930 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ کسی مسلمان کو کبھی بھی دوسرے مسلمانوں کی غیبت یا غیبت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ درحقیقت صحیح مسلم نمبر 290 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ کہنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے وسائل میں رہتے ہوئے دوسرے مسلمانوں کی کسی بھی مصیبت میں مدد کرنے کی کوشش کرے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 225 میں ایک حدیث سے ثابت ہے کہ جو بھی ایسا کرے گا قیامت کے دن اس کی سختی سے نجات ملے گی۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کا مالی بوجھ ہلکا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں راحت عطا فرمائے گا۔ لہذا مسلمانوں کو ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے جو ان کے مقروض ہیں۔

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں پر ایک اور حق یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر ظلم کرے اور پھر ان سے معافی مانگے تو مظلوم اسے اللہ تعالیٰ کے لیے معاف کر دے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کے شکار کو معاف کر دے گا۔ باب 24 النور، آیت 22

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف ... " "کر دے؟"

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6592 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوسروں کو معاف کرے گا اسے زیادہ عزت نصیب ہوگی۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ان کی حیثیت کے مطابق سلوک کرنا چاہیے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 1921 میں موجود حدیث میں آئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بزرگوں کے ساتھ احترام اور چھوٹے کے ساتھ رحم کیا جائے۔ یہ حدیث متنبہ کرتی ہے کہ جو لوگ اس طرح کا برتاؤ نہیں کرتے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے تعلق نہیں رکھتے۔ درحقیقت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ادب المفرد نمبر 357 میں ایک حدیث یہ نصیحت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا ایک حصہ بزرگوں کا احترام کرنا ہے۔ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا حصہ ہیں، لہذا اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کا احترام کرنا درحقیقت خالق یعنی اللہ تعالیٰ کا احترام کرنا ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ جو دیتے ہیں وہی انہیں ملے گا۔ جامع ترمذی نمبر 2022 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب کوئی نوجوان کسی بوڑھے کی اس کی عمر کی وجہ سے تعظیم و تکریم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی بزرگی کے لیے کسی کو مقرر کرے گا۔

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں کا دوسرا حق یہ ہے کہ جب تک گناہوں سے اجتناب کیا جائے ان کے ساتھ خوش دلی سے پیش آئے۔ درحقیقت دوسرے مسلمان کو تسلی دینے کے لیے مسکرانا صدقہ ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1956 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

دوسرے مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور نرم رویہ رکھنے والے کو جامع ترمذی نمبر 2488 کی حدیث میں جہنم کی آگ سے حفاظت کی بشارت دی گئی ہے۔ دوسرے یہ اس قدر اہم ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 7512 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ یہ وہ عمل ہے جو جہنم کی آگ سے بچاتا ہے۔ درحقیقت اس پر عمل کرنے والے کو جامع ترمذی نمبر 1984 کی حدیث میں جنت میں ایک خوبصورت کوٹھی کا وعدہ کیا گیا ہے۔

مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے درمیان مسائل کو اپنی استطاعت کے مطابق درست کریں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2509 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ ایسا کرنا نفلی نماز، روزہ یا صدقہ سے افضل ہے۔

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں پر دوسرا حق یہ ہے کہ اپنے عیبوں کو چھپائے۔ جامع ترمذی نمبر 1930 میں ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مسلمان کے عیبوں پر پردہ ڈال دے گا جو اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کے عیب چھپاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں کو ظاہر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان دوسروں کے گناہوں کو نظر انداز کرے۔ لیکن اس کا مطلب ہے کہ انہیں نرمی سے اور نجی طور پر گناہگار کو خلوص دل سے توبہ کرنے اور دوسروں کے سامنے اپنے گناہ کا ذکر نہ کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان دوسروں کو ایسا گناہ نہ کرنے کی تعلیم دینا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرے اور لوگوں کا نام لیے بغیر دوسروں کو نصیحت کرے۔ اس کی مثال صحیح بخاری نمبر 6979 میں موجود ایک حدیث میں درج ہے، اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے عیبوں کی پردہ پوشی کرے جس طرح اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں اور دوسروں کی غلطیوں پر پردہ ڈالتا ہے۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ ایسی صورت حال سے بچنا چاہیے جس سے دوسرے مسلمانوں کے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا ہوں۔ یہ ان کو ان گناہوں سے بچانے کے لیے ہے جن کا ارتکاب دوسرے مشتبہ ہیں جیسے غیبت اور غیبت۔ اس تحفظ کو دوسرے مسلمانوں تک پہنچانا ان کے لیے بھلائی کا ایک حصہ ہے جس طرح کوئی اپنے لیے بھلائی کو پسند کرتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 3101 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ رات 3101

کے وقت اپنی بیوی سے ملے۔ اسی وقت دو صحابہ رضی اللہ عنہ تیزی سے چل پڑے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلایا اور بتایا کہ وہ اپنی بیوی سے مل رہے ہیں نہ کہ کوئی اجنبی عورت۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے واضح کیا کہ ان کے ذہن میں غلط خیال بھی نہیں آتا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو یہ تعلیم دینے کے لیے صرف اس انداز میں جواب دیا کہ کسی بھی ایسی سرگرمی کو واضح کرنا چاہیے جو دوسرے مسلمانوں کے افکار کی حفاظت کے لیے مشکوک نظر آئے۔

اس کا تعلق ایک اور نیک صفت سے ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب کوئی ایسے کاموں سے اجتناب کرتا ہے جو حلال ہیں تاکہ دوسرے مسلمانوں کو برا نہ لگے۔ مثال کے طور پر، ایک شوہر دوسرے مسلمانوں جیسے کہ اس کی بہن کے سامنے اپنی بیوی سے محبت کا اظہار نہیں کرتا۔ اگرچہ یہ مکمل طور پر حلال ہے لیکن اپنی بہن کے سامنے ایسا کرنے سے اسے برا لگے خصوصاً اگر اس کا شوہر اس کے ساتھ ایسی حرکت نہ کرے۔ یہ اعلیٰ درجہ کا اعلیٰ کردار ہے جو واجب نہیں بلکہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

مسلمانوں کا دوسرے مسلمانوں پر ایک اور حق یہ ہے کہ ان کا استقبال اسلامی سلام کے ساتھ کیا جائے۔ اس میں وہ مسلمان شامل ہوں جو ایک جانتا ہے اور جو مسلمان نہیں جانتے۔ بہت سی احادیث میں اس نیک عمل کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر، سنن ابن ماجہ، نمبر 68 میں پائی جانے والی ایک حدیث، دوسرے مسلمانوں کے لیے سلامتی کے پیغام کو جنت میں داخل ہونے سے جوڑتی ہے۔ باب 4 النساء آیت 86

اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے بہتر سلام دو یا [کم از کم [اسے] اسی طرح [واپس " کرو۔

جامع ترمذی نمبر 2706 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان سے ملے اور جب وہ اسے چھوڑے تو سلام کرے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ امن کا اسلامی سلام اس بات کا اشارہ ہے کہ ایک مسلمان کو نہ صرف کسی مسلمان کا پر امن الفاظ سے استقبال کرنا چاہئے بلکہ ہر گفتگو کے دوران اچھے الفاظ کو برقرار رکھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ امن کے اس پہلاؤ کو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ ایک مسلمان کے عمل سے ظاہر کیا جانا چاہیے۔ یہ دوسروں تک اسلامی سلام کا پیغام پہنچانے کا صحیح مفہوم ہے۔

ایک مسلمان کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت پر عمل کرنا چاہیے، جب وہ دوسرے مسلمانوں کو سلام پیش کرتے ہیں تو ان سے مصافحہ کرتے ہوئے درحقیقت جو مسلمان ایسا کرتے ہیں اور گفتگو کے دوران گناہوں سے بچتے ہیں ان کے چھوٹے گناہ الگ ہونے سے پہلے ہی معاف کر دیے جائیں گے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 5212 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے حقوق کا حتی الامکان دفاع کریں، بغیر کسی گناہ کے یا خود کو نقصان پہنچائے۔ مثال کے طور پر انہیں دوسرے مسلمانوں کی عزت کی حفاظت کرنی چاہیے جو اکثر ان کی پیٹھ پیچھے غیبت اور غیبت کی صورت میں پامال ہوتی ہیں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1931 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کی عزت کی حفاظت کرے گا وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا۔

اگر کوئی دوسرا مسلمان برے رویے کا مظاہرہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ اس کے علاوہ، انہیں ذاتی طور پر مشورہ دینا چاہئے کہ وہ اپنے کردار کو بہتر سے بہتر بنائیں۔ عوامی سطح پر ایسا کرنا ان کی شرمندگی کا باعث بن سکتا ہے اور یہ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو شرمندہ نہ کرے۔ اس کے علاوہ، شرمندہ ہونے والا شخص زیادہ غصے میں آجائے گا اور اس لیے وہ اس اچھی نصیحت کو قبول کرنے کا امکان کم ہے جو انہیں دیا گیا ہے۔

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ - 1

جب خلیفہ عمر بن خطاب نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ایک شہر پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا تو وہ گدھے پر چند سامان لے کر روانہ ہوئے۔ کچھ دیر بعد عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ واپس بلایا اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھنے کے لیے راستے میں چھپ گئے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ اسی سادہ حالت میں واپس آئے جس حالت میں وہ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں گلے لگایا اور اپنا بھائی کہا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 580-581 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ واقعہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی سادہ طبیعت کی عکاسی کرتا ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں جیسے کہ ان کی خوراک، لباس، رہائش اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ انہیں فارغ وقت فراہم کریں۔ آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اسی لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس

سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا کیونکہ دنیاوی چیزوں سے ان کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ - 2

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ لوگوں کو خبردار کیا کہ وہ نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں ورنہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے گا۔ پھر وہ برے لوگوں کو اختیار دے گا اور بہترین لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوگی۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 656 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2686 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے اہم فریضے کو ادا نہ کرنے کو دو درجے بھری ہوئی کشتی کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ لوگوں کا نچلی سطح کے لوگ جب بھی پانی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بالائی سطح کے لوگوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے وہ نچلی سطح پر ایک سوراخ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تاکہ وہ براہ راست پانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اگر بالائی سطح کے لوگ انہیں روکنے میں ناکام رہے تو یہ سب غرق ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نرمی کے ساتھ اپنے علم کے مطابق نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا کبھی ترک نہ کریں۔ ایک مسلمان کو ہرگز یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں گے، دوسرے گمراہ لوگ ان پر منفی اثر نہیں ڈال سکیں گے۔ سڑے ہوئے سیب کے ساتھ رکھنے پر ایک اچھا سیب بالآخر متاثر ہو جائے گا۔ اسی طرح جو مسلمان دوسروں کو نیکی کا حکم دینے میں ناکام رہتا ہے وہ آخر کار اس کے منفی رویے سے متاثر ہوتا ہے خواہ وہ لطیف ہو یا ظاہر۔ اگر وسیع تر معاشرہ بھی غافل ہو جائے تو اپنے اہل وعیال کو نصیحت کرنا ہرگز ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ نہ صرف ان کے منفی رویے ان پر زیادہ اثر انداز ہوں گے بلکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث کے مطابق یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر کسی مسلمان کو دوسروں کی طرف سے نظر انداز کیا جاتا ہے تو اسے نرمی سے نصیحت کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے جس کی تائید مضبوط دلائل اور علم سے ہوتی ہے۔ صرف اسی طرح وہ ان کے منفی اثرات سے محفوظ رہیں گے اور قیامت کے دن معاف کر دیے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ صرف اپنی فکر کریں اور دوسروں کے اعمال کو نظر انداز کریں تو اندیشہ ہے کہ دوسروں کے منفی اثرات ان کی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ - 3

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار تبصرہ کیا کہ میری خواہش ہے کہ کوئی ان کی ذمہ داریوں کو سنبھالے تاکہ وہ اپنے آپ کو لوگوں سے دور رکھے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر لے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی حیات الصحابہ جلد 2 صفحہ 660 میں بحث ہوئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2406 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجات حاصل کرنے کا طریقہ بتایا۔

جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان بلا ضرورت گھر سے نہ نکلے۔ اس طرز عمل سے وقت ضائع ہوتا ہے اور زبانی اور جسمانی دونوں گناہ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی سچے دل سے غور کرے تو وہ سمجھے گا کہ ان کے زیادہ تر گناہوں اور مسائل کا سامنا دوسروں کے ساتھ غیر ضروری طور پر میل جول کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ ہمیشہ دوسروں کی غلطی تھی لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی غیر ضروری طور پر اپنا گھر چھوڑنے سے گریز کرتا ہے تو وہ کم گناہ کرے گا اور کم پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا کرے گا۔ اس سے ان کا اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کا وقت بھی نکل جائے گا جو کسی کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں فائدہ مند ہے۔

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ - 4

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ مجھے اندیشہ تھا کہ لوگ ان چیزوں کو ترجیح دیں گے جو وہ جانتے ہیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 721 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سب سے بڑی رکاوٹ ایمان کی کمزوری ہے۔ یہ ایک قابلِ ملامت خصوصیت ہے جو دوسری منفی خصوصیات کو جنم دیتی ہے، جیسے اپنے علم پر عمل نہ کرنا، دوسروں سے ڈرنا، لوگوں کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر فوقیت دینا، بغیر کوشش کے معافی کی امید رکھنا اور دیگر ناپسندیدہ خصوصیات۔ خصوصیات ایمان کی کمزوری کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ یہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے جیسے فرائض سے غفلت۔ ایمان کی کمزوری کی اصل وجہ اسلام سے لاعلمی ہے۔

اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ آخرکار ایمان کے اس یقین تک پہنچ جائیں گے جو اس قدر مضبوط ہے کہ یہ انسان کو تمام آزمائشوں اور آزمائشوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ اپنے دینی اور دنیاوی فرائض کو پورا کرے۔ یہ علم اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرتا ہے۔ خاص طور پر وہ تعلیمات جن میں فرمانبرداروں کے لیے اجر کے وعدوں اور اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کے لیے عذاب کا ذکر ہے۔ اس سے مسلمان کے دل میں عذاب کا خوف اور ثواب کی امید پیدا ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف کھینچنے اور دھکیلنے کے طریقہ کار کی طرح کام کرتا ہے۔

آسمانوں اور زمین کے اندر کی تخلیقات پر غور و فکر کر کے اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتے ہیں۔ جب صحیح طریقے سے کیا جائے تو یہ واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی لامحدود قدرت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ ” یہ حق ہے۔“

مثال کے طور پر، اگر کوئی مسلمان رات اور دن کے بارے میں غور کرے کہ وہ کس حد تک مطابقت میں ہیں اور ان سے جڑی دوسری چیزوں کو وہ واقعی یقین کر لیں گے کہ یہ کوئی بے ترتیب چیز نہیں ہے، یعنی ایک ایسی طاقت ہے جو اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ ہر چیز گھڑی کی طرح چلتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود طاقت ہے۔ اس کے علاوہ، اگر کوئی رات اور دن کے کامل وقت پر غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی معبود ہے، یعنی اللہ تعالیٰ۔ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو ہر خدا کی خواہش ہوتی کہ رات اور دن ان کی اپنی خواہشات کے مطابق ہوں۔ یہ سراسر افراتفری کا باعث بنے گا کیونکہ ایک خدا سورج کے طلوع ہونے کی خواہش کر سکتا ہے جبکہ دوسرا خدا رات کو جاری رکھنے کی خواہش کر سکتا ہے۔ کائنات کے اندر پایا جانے والا کامل بلا تعطل نظام یہ ثابت کرتا ہے کہ: صرف ایک ہی خدا ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔ باب 21 الانبیاء، آیت 22

”اگر ان کے اندر اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وہ دونوں برباد ہو جاتے۔“

ایک اور چیز جو ایمان کو مضبوط کر سکتی ہے وہ ہے عمل صالح پر قائم رہنا اور تمام گناہوں سے پرہیز کرنا۔ جیسا کہ ایمان ایمان ہے جس کی تائید اعمال سے ہوتی ہے جب گناہ سرزد ہوتے ہیں تو کمزور ہوتے ہیں اور جب اچھے اعمال کیے جاتے ہیں تو تقویت ملتی ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5662 میں موجود حدیث میں ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی کہ مسلمان شراب پینے سے مومن نہیں ہوتا۔

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ - 5

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ منافق وہ ہے جو اسلام کو بیان کرے حالانکہ اس پر عمل نہیں کرتا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 741 میں بحث کی گئی ہے۔

کفر اسلام کا لفظی انکار ہو سکتا ہے یا اعمال کے ذریعے، جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شامل ہے، حالانکہ کوئی اس پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کو ایک مثال سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر کسی لاعلم شخص کو کسی دوسرے قریب آنے والے شیر کی طرف سے خبردار کیا جاتا ہے اور لاعلم شخص حفاظت کے حصول کے لیے عملی اقدامات کرتا ہے تو وہ ایسا شخص سمجھا جائے گا جس نے انہیں دی گئی وارننگ پر یقین کیا ہو کیونکہ اس نے انتباہ کی بنیاد پر اپنے طرز عمل کو ڈھال لیا تھا۔ جبکہ اگر لاعلم شخص تنبیہ کے بعد اپنے رویے کو عملی طور پر تبدیل نہیں کرتا ہے تو لوگ شک کریں گے کہ وہ ان کو دی گئی وارننگ پر یقین نہیں کرتے خواہ بے خبر شخص زبانی طور پر ان کو دی گئی وارننگ پر یقین کا دعویٰ کرے۔

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا عقیدہ اور اپنے خدا کی اطاعت ان کے دلوں میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اس کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بدقسمتی سے، اس احمقانہ ذہنیت نے بہت سے مسلمانوں کو متاثر کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک خالص وفادار دل کے مالک ہیں حالانکہ وہ اسلام کے واجبات کو ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر اعلان فرمایا ہے کہ جب کسی کا دل پاک ہوتا ہے تو جسم بھی پاک ہوتا ہے یعنی اس کے اعمال درست ہوجاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کا دل فاسد ہو تو جسم فاسد ہو جاتا ہے یعنی اس کے اعمال فاسد اور غلط ہوں گے۔ لہذا جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنے فرائض کو عملی طور پر ادا نہیں کرتا وہ کبھی بھی پاک دل نہیں ہوسکتا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا عملی طور پر مظاہرہ کرنا ان کا ثبوت اور شہادت ہے جو قیامت کے دن جنت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس عملی ثبوت کا نہ ہونا اتنا ہی احمقانہ ہے جتنا ایک طالب علم جو اپنے استاد کو خالی امتحانی پرچہ واپس دے دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ ان کا علم ان کے ذہن میں ہے اس لیے انہیں امتحان کے سوالات کے جوابات دے کر اسے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ طالب علم جس طرح ناکام ہو گا اسی طرح وہ شخص جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے قیامت تک پہنچے گا، خواہ وہ اس پر ایمان رکھتا ہو۔ ان کا دل

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ - 6

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کے نتائج سے قطع نظر احد پہاڑ پر ٹھہرنے کا حکم دیا تھا، ان کا خیال تھا کہ جنگ ختم ہوچکی ہے اور حکم کا اطلاق نہیں ہوگا۔ جب وہ احد پہاڑ پر اترے تو اس سے مسلمانوں کی فوج کا پچھلا حصہ کھل گیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی۔ اس الجھن کے دوران بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غلطی سے ایک اور صحابی آل یمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ ان کے صاحبزادے حذیفہ رضی اللہ عنہ جو احد میں موجود تھے اس کے گواہ بھی تھے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف کبھی اس کو نہیں ٹھہرایا اور برسوں بعد اس دنیا سے رخصت ہونے تک اس وصیت پر قائم رہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 46 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 3824 میں بھی درج ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190

اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد " سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا۔ باب:
النور، آیت 22 24

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر... " "دے؟

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ - 7

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں دو مسلم فوجیں، ایک شام کی اور دوسری عراق کی، ایک بار اس بات پر جھگڑ پڑیں کہ ان کا مجموعی سربراہ کون ہو گا۔ اس جھگڑے کا نتیجہ تقریباً تشدد کی صورت میں نکلا لیکن صحابہ کرام جیسے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے جو وہاں موجود تھے نے دونوں فریقوں سے بات کی اور ان کے درمیان صلح کرائی جس سے خونریزی ٹل گئی۔ امام محمد السلابی کی سیرت عثمان ابن عفان ذون نورین صفحہ 255 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ باب 4 النساء، آیت 114 سے مربوط ہے

ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا " حکم دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ لوگوں کو دوسروں کے ساتھ گفتگو کرتے وقت اپنے آپ کو کیسا برتاؤ کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنے اور دوسروں کے لیے فائدہ اٹھا سکیں۔ پہلا یہ کہ جب مسلمان جمع ہوں تو وہ اس بات پر بحث کریں کہ دوسروں کو کس طرح فائدہ پہنچانا ہے جس میں مال اور جسمانی امداد کی شکل میں صدقہ شامل ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی ضرورت مند کی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو یہ ان کی مدد کرنے کے برابر ثواب حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6800 میں ایک حدیث ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کو نیکی کی طرف ترغیب دیتا ہے اسے اس طرح اجر ملے گا جیسے اس نے خود اچھا عمل کیا۔ اگر کوئی مشکل میں کسی کی مدد نہیں کر سکتا یا دوسرے کو اس کام کو پورا کرنے کی ترغیب نہیں دے سکتا تو وہ کم از کم دوسروں کو ضرورت مند کے لیے دعا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔ غائب شخص کے لیے دعا کرنے سے فرشتے دعا کرنے والے کے لیے دعا کرتے ہیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 1534 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ ذہنیت گروہ کو

ضرورت مندوں سے ملنے کی ترغیب دے سکتی ہے جو انہیں جذباتی مدد فراہم کرتا ہے۔ اس کا ایک طاقتور نفسیاتی اثر پڑتا ہے اور ان کی مشکلات سے نمٹنے کے دوران انہیں طاقت کا ایک نیا انداز فراہم کرتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب کوئی کسی ضرورت مند کی حالت کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کا مقصد اس کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کرنا ہوتا ہے۔ وقت گزرنے اور انہیں طنز کا نشانہ بنانے کی خاطر ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

برکت حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی کسی حلال کے بارے میں بات کرتا ہے جو اس دنیا یا آخرت میں کسی کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اس پہلو میں اپنی زندگی کے ہر پہلو میں دوسروں کو نیکی کرنے اور برائی سے باز رہنے کی تلقین کرنا شامل ہے۔

تیسرا پہلو جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے وہ تعمیری ذہنیت کے ساتھ دوسروں کے ساتھ بات چیت کرنا ہے جو لوگوں کو تباہ کن ذہنیت رکھنے کی بجائے مثبت انداز میں اکٹھا کرتا ہے جو معاشرے میں تفرقہ کا باعث بنتا ہے۔ اگر کوئی شخص محبت بھرے انداز میں لوگوں کو اکٹھا نہیں کر سکتا تو کم از کم وہ کر سکتا ہے کہ ان کے درمیان تفرقہ پیدا نہ ہو۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے تو یہ ایک نیکی کے طور پر درج ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2518 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

درحقیقت سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دو مخالف مسلمانوں کے درمیان صلح کرنا نماز اور روزہ سے افضل ہے۔ معاشرے میں پائی جانے والی ہر اچھی چیز اسی پاکیزہ رویے کا نتیجہ تھی جیسے سکول، ہسپتال اور مساجد کی تعمیر۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اس آیت میں مذکور عظیم اجر تبھی ملے گا جب وہ نہ صرف ان کے جسمانی عمل ہر شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نیک اعمال انجام دیں گے۔ کی بنیاد پر ان کی نیت پر انعام دیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک لوگوں سے اپنا ان مسلمان کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ بے ایمان حدیث سے ہوتی ہے۔

اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی
نمبر 3154 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ - 8

جنگ یمامہ کے بعد، جس میں بہت سے مسلمانوں کی ہلاکتیں ہوئیں، جن میں سے اکثر نے قرآن پاک حفظ کر لیا تھا، عمر بن خطاب نے خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خوف کی وجہ سے قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کرنے کی ترغیب دی۔ اگر قرآن پاک کے حافظ مرتے رہے یا لڑائیوں میں شہید ہوتے رہے تو آیات ضائع ہو سکتی ہیں۔ اس سے پہلے قرآن کریم کی آیات کسی ایک کتاب میں موجود نہیں تھیں، بلکہ وہ یا تو حفظ کی جاتی تھیں یا مختلف چیزوں مثلاً پتھروں پر لکھی جاتی تھیں، جو مختلف لوگوں کے قبضے میں تھیں۔ ابتدا میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کچھ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا کیونکہ وہ ایسا کام کرنے کی خواہش نہیں رکھتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے میں بہت سخت تھے۔ لیکن جب آخر کار عمر نے اصرار کیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ قرآن کریم کی آیات کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کرنے کے لیے یہی بہترین عمل ہے۔ ابوبکر نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس اہم اور مشکل کام کے لیے مقرر کیا۔ انہوں نے قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کرنے کے لیے انتھک محنت کی۔ یہ نسخہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی، پھر یہ عمر رضی اللہ عنہ کو اور آخر کار ان کی بیٹی اور مؤمنین کی والدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچ گئی۔ اس سے خوش صحیح بخاری نمبر 7191 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک مسلمانوں کے لیے قرآن مجید کی مختلف لہجوں کے مطابق تلاوت کرنا جائز تھا جس میں یہ نازل ہوا تھا۔ سات مختلف بولیوں میں نازل ہوا۔ اس سے اس کی تلاوت میں لچک پیدا ہوئی۔ لیکن آرمینیا اور آذربائیجان کی فتح کے دوران حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ نے شام اور عراق سے آنے والے سپاہیوں کے قرآن پاک کی تلاوت میں اختلاف کو دیکھا۔ وہ ڈرتا تھا کہ یہ اختلافات بالخصوص جاہل مسلمانوں میں تفرقہ کا باعث بن سکتے ہیں کیونکہ وہ تلاوت کے ان طریقوں پر اعتراض کر سکتے ہیں جن سے وہ واقف نہیں تھے۔ چنانچہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے درخواست کی کہ امت مسلمہ کو ایک قراءت پر جمع کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کے بعد اس پر اتفاق کیا اور ان میں سے کسی نے بھی آپ کے فیصلے سے اختلاف نہیں کیا۔ اس نے قرآن پاک کا طبعی نسخہ بھیجا جو مؤمنین کی والدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔ اس ورژن کی کاپیاں بنائیں؛ اور انہیں پوری اسلامی سلطنت میں بھیج دیا اور انہیں اس کی قراءت کے طریقے پر چلنے کا حکم دیا جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے قبیلہ قریش کی قرات کا طریقہ تھا۔ صحیح بخاری نمبر 4987 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن پاک کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کو یقینی بنانے کے لیے بہت بڑے اقدامات کیے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ہر وقت قرآن پاک کی سچی اطاعت اور اس پر عمل کرتے ہوئے اپنی کوششوں کا احترام کریں۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس پر عمل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظر انداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو اسے سمجھنا ہے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے راہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور دنیاوی چیزوں مثلاً شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82

اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ”ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔“

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک دنیاوی مسائل کا علاج ہونے کے باوجود مسلمان کو صرف اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن مجید کو صرف اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے کہ وہ اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے اس کی تلاوت کریں، قرآن مجید کو ایک آلے کی طرح سمجھیں جو مشکل کے وقت ہٹا کر دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام آخرت کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کر دینا اور اسے صرف اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو ابھی تک بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے، اس کے پاس کوئی انجن نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔

اس کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اعمال اسلام میں اتحاد کی اہمیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنی سوچ اور احساس کو ناپسند کرتے ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ان کی حسد کی وجہ سے ان کا احتساب نہیں کیا جائے گا۔ بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے احساس کو ناپسند کرے اور اگر وہ اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے پاس موجود نعمت کو کھوئے بغیر اس کے مالک کی طرف سے کوئی نعمت حاصل نہ ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص حلال مال حاصل کرنے اور خرچ کرنے والے سے حسد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

ایک اور چیز جو شروع میں نفل کی گئی مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں اسے ایمان کی تکمیل کے پہلو کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک

مسلمان کو اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل اسی طرح کامل نہیں ہیں جس طرح وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی برائیاں چھوڑ دیں لیکن ان میں جو اچھی صفات ہیں ان سے محبت کرتے رہیں۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ صحیح ماننا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے منہ نہ پھیریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیاوی مسئلہ میں ایک سال سے زائد عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرتے رہنا چاہیے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے جب وہ بہتر کے لیے تبدیلی سے انکار کر دیں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں میں ان کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ یہ احسان مندانہ عمل انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے خبردار کرنا۔ باب 5 المائدة، آیت 2

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔“

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں: وہ سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا۔ چھینکنے والا جو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو وہ تمام حقوق سیکھنے اور پورے کرنے چاہئیں جو دوسرے لوگوں خصوصاً دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے ترک نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس سے نفرت کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو ذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ انسان کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ خوبصورت لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر 4094 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا 4094 ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے۔ کرپٹ ہو جاتا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔
تخلیق.

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو بات اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور عزت سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو بغیر کسی جواز کے ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کے شر سے محفوظ نہ رکھے۔ نقصان دہ تقریر اور اعمال اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ ظالم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے اٹھویں سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک لشکر روانہ کیا۔ جب وہ ذوالسلسل پر پہنچا تو اس نے دشمن کا نمبر نوٹ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ کمک کی درخواست کی۔ اس نے ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک اور لشکر روانہ کیا۔ جب دوسری فوج ذوالسلسل تک پہنچی تو دونوں فوجوں میں اس بات پر اختلاف ہو گیا کہ ان کی قیادت کون کرے گا اور اعلان کیا کہ ہر فوج کی الگ الگ قیادت کی جائے۔ لیکن ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ خوش اخلاق اور آسان طبیعت کے آدمی تھے اس لیے انہوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو دونوں افواج کو متحد کرنے کی اجازت دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ مرد اور بحث کرنے سے گریز کریں۔ جب یہ خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 370-372 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنی سوچ اور احساس کو ناپسند کرتے ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ان کی حسد کی وجہ سے ان کا احتساب نہیں کیا جائے گا۔ بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے احساس کو ناپسند کرے اور اگر وہ اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے پاس موجود نعمت کو کھوئے بغیر اس کے مالک کی طرف سے کوئی نعمت حاصل نہ ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص حلال مال حاصل کرنے اور خرچ کرنے والے سے حسد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

ایک اور چیز جو شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں

موجود حدیث میں اسے ایمان کی تکمیل کے پہلو کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل اسی طرح کامل نہیں ہیں جس طرح وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی برائیاں چھوڑ دیں لیکن ان میں جو اچھی صفات ہیں ان سے محبت کرتے رہیں۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ صحیح ماننا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے منہ نہ پھیریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیاوی مسئلہ میں ایک سال سے زائد عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرتے رہنا چاہیے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے جب وہ بہتر کے لیے تبدیلی سے انکار کر دیں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں میں ان کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ یہ احسان مندانه عمل انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے خبردار کرنا۔ باب 5 المائدة، آیت 2

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔“

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں: وہ سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا۔ چھینکنے والا جو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو وہ تمام حقوق سیکھنے اور پورے کرنے چاہئیں جو دوسرے لوگوں خصوصاً دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے ترک نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس سے نفرت کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو ذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ انسان کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ خوبصورت لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر 4094 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا 4094 ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے۔ کرپٹ ہو جاتا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔
تخلیق.

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو بات اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور عزت سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو بغیر کسی جواز کے ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کے شر سے محفوظ نہ رکھے۔ نقصان دہ تقریر اور اعمال اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ ظالم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ - 2

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کی۔ نجران کے اس وفد نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کے سوالوں کا جواب دینے کے لیے ایک قابل اعتماد شخص کو ان کے پاس بھیجیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ شخص بننا چاہا لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو چن لیا اور آپ کو سب سے زیادہ امانت دار قرار دیا۔ اس کی قوم میں اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 71 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے: کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ "کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔

لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں اس کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ - 3

اپنی خلافت کے دوران، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے، اپنے پیشروؤں کی طرح عاجزی اختیار کی، اور اپنے گورنروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دی۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ غرور سے بچیں گے جو انہیں معاشرے میں کمزور سمجھے جانے والے حقوق کو پورا کرنے سے روکے گا۔

مثال کے طور پر ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ شام کی مہم کے رہنما تھے جب ایک رومی سپاہی ان کے پاس مذاکرات کے لیے آیا۔ رومی سپاہی اسے اپنے آدمیوں سے الگ نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ وہ سب ایک جیسے دکھائی دیتے تھے۔ رومی سپاہی نے بالآخر اسے زمین پر بیٹھا پایا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کے سادہ مزاج پر سوال کیا تو جواب دیا کہ اس کے پاس دنیا کی آسائشیں نہیں ہیں، درحقیقت اس کے پاس صرف ایک گھوڑا اور ہتھیار تھا۔ اس نے مزید کہا کہ اگر اس کے پاس بیٹھنے کے لیے تکیہ ہوتا تو وہ اسے کسی دوسرے مسلمان کو استعمال کرنے کے لیے دے دیتا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہتر ہے۔ اس کے بعد اس نے رومی سپاہی کو یاد دلایا کہ زمین پر چلنا (جانور پر سوار ہونے کی بجائے) زمین پر بیٹھنا، زمین پر کھانا کھانے اور زمین پر لیٹنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کا درجہ کم نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے اجر میں اضافہ کرتا ہے اور ان کی عاجزی کی وجہ سے ان کے درجات میں اضافہ کرتا ہے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 56-57 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کے ساتھ زندگی بسر کرے گا تو اس کے درجات بلند ہوں گے۔ ایسا ہوتا ہے کیونکہ عاجزی اللہ کی بندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔ عاجزی کا مخالف جو کہ فخر ہے صرف مالک یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ ہر چیز جو لوگوں کے پاس ہے وہ اسی کی طرف سے پیدا اور عطا کی گئی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنا اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ انسان غرور سے بچتا ہے اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے عاجزی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی ہے اور دونوں جہانوں میں حقیقی عظمت کی طرف لے جاتی ہے۔

ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ - 4

شام کی مہم کے دوران ابو عبیدہ بن جراح کو خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کا انچارج مقرر کیا۔ جب یہ خبر آپ تک پہنچی تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے دنیا میں اقتدار نہیں چاہا اور یہ دنیاوی نفع نہیں ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ جو کچھ لوگ اس دنیا میں دیکھتے ہیں وہ جلد ختم ہو جائے گا اور ختم ہو جائے گا۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 2، صفحہ 271 میں بحث کی گئی ہے۔

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے اور آخرت کے اچھے گھر کے حصول کے لیے کام کرتے تھے۔ یہ ذہنیت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان اس مادی دنیا اور آخرت کے حوالے سے صحیح فہم و ادراک اختیار کرتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ صحیح ادراک پیدا کریں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کر سکیں، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ وہی چیز ہے جو نیک پیشرووں کے پاس تھی اور اس نے انہیں مادی دنیا کی اضافی آسائشوں سے بچنے اور آخرت کی تیاری کرنے کی ترغیب دی۔ یہ ایک اہم خصوصیت ہے اور اسے دنیاوی مثال سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ دو لوگ بہت پیاسے ہیں اور ایک کپ گدلا پانی کے پاس آتے ہیں۔ وہ دونوں اسے پینا چاہتے ہیں اگرچہ وہ پاک نہ ہو اور خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اس پر جھگڑنا پڑے۔ جیسے جیسے ان کی پیاس گندے پانی کے پیالے پر زیادہ مرکوز ہوتی ہے وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر توجہ کھو دیتے ہیں۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی اپنی توجہ ہٹاتا ہے اور صاف پانی کے ایک دریا کو دیکھتا ہے جو کچھ ہی فاصلے پر تھا وہ فوری طور پر پانی کے پیالے پر توجہ اس مقام پر کھو دیتا ہے کہ وہ اب اس کی پروا نہیں کرے گا اور اس پر مزید بحث نہیں کرے گا۔ اور اس کے بجائے وہ اپنی پیاس کو صبر سے برداشت کریں گے یہ جانتے ہوئے کہ خالص پانی کا ایک دریا قریب ہے۔ جو شخص دریا سے ناواقف ہے وہ شاید اس کے رویے میں تبدیلی کو دیکھ کر یقین کرے گا کہ دوسرا پاگل ہے۔ یہی حال اس دنیا میں دو طرح کے لوگوں کا ہے۔ ایک گروہ لالچ سے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ دوسرے گروہ نے اپنی توجہ آخرت اور اس کی پاکیزہ اور ابدی نعمتوں پر مرکوز کر دی ہے۔ جب کوئی اپنی توجہ آخرت کی سعادت کی طرف مبذول کر لے تو دنیاوی مسائل اتنی بڑی بات نہیں لگتے۔ اس لیے صبر کو اپنانا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس دنیا

پر اپنی توجہ مرکوز رکھے تو یہ ان کو سب کچھ لگتا ہے۔ وہ اس کے لیے بحث کریں گے، لڑیں گے، محبت کریں گے اور نفرت کریں گے۔ بالکل اسی طرح جیسے پہلے ذکر کی گئی مثال میں وہ شخص جو صرف گندے پانی کے پیالے پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

یہ صحیح ادراک صرف قرآن پاک میں موجود اسلامی علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پایا جاتا ہے۔
باب 41 فصیلات، آیت 53

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ ”
یہ حق ہے۔“

ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ - 5

شام کی مہم کے دوران ابو عبیدہ بن جراح کو خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انچارج مقرر کیا اور اس لیے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جگہ ان کو مقرر کیا گیا۔ خالد رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ لینے میں کوئی پریشانی نہیں تھی لیکن سننے والوں کو یاددہانی کے طور پر، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے والے بھائی تھے۔ اور اگر کسی مسلمان کا بھائی اس پر مقرر کیا جائے تو اس سے اس کے روحانی یا دنیاوی امور کو نقصان نہیں پہنچے گا، بلکہ اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ اس کا ذمہ دار فتنہ کے زیادہ قریب ہو یا اس کے ظاہر ہونے کی وجہ سے گناہ میں پڑ جائے۔ سوائے ان کے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محفوظ ہیں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 2، صفحہ 271 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حسد نے بہت سے مسلمانوں کو متاثر کیا ہے۔ عام طور پر دیکھا جائے تو درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2510 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر، یہ مسلمانوں کو بھلائی کی حمایت کرنے کے اہم فریضے کو پورا کرنے سے روکتا ہے، قطع نظر اس کے کہ یہ کام کون کرتا ہے کیونکہ غیرت مند شخص دوسروں کی مدد کرنے کی خواہش نہیں رکھتا کیونکہ انہیں یقین ہے کہ معاشرے میں دوسرے شخص کا درجہ ان کے اپنے سے بڑھ جائے گا۔

ایک مسلمان کو اپنے کردار سے حسد کو دور کرنے کے لیے قدم اٹھانا چاہیے۔ ایک چیز جو اس مقصد میں مدد کر سکتی ہے وہ ہے اس پر قناعت کرنا جو انسان کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی خواہشات کے مطابق نہیں دیتا کیونکہ یہ ان کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔ وہ اس کے بجائے وہ دیتا ہے جو ہر شخص کے ایمان کے لیے بہترین ہے۔ اس کو سمجھنا دوسروں کے پاس موجود حسد کو ختم کر سکتا ہے۔ کتنے مسلمانوں نے ایسی دولت حاصل کی جس سے ان کا ایمان ٹوٹ گیا؟ اور کتنے مسلمانوں کو قیامت کے دن معاف کیا جائے گا کیونکہ انہوں نے صبر سے امتحان لیا؟ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

دوسری بات یہ سمجھنے کی ہے کہ چونکہ یہ مادی دنیا محدود ہے اس کے اندر موجود چیزوں پر حسد کرنا آسان ہے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان آخرت کا ارادہ رکھتا ہے اور اسے مادی دنیا کی زیادتی پر ترجیح دیتا ہے تو یہ ان سے حسد دور کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ آخرت کی نعمتیں لامحدود ہیں اس لیے حسد کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ درحقیقت گھومنے پھرنے کی بہت سی نعمتیں ہیں، وہ کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ لیکن دنیا میں پائی جانے والی محدود چیزوں کا جتنا زیادہ مقصد اور خواہش کرے گا وہ اتنا ہی زیادہ غیرت مند ہوگا۔

ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ - 6

شام کی طرف مہم کے دوران مسلمانوں کی ایک فوج نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا یہاں تک کہ اس کے لوگ اس شرط پر شہر کا کنٹرول مسلمانوں کے حوالے کرنے پر راضی ہو گئے کہ خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خود ان کے پاس آئیں۔ وہ راضی ہو گیا اور طویل سفر کے بعد یروشلم پہنچا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے گھر میں رہنے کی تاکید کی۔ عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ اپنے گورنروں کو دیکھتے رہتے تھے کہ وہ معاشرے کے رہنما کی طرح زندگی گزارتے اور برتاؤ کرتے تھے۔ جب وہ اپنے گھر میں داخل ہوا تو اسے تلوار، ڈھال اور زین کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ جب اس نے اپنے طرز زندگی کے بارے میں سوال کیا تو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جو کچھ اس کے پاس تھا وہ اسے اس کی منزل یعنی آخرت تک پہنچانے کے لیے کافی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ رو اس پر امام محمد السلابی، عمر بن پڑے اور کہا کہ دنیا نے ان سب کو بدل دیا ہے سوائے ان کے۔ الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 302-303 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں جیسے کہ ان کی خوراک، لباس، رہائش اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ انہیں فارغ وقت فراہم کریں۔ آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اسی لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا کیونکہ دنیاوی چیزوں سے ان کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔

ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ - 7

ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نصیحت کی کہ اپنے پرانے گناہوں کو ان کی جگہ نئی نیکیوں سے مٹا دے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 207 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان کو چاہیے کہ گناہ کے بعد نیک عمل کرے تاکہ اس سے گناہ مٹ جائے۔ اس سے مراد صرف چھوٹے گناہ ہیں کیونکہ بڑے گناہوں کے لیے سچی توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی اپنے عمل صالح میں سچے دل سے توبہ کا اضافہ کرے تو اس سے چھوٹے یا بڑے تمام گناہ مٹ جائیں گے۔ لیکن عمل صالح کا ایک حصہ یہ ہے کہ اس گناہ کو دوبارہ نہ دہرانے کی کوشش کی جائے کیونکہ عمل صالح کی نیت سے گناہ کرنا ایک خطرناک گمراہ کن ذہنیت ہے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ گناہ نہ کیے جائیں اور جب وہ سرزد ہوں تو سچے دل سے توبہ کرے۔

ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ - 8

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر میں کسی ایسے شخص کو جانتا ہوں، خواہ وہ گورا ہو یا سیاہ رنگ کا، آزاد ہو یا غلام، فصیح ہو یا بے ادب ہو، جو ان سے زیادہ متقی ہو۔ وہ یقیناً ان کی جلد میں رہنا پسند کرے گا۔ امام احمد بن حنبل کی کتاب الزہد ص/230 میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اس سے اسلام میں مساوات کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل و صورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔ 3154

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان

کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ” پرہیزگار ہے۔“

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ - 9

۱۷ سال ایک بڑی طاعون پھوٹ پڑی اور پورے ملک بالخصوص شام میں پھیل گئی۔ بہت سے بزرگ صحابہ جیسے ابو عبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ان سب نے صبر و تحمل سے کام لیا اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کیا تھا اسے بخوشی قبول کیا۔

ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے بستر مرگ پر کچھ نصیحت کی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ نماز قائم کریں، فرض زکوٰۃ ادا کریں، روزہ رکھیں، صدقہ کریں، حج و عمرہ کریں، آپس میں رشتہ استوار رکھیں، آپس میں محبت رکھیں، حکمرانوں سے مخلص رہیں۔ مادی دنیا کی طرف سے مشغول ہونے سے بچنے کے لئے۔ اس نے انہیں یاد دلایا کہ چاہے وہ کتنی ہی مدت تک زندہ رہیں آخر کار مر جائیں گے، اس لیے سب سے زیادہ چالاک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ فرمانبردار اور آخرت کے لیے تیار ہو۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 424-426 میں بحث کی گئی ہے۔

کوئی بھی اس نصیحت کو اس وقت پورا کر سکتا ہے جب وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دی گئی ہیں۔

حقیقت میں، زیادہ تر معاملات میں اس مادی دنیا میں کوئی بھی چیز بذات خود اچھی یا بری نہیں ہے، جیسے کہ دولت۔ جو چیز کسی چیز کو اچھی یا بری بناتی ہے وہ اس کے استعمال کا طریقہ ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اس کا اصل مقصد یہی تھا کہ اس کا صحیح استعمال اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ جب کسی چیز کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو وہ حقیقت میں بیکار ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، دولت دونوں جہانوں میں مفید ہے جب اس کا صحیح استعمال کیا جائے جیسے کہ کسی شخص اور اس کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔ لیکن اگر اسے صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جائے، مثلاً ذخیرہ اندوزی یا گناہ کی چیزوں پر خرچ کرنا، تو یہ بیکار اور اس کے اٹھانے والے کے لیے

لعنت بھی بن سکتا ہے۔ محض دولت جمع کرنے سے دولت کی قدر و قیمت ختم ہو جاتی ہے۔ کاغذ اور دھاتی سکے ایک ٹک کے فاصلے پر کیسے کارآمد ہو سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں، کاغذ کے ایک ٹکڑے اور پیسے کے نوٹ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ تب ہی مفید ہے جب اسے صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے۔

لہذا اگر کوئی مسلمان یہ چاہتا ہے کہ ان کے تمام دنیاوی اموال دونوں جہانوں میں اس کے لیے نعمت بن جائیں تو اسے صرف یہ کرنا ہے کہ وہ قرآن پاک میں موجود تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ان کا صحیح استعمال کریں۔ اسے لیکن اگر وہ ان کا غلط استعمال کریں گے تو وہی نعمت ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ اور لعنت بن جائے گی۔ یہ اتنا ہی آسان ہے۔

جب کوئی شخص ان نعمتوں کا مقصد سمجھ لے تو صحیح رویہ اختیار کر سکتا ہے۔

مسلمان کے پاس ہر دنیوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے جو اسے آخرت تک پہنچنے میں مدد فراہم کرے۔ یہ اپنے آپ میں ایک اختتام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، دولت ایک ایسا ذریعہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے استعمال کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنا چاہیے۔ یہ اپنے آپ میں کوئی حتمی یا حتمی مقصد نہیں ہے۔

اس سے نہ صرف ایک مسلمان کو آخرت پر توجہ مرکوز رکھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ جب بھی وہ دنیاوی نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں تو یہ ان کی مدد کرتا ہے۔ جب ایک مسلمان ہر دنیوی نعمت کو، جیسے کہ بچہ، کو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتا ہے تو اس کے ضائع ہونے سے ان پر اتنا نقصان دہ اثر نہیں پڑے گا۔ وہ اداس ہو سکتے ہیں، جو ایک قابل قبول جذبہ ہے، لیکن وہ غمگین نہیں ہوں گے جو بے صبری اور دیگر ذہنی مسائل، جیسے ڈپریشن کا باعث بنتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے پاس موجود دنیاوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے اس لیے اسے کھونے سے حتمی مقصد یعنی جنت میں

نقصان نہیں ہوتا، جس کا نقصان تباہ کن ہے۔ لہذا، اب بھی حتمی مقصد پر توجہ مرکوز رکھنا انہیں غمگین ہونے سے روکے گا۔

اس کے علاوہ، وہ یہ سمجھیں گے کہ جس چیز کو انہوں نے کھویا وہ صرف ایک ذریعہ تھا، وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے حتمی مقصد تک پہنچنے اور اسے پورا کرنے کے لیے ایک اور ذریعہ فراہم کیا جائے گا۔ اس سے وہ غم سے بھی بچیں گے۔ جبکہ جو شخص اپنی دنیوی نعمتوں کو کسی وسیلہ کے بجائے خاتمہ سمجھتا ہے وہ اسے کھونے پر شدید غم کا سامنا کرے گا کیونکہ اس کا پورا مقصد اور مقصد ضائع ہو گیا ہے۔ یہ غم ڈپریشن اور دیگر ذہنی مسائل کا باعث بنے گا۔

آخر میں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ہر نعمت کو آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھیں نہ کہ اپنے آپ میں خاتمہ۔ اس طرح کوئی بھی چیزوں کو ان کے قبضے میں رکھے بغیر حاصل کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ دنیاوی چیزوں کو اپنے ہاتھ میں رکھ سکتے ہیں دلوں میں نہیں۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 1

اپنی خلافت کے دوران، عمر بن خطاب، ایک بار ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک سادہ اور سادہ گھر میں رہتے ہیں جس میں بہت کم سامان تھا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے باقاعدہ وظیفہ کے بارے میں سوال کیا اور مال کہاں گیا تو ابو درداء رضی اللہ عنہ نے انہیں یاد دلایا کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ان کو ہدایت کی کہ دنیا سے اتنا ہی رزق لے لیں جتنا ایک سوار مختصر سفر پر لے جاتا ہے۔ اس نے ان سے یہ پوچھ کر بات ختم کی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے جانے کے بعد وہ کیسے نکلے؟ نتیجتاً وہ دونوں دیر تک روتے رہے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 123 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6416 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اس دنیا میں اجنبی یا مسافر کی طرح رہنے کی نصیحت کی۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نصیحت کرتے تھے کہ جب آدمی شام کو پہنچے تو صبح کے زندہ ہونے کی امید نہ رکھے۔ اور اگر وہ صبح کو پہنچ جائیں تو شام کو زندہ ہونے کی امید نہ رکھیں۔ اور یہ کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ بیماری کا سامنا کرنے سے پہلے اپنی اچھی صحت سے استفادہ کرے اور موت سے پہلے اپنی زندگی کا اچھا استعمال کرے۔

یہ حدیث مسلمانوں کو لمبی عمر کے لیے اپنی امید کو محدود کرنے کا درس دیتی ہے جو کہ آخرت کی تیاری میں ناکامی کا سب سے بڑا سبب ہے جب کہ اپنی پوری کوشش کو مادی دنیا کے لیے وقف کرنا ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان کو قائل کرتی ہے کہ آخرت کی تیاری کے لیے ان کے پاس کافی وقت ہے۔ اس کے علاوہ ایک مسلمان کو اس عارضی دنیا کو اپنا مستقل گھر نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں کسی ایسے شخص کی طرح برتاؤ کرنا چاہئے جو اسے چھوڑنے والا ہے، کبھی واپس نہ آنے والا ہے۔ اس سے انسان کو ترغیب ملے گی کہ وہ اپنی کوششوں کی اکثریت کو اپنی آخری منزل یعنی آخرت کی تیاری میں وقف کر دے اور مادی دنیا کے حصول میں اپنی کوششوں کو محدود کر دے جو ان کی ضرورت اور ذمہ داریوں سے باہر ہے۔ اس تصور پر پورے قرآن پاک اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بحث ہوئی ہے، مثال کے طور پر باب 40 غافر، آیت 39

یہ دنیوی زندگی تو محض [عارضی [لطف اندوزی ہے، اور درحقیقت آخرت - یہی [مستقل]”
”ٹھکانے کا گھر ہے۔

جامع ترمذی کے نمبر 2377 میں زیر بحث مرکزی حدیث سے ملتی جلتی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا میں اپنے آپ کو ایک سوار کے طور پر بیان فرمایا جو اس کے سائے میں تھوڑا سا آرام کرتا ہے۔ ایک درخت اور پھر تیزی سے آگے بڑھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا کی دنیاوی نوعیت کو ظاہر کرنے کے لیے اس کا موازنہ سایہ سے کیا جو کہ سب جانتے ہیں کہ ظاہری طور پر مستقل ہونے کے باوجود زیادہ دیر تک نہیں رہتی۔ کچھ لوگوں کو مادی دنیا اس طرح ظاہر ہو سکتی ہے۔ وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسے دنیا ہمیشہ باقی رہے گی جبکہ حقیقت میں یہ بہت جلد ختم ہو جائے گی۔

اس کے علاوہ اس حدیث میں سوار کا ذکر ہے نہ کہ پیدل چلنے والے کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوار پیدل سفر کرنے والے کے مقابلے میں نمایاں طور پر کم آرام کرے گا۔ اس سے مزید معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا اس دنیا میں قیام بہت مختصر ہے۔ یہ سب پر بالکل واضح ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ بوڑھے ہو جاتے ہیں وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی زندگی ایک جھلک میں گزر گئی۔ تو درحقیقت چاہے کوئی بڑھاپے کو پہنچے یا نہ پہنچے زندگی صرف ایک لمحہ ہے۔ باب 79
نزایات، آیت 46

جس دن وہ اسے دیکھیں گے، گویا وہ اس دنیا میں باقی نہیں رہے تھے سوائے ایک دوپہر یا ”
صبح کے“۔

درحقیقت مادی دنیا ایک پل کی مانند ہے جسے عبور کرنا ہے نہ کہ مستقل گھر کے طور پر۔ جس طرح کوئی شخص بس اسٹیشن کو اپنا گھر نہیں سمجھتا یہ جانتے ہوئے کہ وہ وہاں تھوڑے ہی

عرصے کے لیے ٹھہرے گا، اسی طرح ابدی آخرت تک پہنچنے سے پہلے دنیا ایک مختصر پڑاؤ ہے۔

جب کوئی زندگی بھر کی چھٹیوں میں ایک بار جاتا ہے، تو زیادہ تر معاملات میں، وہ عیش و آرام کی گھریلو اشیاء، جیسے کہ ایک وسیع اسکرین ٹیلی ویژن پر اپنے اخراجات کو محدود کر دیتے ہیں اور اس کے بجائے ان کا ہوٹل جو بھی خدمات پیش کرتا ہے اس کے ساتھ کام کرتا ہے۔ وہ اس طرح برتاؤ کرتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہوٹل میں ان کا قیام مختصر ہو گا اور جلد ہی وہ واپس جانے کے لیے واپس نہیں جائیں گے۔ یہ ذہنیت انہیں چھٹیوں کی منزل کو اپنے مستقل گھر کے طور پر لینے سے روکتی ہے۔ اسی طرح لوگوں کو زمین پر ایک مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا جو یقینی طور پر اسے اپنا مستقل ٹھکانہ بنانا نہیں تھا۔ اس کے بجائے انہیں اس سے رزق لینے کے لیے بھیجا گیا تاکہ وہ اپنے مستقل گھر یعنی آخرت تک بحفاظت پہنچ سکیں۔

جب بھی کوئی شخص سفر کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ سب سے پہلے وہ سامان حاصل کرتا ہے جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے تاکہ سفر کو آرام دہ اور کامیاب بنایا جاسکے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ آخرت کا بہترین سامان تقویٰ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 197

”بے شک بہترین رزق اللہ سے ڈرنا ہے۔“

یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے اس یقین کے ساتھ کہ وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ دنیا سے آخرت تک کا سفر مکمل کرنے کے لیے دوسرے رزق جیسے خوراک کی ضرورت ہے۔ لیکن جس رزق کو ترجیح دی جائے وہ تقویٰ ہے کیونکہ یہ واحد رزق ہے جو کسی کو دنیا اور آخرت دونوں میں فائدہ پہنچاتا ہے۔ جبکہ رزق کی باقی تمام اقسام مثلاً کھانا، مال اور مکان کسی کو اس دنیا میں فائدہ دے گا جب تک کہ آخرت کے لیے وقف نہ ہو، جیسے صدقہ کرنا، لیکن یہ درحقیقت تقویٰ کا حصہ ہے۔

چونکہ مادی دنیا کسی شخص کا مستقل ٹھکانہ نہیں ہے لہذا ان کو چاہیے کہ زیر بحث مرکزی حدیث پر عمل کریں اور یا تو اجنبی یا مسافر کی طرح زندگی گزاریں۔

اجنبی ہونے کی پہلی حالت وہ ہے جو اپنے دل و دماغ کو اپنے عارضی گھر سے نہیں لگاتا۔ ان کا مقصد صرف اتنا ہے کہ کافی سامان اکٹھا کریں تاکہ وہ اپنے مستقل گھر یعنی آخرت میں بحفاظت واپس لوٹ سکیں۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو کام کے ویزے پر کسی بیرونی ملک میں رہتا ہے۔ ان کے کام کی جگہ ان کا گھر نہیں ہے۔ صرف پیسہ کمانے کی جگہ تاکہ وہ اس کے ساتھ اپنے وطن واپس لوٹ سکیں۔ یہ شخص کبھی بھی اجنبی ملک کو اپنا گھر نہیں سمجھے گا۔ اس کے بجائے، وہ صرف ضروری چیزوں پر خرچ کرتے ہیں اور اپنی دولت کو بچانے پر توجہ دیتے ہیں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت واپس اپنے حقیقی اور مستقل گھر میں لے جائیں۔ اگر اس شخص نے اپنی ساری یا زیادہ تر دولت بیرون ملک خرچ کر دی اور خالی ہاتھ اپنے وطن واپس آ گیا تو بلاشبہ ان کے رشتہ داروں کے نزدیک وہ قابل ملامت تصور کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ورک ویزا پر کسی دوسرے ملک میں رہنے کے اپنے مشن اور مقصد میں ناکام رہے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان کو چاہیے کہ اپنی کوششوں کی اکثریت رزق کے حصول میں وقف کر دے تاکہ آخرت کی طرف لے جائے۔ انہیں مادی دنیا کی آسائشوں کے لیے دوسروں کے ساتھ مقابلہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں ابدی آخرت کے حصول کے لیے اپنے مشن پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔ اگر وہ اپنے عارضی گھر کو سنوارنے میں بہت زیادہ محنت کریں گے تو وہ آخرت میں بغیر تیاری اور خالی ہاتھ داخل ہوں گے اور اس لیے اپنے اس مشن میں ناکام ہوں گے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سونپا ہے۔ ایک مسلمان کو اپنے ساتھ ایماندار ہونا چاہیے اور اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ وہ دن کے کتنے گھنٹے مادی دنیا اور آخرت کی تیاری کے لیے وقف کرتے ہیں۔ یہ خود غور و فکر انہیں دکھائے گا کہ ان کی ذہنیت صحیح ہے یا نہیں اور آخرت پر ان کا ایمان کتنا مضبوط ہے۔ باب 87 العلاء، آیات 16-17

"لیکن تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ جب کہ آخرت بہتر اور پائیدار ہے۔"

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی نوع انسان کی طرف اس وقت بھیجا گیا جب وہ سب سے ذلیل تھے اور ان کی اکثریت گناہوں کی زندگی گزار رہی تھی جس کی وجہ سے وہ جہنم میں داخل ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واضح دلائل کے ساتھ راہ حق کی

طرف بلایا۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے اس کے واضح پیغام کو قبول کیا اور اس کی پیروی کی۔ اس نے ان سے وعدہ کیا کہ اسلام بہت سی قوموں کو فتح کرے گا اور مسلمانوں کو بہت زیادہ دولت حاصل ہوگی۔ لیکن اس نے انہیں متنبہ کیا کہ وہ مادی دنیا کی آسائشوں میں مشغول نہ ہوں۔ اس تنبیہ کی ایک مثال سنن ابن ماجہ نمبر 3997 میں موجود ایک حدیث میں مذکور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ مادی دنیا کی غیر ضروری آسائشوں کے لیے مقابلہ کرنا انسانوں کو تباہ کر دے گا۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ اپنی ذمہ داریوں اور ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بنیادی ضروریات پر قناعت کریں اور آخرت کی تیاری پر توجہ دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے جو وعدہ کیا تھا وہ سب پورا ہوا۔ جب مسلمانوں کے لیے دنیا کھول دی گئی تو ان کی اکثریت مسابقت، جمع، ذخیرہ اندوزی اور مادی دنیا کی زیادتی سے لطف اندوز ہونے میں مصروف ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے آخرت کی تیاری صحیح طریقے سے ترک کر دی جیسا کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ صرف چند لوگوں نے ان کی نصیحت کو قبول کیا اور اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے مادی دنیا سے صرف وہی لیا اور اپنی زیادہ تر کوششیں ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کر دیں۔ یہ چھوٹی سی جماعت، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اور نیک پیشرو، آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گئے اور عملی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت اور نقش قدم پر چلتے رہے۔ دوسری طرف، اکثریت اپنی غفلت میں مادی دنیا کا پیچھا کرتی رہی یہاں تک کہ موت نے انہیں بغیر تیاری کے پکڑ لیا۔

دوسری ذہنیت جو مسلمانوں کو اختیار کرنی چاہیے جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ مسافر کی ہے۔ یہ شخص اس مادی دنیا کو اپنا گھر نہیں سمجھتا بلکہ اپنے حقیقی گھر یعنی آخرت کی طرف سفر کرتا ہے۔ یہ ذہنیت ایک بیک پیکر جیسی ہے جو مختلف شہروں میں سو سکتا ہے لیکن انہیں کبھی اپنا گھر نہیں سمجھتا۔ وہ اپنے ساتھ صرف وہی سامان لے جاتے ہیں جو وہ معنی، لوازم لے سکتے ہیں۔ اس میں وہ چیزیں شامل ہیں جن کی انہیں زندہ رہنے کے لیے ضرورت ہے اور یہ انہیں اپنی منزل تک محفوظ طریقے سے پہنچنے میں مدد کرے گی۔ ایک بیک پیکر کبھی بھی غیر ضروری اشیاء کو پیک نہیں کرے گا یہ جانتے ہوئے کہ یہ چیزیں ان کے لئے صرف ایک بوجھ ہوں گی۔ اور نہ ہی وہ اپنے سفر کو محفوظ طریقے سے مکمل کرنے کے لیے ضروری سامان پیک کرنے میں ناکام رہیں گے۔ اسی طرح ایک ذہین مسلمان صرف اس مادی دنیا سے اعمال اور قول کے حوالے سے اعمال جمع کرتا ہے جو اسے آخرت میں محفوظ طریقے سے پہنچنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ وہ ان تمام افعال و کلام سے منہ موڑ لیں گے جو ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں بوجھ بن جائیں گے۔ سنن ابن ماجہ، نمبر 4104 میں موجود ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنانے کی تلقین کی۔

بے شک ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اس کو اس کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔ اور جو کچھ اس پر ہے ہم اسے ایک بنجر زمین بنا دیں گے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ دن اور رات صرف مختصر مراحل ہیں جن میں لوگ سفر کرتے ہیں، مرحلہ وار، آخرت تک پہنچنے تک۔ لہذا انہیں چاہیے کہ ہر مرحلہ کو اعمال صالحہ کی صورت میں آگے کا رزق بھیج کر استعمال کریں۔ انہیں مسلسل آگاہ رہنا چاہیے کہ سفر بہت جلد ختم ہونے والا ہے اور وہ آخرت تک پہنچ جائیں گے۔ یہاں تک کہ اگر سفر لمبا لگتا ہے تو یہ بالآخر ایک لمحے کی طرح محسوس ہوگا لہذا اسے ختم ہونے سے پہلے اسے اطاعت کا لمحہ بنانا چاہئے جب کہ وہ تیار نہیں ہیں۔ باب 79 نزیات، آیت 46

جس دن وہ اسے دیکھیں گے، گویا وہ اس دنیا میں باقی نہیں رہے تھے سوائے ایک دوپہر یا ”صبح کے“۔

ہر سانس کے ساتھ دنیا کو پیچھے چھوڑ کر آخرت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اگر چہ بظاہر کوئی حرکت نہیں کرتا لیکن حقیقت میں دن اور رات ان کی آمدورفت کا کام کرتے ہیں جو انہیں تیزی سے بغیر توقف کے، اگلی دنیا میں لے جاتے ہیں۔

مسلمانوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، جلد ہی ایک دن آئے گا جب وہ اس کی طرف لوٹیں گے۔ جب وہ واپس آئیں گے تو انہیں پوچھ گچھ کے لیے روک دیا جائے گا۔ اس لیے انہیں اس تفتیش کے لیے کچھ اچھی تیاری کرنی چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کریں، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کریں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کریں۔ لیکن اگر وہ غافل رہیں اور تیاری میں ناکام رہیں تو ان سے جو کچھ ہو چکا ہے اور جو باقی ہے اس کے لیے ان سے کارروائی کی جائے گی۔

صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی نصیحت کی طرف چلتے ہیں جس کا ذکر زیر بحث مرکزی حدیث میں ہے۔ اس کا پہلا حصہ اس دنیا میں لمبی زندگی کی امید کو مختصر کرنے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو یہ یقین نہیں کرنا چاہئے کہ وہ اس دنیا میں طویل عرصے تک رہیں گے کیونکہ وہ کسی بھی وقت مر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی کئی سال تک زندہ رہتا ہے تو پھر بھی لگتا ہے کہ زندگی ایک جھٹکے میں چلی گئی ہے۔ یہ وہی ہے جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے کہ اگر وہ شام کو پہنچیں تو وہ صبح کو زندہ ہوں گے۔ یہ ذہنیت دنیاوی ذمہ داریوں کو نبھانے اور آخرت کی تیاری کے لیے مادی دنیا سے صرف اس چیز کو لینے کی بنیادی وجہ ہے۔ جب کہ لمبی عمر کی امید رکھنا اس کے مخالف معنی کی اصل وجہ ہے، اس سے انسان کو اعمال صالحہ اور گناہوں سے باز رہنے کے ذریعے آخرت کی تیاری میں تاخیر ہوتی ہے اور اسے اس پر یقین رکھتے ہوئے مادی دنیا کو جمع اور ذخیرہ کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔ بہت طویل ہو جائے گا

اس کے علاوہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی مسلمانوں کو بیماری کا سامنا کرنے سے پہلے اپنی اچھی صحت کا صحیح استعمال کرنے کی نصیحت کی۔ بدقسمتی سے اکثر لوگ اچھی صحت کی قدر صرف اس کے کھو جانے کے بعد کرتے ہیں جس کی تنبیہ صحیح بخاری نمبر 6412 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔ اچھی صحت کے استعمال کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان 6412 اپنی جسمانی اور ذہنی طاقت کو اطاعت میں استعمال کرے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک اعمال کرنے اور گناہوں سے پرہیز کرنے سے قبل اس کے کہ وہ اس وقت تک پہنچ جائیں جب وہ نیک اعمال کرنے کی خواہش رکھتے ہوں لیکن خرابی صحت کی وجہ سے اب نہیں کر سکتے۔ ان کی اچھی صحت کا صحیح استعمال کرنے والے کو ان نیک اعمال کا اجر دیا جائے گا جو انہوں نے اپنی صحت کے دوران کیے تھے، یہاں تک کہ جب وہ بیماری کا سامنا کریں اور انہیں مزید نہ کر سکیں۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 2996 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جبکہ جو شخص اپنی صحت کا صحیح استعمال نہیں کرتا وہ بیمار ہونے پر اس ممکنہ اجر سے محروم ہو جاتا ہے۔ درحقیقت ان کے پاس پشیمانی کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے دی گئی نصیحت کا آخری حصہ یہ ہے کہ انسان کو موت سے پہلے اپنی زندگی کا اچھا استعمال کرنا چاہیے۔ اس میں ان تمام چیزوں کا استعمال شامل ہے جو اعمال صالحہ کی طرف لے جاتی ہیں، جیسے کہ مال، اور ان تمام چیزوں سے اجتناب کرنا جو نیک کاموں سے روکتی ہیں، جیسے کہ غیر ضروری مصروفیات۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے وقت کا صحیح استعمال کریں اس سے پہلے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں میں مشغول ہو جائیں جو فطری طور پر وقت گزرنے کے ساتھ ہوتی ہیں، جیسے کہ شادی۔ اور اپنی مالی ذمہ داریوں میں اضافے سے پہلے اپنی دولت کا خوب استعمال کریں۔

جیسا کہ جامع ترمذی کی حدیث نمبر 2403 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ تمام لوگوں کو موت کے وقت ندامت ہوگی۔ نیکی کرنے والے پچھتائیں گے کہ انہوں نے مرنے سے پہلے مزید نیکیاں نہیں کیں۔ گنہگار شخص پچھتائے گا کہ اس نے اپنی موت سے پہلے سچے دل سے توبہ نہیں کی۔ اس دنیا میں لوگوں کو اکثر دوسرا موقع دیا جاتا ہے مثال کے طور پر، ڈرائیونگ ٹیسٹ کو دوبارہ کرنا، لیکن ایک شخص کے مرنے کے بعد کوئی کام نہیں ہوتا۔ پشیمانی ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔ اس کے بجائے، یہ صرف ان کے درد اور تکلیف میں اضافہ کرے گا۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ جو وقت انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جدوجہد کے لیے دیا گیا ہے، اس سے پہلے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے اس لمحے کو استعمال کریں۔ کاموں کو کل تک موخر کرنے کی ذہنیت کو ترک کر دینا چاہیے کیونکہ اکثر معاملات میں یہ کل کبھی نہیں آتا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ آج پر توجہ مرکوز کرے اور اس لیے وہ کام کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، جیسا کہ کل اس دنیا میں آئے گا لیکن وہ اس کی گواہی دینے کے لیے زندہ نہ ہوں۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 2

جب اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل فرمائی تو ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنا باغ جس میں چھ سو کھجوریں تھیں عطیہ کیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 245

”کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے؟ اور اللہ ہی ہے جو“
”روکتا ہے اور کثرت دیتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“

اس پر امام محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 194 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ ہر چیز جس کے پاس ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا اور عطا کی گئی ہے، پھر بھی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے خرچ کرنے کی ترغیب دینے کے لیے، اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے خرچ کو اپنے لیے قرض قرار دیا۔ قرض ہمیشہ سچا ہی ادا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کوئی نہیں۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی نعمتوں کو ان طریقوں سے خرچ کریں، جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں، اور نقصان کا اندیشہ نہیں۔

اس کے علاوہ انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ درحقیقت اس کے پاس موجود ہر نعمت اسے بطور تحفہ نہیں بلکہ قرض کے طور پر دی گئی تھی۔ یہ قرض اس وقت صحیح طور پر واپس ہو جاتا ہے جب کوئی اپنے پاس موجود نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کرتا ہے۔ قرضوں کی واپسی خوشی یا ناخوشی سے کی جانی چاہیے۔ رضامندی سے دونوں جہانوں میں ثواب اور ناخوشی دونوں جہانوں میں مصیبت کا باعث بنتا ہے۔ دوسری طرف، جنت میں نعمتیں مومنوں کو بطور تحفہ دی جائیں گی نہ کہ قرض کے طور پر۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے میں آزاد ہوں گے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ آیت ان لوگوں کے لئے قبولیت اور ایک خوبصورت انعام کا وعدہ کرتی ہے جو نیک نعمتیں خرچ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کو ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے اس میں غیر قانونی دولت کا استعمال، غیر قانونی اشیاء کا استعمال اور نہ ہی استعمال کرنا چاہئے۔ اور غیر قانونی کھانا کھانا شامل ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام نے جن مخصوص چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جیسے کہ شراب صرف وہی چیزیں نہیں ہیں جو حرام ہیں۔ درحقیقت حلال چیزیں بھی حرام ہو سکتی ہیں اگر وہ حرام چیزوں سے حاصل کی گئی ہوں۔ مثال کے طور پر، حلال کھانا حرام ہو سکتا ہے اگر اسے حرام مال سے خریدا جائے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ صرف حلال چیزوں سے نمٹتے ہیں کیونکہ یہ کسی کو برباد کرنے کے لیے حرام کا صرف ایک عنصر لیتا ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 2346 کی ایک حدیث میں ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص ناجائز استعمال کرے گا اس کی تمام دعائیں رد ہوں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ان کی دعائیں رد ہو جائیں تو کیا ان کی کوئی نیکی قبول ہونے کی امید رکھی جا سکتی ہے؟ درحقیقت اس کا جواب صحیح بخاری نمبر 1410 میں موجود ایک اور حدیث میں دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال کو قبول کرتا ہے۔ لہذا ہر وہ عمل جس کی بنیاد ناجائز ہو مثلاً حرام مال کے ساتھ حج کرنا مردود ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 3118 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ اس قسم کے آدمی کو قیامت کے دن جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ باب 2 :البقرہ، آیت 188

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ ہی اسے حکمرانوں کے پاس بھیجو تاکہ ” [لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ میں کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حرام ہے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 3

ابو درداء رضی اللہ عنہ ظہور اسلام سے پہلے ایک تاجر تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد اس نے اپنی مذہبی عقیدتوں کے ساتھ تجارت کو متوازن کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے ساتھ جدوجہد کی۔ اس کے بعد اس نے اپنی تجارت پر اپنی مذہبی عقیدت کو ترجیح دینے کا فیصلہ کیا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 317 میں بحث کی گئی ہے۔

یعنی اس نے مادی دنیا حاصل کرنے پر آخرت کی تیاری کو ترجیح دی۔

جامع ترمذی نمبر 2465 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص آخرت کو مادی دنیا پر ترجیح دے گا اسے قناعت ملے گی، اس کے معاملات درست کر دیے جائیں گے اور ان کو اس کی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ آسان طریقے سے ان کا مقدر رزق۔

اس نصف حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے بارے میں اپنے فرائض کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا، جیسے کہ اس مادی دنیا کی زیادتی سے بچتے ہوئے اپنے اہل و عیال کو حلال طریقے سے مہیا کرنا، اسے قناعت ملے گی۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی لالچی ہوئے بغیر اور زیادہ دنیوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے سرگرم کوشش کے بغیر اپنے پاس موجود چیزوں سے خوش ہوتا ہے۔ درحقیقت، جو شخص اپنے پاس موجود چیزوں پر راضی ہے وہ واقعی ایک امیر شخص ہے، خواہ اس کے پاس دولت کم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ چیزوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ کسی بھی چیز کی آزادی انسان کو اس کے حوالے سے امیر بناتی ہے۔

اس کے علاوہ، یہ رویہ کسی بھی دنیوی مسائل سے آرام سے نمٹنے کی اجازت دے گا جو اس کی زندگی کے دوران پیدا ہوسکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مادی دنیا کے ساتھ جتنا کم میل

جول رکھتا ہے اور آخرت پر توجہ مرکوز کرتا ہے وہ کم دنیاوی مسائل کا سامنا کرے گا۔ انسان کو جتنے کم دنیاوی مسائل کا سامنا ہوگا اس کی زندگی اتنی ہی آرام دہ ہوگی۔ مثال کے طور پر، جس کے پاس ایک گھر ہے اس کے پاس اس کے حوالے سے کم مسائل ہوں گے، جیسے ٹوٹا ہوا ککر، دس مکان رکھنے والے کے مقابلے میں۔ آخر کار، یہ شخص آسانی سے اور خوشگوار طریقے سے اپنا حلال رزق حاصل کر لے گا۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں ایسا فضل ڈال دے گا کہ اس سے ان کی تمام ذمہ داریاں اور ضروریات پوری ہوں گی، ان کو اور ان کے زیر کفالت افراد کو تسکین ملے گی۔

لیکن جیسا کہ اس حدیث کے دوسرے نصف میں ذکر کیا گیا ہے کہ جو شخص مادی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے، اپنے فرائض سے غفلت برتتا ہے یا اس مادی دنیا کی غیر ضروری اور ضرورت سے زیادہ کوشش کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت یعنی حرص دنیاوی چیزوں کے لیے ہے۔ کبھی مطمئن نہیں ہوتے جو تعریف کے مطابق انہیں غریب بنا دیتا ہے چاہے ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ یہ لوگ دن بھر ایک دنیاوی مسئلے سے دوسرے مسئلے میں جائیں گے اور قناعت حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ انہوں نے بہت سے دنیاوی دروازے کھول رکھے ہیں۔ اور انہیں ان کا مقدر دیا ہوا رزق مشکل سے ملے گا اور یہ انہیں اطمینان نہیں دے گا اور نہ ہی ان کے لالچ کو بھرنے کے لیے کافی ہوگا۔ یہاں تک کہ یہ انہیں حرام کی طرف دھکیل سکتا ہے جس سے دونوں جہانوں میں نقصان ہی ہوتا ہے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 4

ابو درداء رضی اللہ عنہ کو قیامت کے دن اپنے احتساب سے اس قدر خوف لاحق ہوا کہ انہوں نے ایک بار یہ تبصرہ کیا کہ وہ مسجد کے دروازے پر دکان رکھنا پسند نہیں کریں گے، یہاں تک کہ وہ کبھی باجماعت نماز نہیں چھوڑتے۔ اس نے منافع خیرات میں دے دیا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 317 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ان سے بہتر واقف نہیں ہے۔ جب کوئی ایمانداری سے اپنے اعمال کا خود فیصلہ کرے گا تو یہ انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے اور نیک اعمال کی طرف ترغیب دینے کی ترغیب دے گا۔ لیکن جو اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لینے میں ناکام رہے گا وہ غفلت کی زندگی گزارے گا جس کی وجہ سے وہ سچے دل سے توبہ کیے بغیر گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ یہ شخص قیامت کے دن اپنے اعمال کا تولنا بہت مشکل پائے گا۔ درحقیقت، یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔

ایک ہوشیار کاروباری مالک ہمیشہ اپنے کھاتوں کا باقاعدگی سے جائزہ لے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کے کاروبار کی سمت درست سمت میں چل رہی ہے اور یہ یقینی بنائے گا کہ وہ تمام ضروری اکاؤنٹس جیسے کہ ٹیکس ریٹرن کو درست طریقے سے مکمل کرتے ہیں۔ لیکن بیوقوف کاروباری مالک باقاعدگی سے اپنے کاروبار کا حساب نہیں لے گا۔ یہ منافع میں نقصان اور ان کے کھاتوں کی صحیح طریقے سے تیاری میں ناکامی کا باعث بنے گا۔ جو لوگ اپنے اکاؤنٹس کو صحیح طریقے سے حکومت کے پاس جمع کرانے میں ناکام رہتے ہیں انہیں جرمانے کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ان کی زندگی کو مزید مشکل بنا دیتا ہے۔ لیکن نوٹ کرنے کی اہم بات یہ ہے کہ قیامت کے ترازو کے لیے کسی کے اعمال کا درست اندازہ لگانے اور اسے تیار کرنے میں ناکامی کی سزا میں مالی جرمانہ شامل نہیں ہے۔ اس کی سزا زیادہ سخت اور واقعی ناقابل برداشت ہے۔ باب 99 زلزال، آیات 7-8

پس جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے "

گا وہ اسے دیکھ لے گا۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 5

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں کے ایک گروہ کو خبردار کیا جو ایک گنہگار شخص پر لعنت بھیج رہے تھے۔ اس نے انہیں تنبیہ کی کہ وہ اس شخص پر لعنت نہ کریں اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کریں کہ وہ اسے گناہ سے بچائے۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ اس شخص سے گناہ کے ارتکاب سے نفرت کرتے ہیں تو ابو درداء رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے گناہ سے نفرت ہے نہ کہ گناہ کرنے والے سے کیونکہ گناہ گار ہمیشہ سچے دل سے توبہ کر سکتا ہے۔ امام محمد کاندھلوی کی حیات صحابہ جلد 2 صفحہ 445 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خصوصیات کی نصیحت فرمائی جو مسلمان کے ایمان کو کامل کرتی ہیں۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا ہے۔ اس میں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں دوسروں کے لیے بہتر کی خواہش کرنا شامل ہے۔ اس کو عملی طور پر کسی کے اعمال کے ذریعے ظاہر کیا جانا چاہیے جس کا مطلب ہے، دوسروں کی مالی، جذباتی اور جسمانی طور پر مدد کرنا۔ اپنے احسانات کو دوسروں پر شمار کرنا نہ صرف ثواب کو منسوخ کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان کی محبت کی کمی کو بھی ثابت کرتا ہے، کیونکہ یہ شخص صرف لوگوں سے تعریف اور دیگر معاوضے حاصل کرنا پسند کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کے بارے میں کسی بھی قسم کے منفی جذبات، جیسے حسد، اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں سے محبت کرنے کے منافی ہے، اور اس سے بچنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ اس عمدہ خوبی میں دوسروں کے لیے وہ محبت شامل ہے جو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ اعمال کے ذریعے اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق یہ مومن ہونے کا ایک پہلو ہے۔

مرکزی حدیث میں زیر بحث اگلی خصوصیت اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کو ان چیزوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جیسے اس کی نافرمانی۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں سے نفرت کرنی چاہیے کیونکہ لوگ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود اس گناہ کو ناپسند کرے جو ان سے ثابت ہے کہ اس سے بچنا اور دوسروں کو بھی اس سے خبردار کرنا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ دوسروں سے تعلق توڑنے کے بجائے نصیحت کرتے رہیں کیونکہ یہ احسان مندی انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ اس میں اپنے جذبات کی بنیاد پر چیزوں کو ناپسند کرنا شامل ہے، جیسے کوئی عمل، جو کہ جائز ہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسندیدگی کا ثبوت یہ ہے کہ جب وہ اپنے قول و فعل سے ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے تو یہ ہرگز اس طرح نہیں ہوگا جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ یعنی کسی چیز کے لیے ان کی ناپسندیدگی ان سے کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گی کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز سے ان کی ناپسندیدگی ان کے اپنے لیے ہے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 6

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نصیحت کی کہ ایک ذرہ برابر نیکی جو مسلمان تقویٰ اور یقین کے ساتھ کرتا ہے ثواب میں اس پہاڑ کے برابر عبادت سے بھی زیادہ ہے جو غافل کی طرف سے کی جاتی ہے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 628 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6833 میں موجود ایک الوبی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو کوئی نیکی کرے گا اس کو کم از کم دس گنا اجر ملے گا۔

تمام اسلامی تعلیمات میں اعمال صالحہ کرنے کے لیے اجر کی مختلف مقداروں کا اعلان کیا گیا ہے۔ بعض تعلیمات میں اس حدیث کی طرح دس گنا ثواب کی تلقین کی گئی ہے، بعض میں سات سو گنا اور بعض میں ایسا اجر ہے جس کا شمار ممکن نہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 261

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگتی ہیں۔ ہر بال میں سو دانے ہیں۔ اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے (اپنا اجر) بڑھا دیتا ہے۔

یہ مختلف اجر کسی کے اخلاص پر منحصر ہے۔ انسان جتنا زیادہ مخلص ہوگا اسے اتنا ہی اجر ملے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جتنا زیادہ نیک عمل کریں گے اتنا ہی ان کو اجر ملے گا۔ مثال کے طور پر جو شخص کسی حلال دنیوی نعمت کی خواہش کیے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عمل کرتا ہے اسے اس شخص سے زیادہ اجر ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عمل کرتا ہے اور حلال دنیوی نعمت کا طالب ہے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 7

ابو درداء رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ایک دفعہ کہا کہ وہ دن کا زیادہ تر حصہ مراقبہ اور اسباق سننے میں گزارتے تھے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 639 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں محتاط رہے اور اپنے دنیوی معاملات میں بہت زیادہ مشغول ہونے سے گریز کرے تاکہ وہ اپنے اردگرد ہونے والی چیزوں سے اور ان چیزوں سے غافل ہو جائے جو پہلے ہو چکی ہیں۔ یہ ایک اہم خوبی ہے کیونکہ یہ کسی کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے جس کے نتیجے میں انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مدد ملتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب کوئی مسلمان کسی بیمار کو دیکھتا ہے تو اسے نہ صرف اس کی مدد کرنی چاہیے، چاہے وہ صرف ایک دعا ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اسے اپنی صحت پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ بھی آخر کار اپنی صحت سے محروم ہو جائیں گے۔ بیماری، بڑھاپے یا موت سے بھی۔ اس سے انہیں اپنی اچھی صحت کے لیے شکر گزار ہونے کی ترغیب دینی چاہیے اور دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ان کی اچھی صحت سے فائدہ اٹھا کر اپنے عمل سے یہ ظاہر کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔

جب وہ کسی امیر کی موت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو انہیں نہ صرف میت اور اس کے گھر والوں کے لیے غمگین ہونا چاہیے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک دن وہ بھی مر جائے گا جو ان کے لیے نامعلوم ہے۔ انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح امیر کو ان کی قبر پر دولت، شہرت اور خاندان چھوڑ دیا گیا تھا، اسی طرح وہ بھی قبر میں صرف ان کے اعمال کے ساتھ رہ جائیں گے۔ اس سے انہیں اپنی قبر اور آخرت کی تیاری کا حوصلہ ملے گا۔

یہ رویہ ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیے ایک مسلمان کو اپنے اردگرد کی ہر چیز سے سبق سیکھنا چاہیے جس کی نصیحت قرآن پاک میں کی گئی ہے۔ باب 3 علی :عمران، آیت 191

اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں سوچو، "اے ہمارے رب، تو نے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا، تو بہت بلند ہے، تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔"

جو لوگ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں ان کا ایمان روزانہ کی بنیاد پر مضبوط ہوتا جائے گا جبکہ جو لوگ اپنی دنیاوی زندگی میں بہت زیادہ مشغول ہیں وہ غافل رہیں گے جو ان کی تباہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 8

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کی شادی ایک امیر اور طاقتور شخص سے کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے مشورہ دیا کہ اس نے ایسا صرف اس لیے کیا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ اس کی بیٹی اس دنیا کی زیادتیوں اور آسائشوں میں گم ہو جائے گی جس سے بلاشبہ اس کے ایمان کو نقصان پہنچے گا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 510 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نے اس کے برعکس ذہنیت کیسے اختیار کی ہے۔ اور اکثر امیر اور بااثر لوگوں کے ساتھ تعلقات میں شامل ہونے کے لیے تلاش کرتے ہیں۔ وہ اکثر اپنے ایمان کی مضبوطی کے بارے میں کم فکر مند ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے خاندانوں سے رابطہ قائم کرنے میں ناکام رہتے ہیں جس کی خاص طور پر صحیح مسلم نمبر 3635 میں موجود حدیث میں نصیحت کی گئی ہے۔ اپنے رشتہ دار کی مالی مدد نہیں کر سکتے لیکن ساتھ ہی ساتھ انہیں اپنے رشتہ دار کے لیے مناسب شریک حیات تلاش کرنے کے لیے دولت اور سماجی حیثیت کو اپنا واحد معیار نہیں بنانا چاہیے۔

یہ واقعہ ہر حال اور حالات میں ایمان پر غور کرتے ہوئے ہمیشہ دوسروں کے لیے بھلائی تلاش کرنے کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کو صرف ایسے حالات میں آنا چاہیے جب وہ پختہ یقین رکھتا ہو کہ اس کے ذریعے اس کا ایمان مضبوط ہو گا یا کم از کم اس کی وجہ سے نقصان نہیں پہنچے گا۔ اگر انہیں شبہ ہو کہ ایسا ہو سکتا ہے تو انہیں ہر قیمت پر اس سے بچنا چاہئے کیونکہ تمام دنیاوی چیزیں آتی جاتی رہتی ہیں لیکن ایمان کی قوت وہ چیز ہے جو آخرت میں ان کی آخری اور دائمی منزل کا تعین کرتی ہے اس لئے اس کی ہمیشہ حفاظت کرنی چاہئے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 9

قبرص کی مہم اور فتح کے دوران ابو درداء رضی اللہ عنہ نے جنگی قیدیوں کو دیکھا اور رو پڑے۔ جب ان سے ان کے رونے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان لوگوں کے پاس طاقت اور اختیار ہے لیکن جب یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اڑے رہے تو ذلیل و رسوا ہو گئے۔ امام محمد السلابی کی سیرت عثمان ابن عفان، ذون نورین، صفحہ 280-281 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ایک سادہ مگر گہرے سبق کو سمجھنا ضروری ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دنیا و آخرت میں دنیاوی یا دینی معاملات میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ طلوع آفتاب سے لے کر اس زمانے تک اور آخر زمانہ تک کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نہ کبھی حقیقی کامیابی حاصل ہوئی اور نہ ہی کبھی نصیب ہوگی۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے پر یہ بات بالکل عیاں ہے۔ لہذا جب کوئی مسلمان ایسی حالت میں ہو جس سے وہ ایک مثبت اور کامیاب نتیجہ حاصل کرنا چاہتا ہو تو اسے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے، خواہ یہ کتنا ہی آسان اور آزمائشی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو ان کے قریبی دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف سے ایسا کرنے کا مشورہ دیا جائے کیونکہ مخلوق کی اطاعت نہیں ہے اگر اس کا مطلب خالق کی نافرمانی ہے۔ اور درحقیقت وہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے نہ دنیا میں بچا سکیں گے نہ آخرت میں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی عطا کرتا ہے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ اس کی نافرمانی کرنے والوں سے ایک کامیاب نتیجہ نکال دیتا ہے خواہ اس ہٹانے میں وقت لگے۔ ایک مسلمان کو بے وقوف نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ جلد یا بدیر ہو جائے گا۔ قرآن کریم نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ برائی کا منصوبہ یا عمل صرف کرنے والے کو ہی گھیرتا ہے خواہ اس سزا میں تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔ باب 35 فاطر، آیت 43

“لیکن شیطانی تدبیر اپنے لوگوں کو نہیں گھیرتی۔”

لهذا حالات اور انتخاب خواه كتنه هى مشكل كيون نه هون مسلمانون كو چاهيه كه دنياوى اور دينى دونون معاملات ميں هميشه الله تعالىٰ كى اطاعت كا انتخاب كريں كيونكه يهى كاميابى دونون جهانوں ميں حقيقى كاميابى كا باعث بنه گى خواه يه كاميابى فورى طور پر ظاهر نه هو۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 10

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کام میں ایک گھنٹہ غور و فکر کرنا رات بھر نفل نماز میں کھڑے ہونے سے زیادہ ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 481 میں بحث کی گئی ہے۔

آسمانوں اور زمین کے اندر تخلیق کے بارے میں غور و فکر کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس سے قیامت کے حوالے سے انسان کا یقین مضبوط ہوتا ہے۔ یوم جزا پر جس کا یقین جتنا مضبوط ہو گا وہ عملی طور پر اس کے لیے تیاری کرے گا، جو کسی کے لیے رضاکارانہ عبادت سے زیادہ فائدہ مند ہے۔

منطقی طور پر دیکھا جائے تو قیامت ایک ایسی چیز ہے جو واقع ہونی چاہیے۔ اگر کوئی کائنات کا مشاہدہ کرے تو اسے توازن کی بہت سی مثالیں نظر آئیں گی۔ مثال کے طور پر، زمین سورج سے ایک کامل اور متوازن فاصلے پر ہے۔ اگر زمین سورج سے قدرے قریب یا اس سے زیادہ دور ہوتی تو یہ رہنے کے قابل نہ ہوتی۔ اسی طرح پانی کا چکر، جس میں سمندر سے پانی کے بخارات بن کر فضا میں شامل ہوتے ہیں جو کہ بارش پیدا کرنے کے لیے گاڑھا ہو جاتا ہے، بالکل متوازن ہے تاکہ مخلوق زمین پر زندہ رہ سکے۔ زمین کو متوازن طریقے سے بنایا گیا تھا تاکہ بیج کی کمزور شاخیں اور ٹہنیاں اس میں گھس سکیں تاکہ تخلیق کے لیے فصلیں مہیا ہو سکیں لیکن وہی زمین اتنی سخت ہے کہ اس کے اوپر بنی ہوئی بھاری عمارتوں کو برداشت کر سکے۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں جو نہ صرف واضح طور پر ایک خالق کی نشاندہی کرتی ہیں بلکہ توازن بھی رکھتی ہیں۔ لیکن اس دنیا میں ایک بڑی چیز ہے جو واضح طور پر غیر متوازن ہے، یعنی بنی نوع انسان کے اعمال۔ اکثر ظالم اور جابر لوگوں کا مشاہدہ ہوتا ہے جو اس دنیا میں سزا سے بچ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس، بے شمار لوگ ہیں جو دوسروں کے ہاتھوں مظلوم ہیں اور دیگر مشکلات کا سامنا کرتے ہیں لیکن ان کے صبر کا پورا پورا اجر نہیں ملتا۔ بہت سے مسلمان جو سچے دل سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں ان کو دنیا میں اکثر بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور انہیں اجر میں تھوڑا سا حصہ ملتا ہے جب کہ جو کھلے عام اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں وہ دنیا کی آسائشوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور صرف کچھ مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں توازن قائم کیا ہے اسی طرح

اعمال کی جزا اور سزا بھی متوازن ہونی چاہیے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس دنیا میں ایسا نہیں ہوتا اس لیے اسے کسی اور وقت میں ہونا چاہیے، یعنی یوم جزا یعنی یوم جزا میں۔

اللہ تعالیٰ اس دنیا میں پوری طرح جزا اور سزا دے سکتا ہے۔ لیکن اس دنیا میں پوری طرح سزا نہ دینے کے پیچھے ایک حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں موقع کے بعد موقع فراہم کرتا ہے تاکہ وہ سچے دل سے توبہ کریں اور اپنے طرز عمل کو درست کریں۔ وہ اس دنیا میں مسلمانوں کو پوری طرح سے اجر نہیں دیتا کیونکہ یہ دنیا جنت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ غیب پر یقین کرنا یعنی اگلے جہان میں ایک مسلمان کے لیے مکمل اجر کا انتظار کرنا، ایمان کا ایک اہم پہلو ہے۔ درحقیقت غیب پر یقین ہی ایمان کو خاص بناتا ہے۔ کسی ایسی چیز پر ایمان لانا جسے پانچ حواس کے ذریعے محسوس کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ اس دنیا میں پورا اجر ملنا، کوئی خاص بات نہیں۔

سزا کا خوف اور آخرت میں پورا اجر ملنے کی امید انسان کو گناہوں سے بچنے اور نیک اعمال کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

جزا کے دن کے آغاز کے لیے اس مادی دنیا کا خاتمہ ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سزا اور جزا تب ہی مل سکتی ہے جب ہر ایک کا عمل ختم ہو جائے۔ لہذا یوم جزا اس وقت تک واقع نہیں ہو سکتا جب تک لوگوں کے اعمال مکمل نہ ہو جائیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مادی دنیا کو جلد یا بدیر ختم ہونا چاہیے۔

اس کے علاوہ، جب کوئی آسمانوں اور زمین کا مشاہدہ کرتا ہے اور زندگی اور موت کے ان گنت چکروں کا مشاہدہ کرتا ہے، جیسے کہ دن اور رات کا آنا جانا، موسموں اور فصلوں کو اگانے کے لیے زمینوں کا، تو وہ سمجھے گا کہ انہیں بھی ایک مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ موت اور زندگی کا چکر یعنی قیامت کے دن جی اٹھنا۔

جب کوئی اس بحث پر غور کرے گا تو اس سے قیامت کے دن پر ان کے ایمان کو تقویت ملے گی اور انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ مقدس روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنے کی ترغیب ملے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 11

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ جب کوئی دنیا کی کسی چیز پر نگاہ جمائے تو سوچے کہ اس کا خاتمہ کیسے ہو گا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 482 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کی جسمانی یا سماجی طاقت چاہے کتنی ہی کیوں نہ ہو ایک دن ضرور اُٹے گا جب اسے اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ ان کی زندگی کے دوران ہوتا ہے جہاں کسی شخص کے اعمال انہیں مصیبت میں لے جاتے ہیں،۔ یہ گا جیسے کہ جیل اور آخر کار انہیں آخرت میں بھی اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے۔ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے نہ صرف لیڈروں پر۔

اس لیے ایک مسلمان کو کبھی بھی دوسروں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرنا چاہیے، جیسے کہ ان سے سبق سیکھنا چاہیے جو ان سے زیادہ طاقت ان ظالم لیڈروں کے رشتہ دار۔ انہیں تاریخ کے میں تھے، ایک دن ضرور آیا جب ان کی طاقت ان کے کام نہ آئی اور انہیں اپنے برے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ سماجی اثر و رسوخ اور طاقت ایسی چیزیں ہیں جو تیزی سے ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہوتی ہیں، کبھی کسی کے ساتھ زیادہ دیر تک نہیں رہتیں۔ لہذا جس مسلمان کے پاس اتنی طاقت ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے ایسے طریقے سے استعمال کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اپنے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ لیکن اگر وہ اپنے اختیارات کا جس سے کوئی ان کی سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے غلط استعمال کرتے ہیں تو وہ آخر کار ہوں گے۔ حفاظت نہیں کر سکتا۔

کسی کے اختیار کا غلط استعمال نہ کرنا کیونکہ یہ انہیں قیامت اس کے علاوہ، یہ ضروری ہے کہ دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ ہر ظالم کو ان کے اعمال صالحہ ان کے مظلوموں کو دینا ہوں گے اور اگر ضرورت پڑی تو اپنے مظلوموں کے گناہوں کو لے کر جب تک انصاف

نہ ہو جائے۔ اس سے بہت سے ظالموں کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے اعمال کے لیے خود کو جوابدہ ٹھہرانا کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔ ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے بچیں گے۔ لیکن جو لوگ خود فیصلہ نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور دوسروں کو نقصان پہنچاتے یہ نہ جانتے ہوئے کہ حقیقت میں وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ لیکن رہیں گے۔ جب انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو جائے گا تو ان کے لیے سزا سے بچنے میں بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 12

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ جو شخص اس مادی دنیا کی ضرورت سے زیادہ مالدار نہیں ہے اس نے نہ اس کے پیچھے کی حقیقت کو سمجھا ہے اور نہ ہی وہ اس میں آسودگی حاصل کر سکے گا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 488 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2465 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص آخرت کو مادی دنیا پر ترجیح دے گا اسے قناعت ملے گی، اس کے معاملات درست کر دیے جائیں گے اور ان کو اس کی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ آسان طریقے سے ان کا مقدر رزق۔

اس نصف حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے بارے میں اپنے فرائض کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا، جیسے کہ اس مادی دنیا کی زیادتی سے بچتے ہوئے اپنے اہل و عیال کو حلال طریقے سے مہیا کرنا، اسے قناعت ملے گی۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی لالچی ہوئے بغیر اور زیادہ دنیوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے سرگرم کوشش کے بغیر اپنے پاس موجود چیزوں سے خوش ہوتا ہے۔ درحقیقت، جو شخص اپنے پاس موجود چیزوں پر راضی ہے وہ واقعی ایک امیر شخص ہے، خواہ اس کے پاس دولت کم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ چیزوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ کسی بھی چیز کی آزادی انسان کو اس کے حوالے سے امیر بناتی ہے۔

اس کے علاوہ، یہ رویہ کسی بھی دنیوی مسائل سے آرام سے نمٹنے کی اجازت دے گا جو اس کی زندگی کے دوران پیدا ہوسکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مادی دنیا کے ساتھ جتنا کم میل جول رکھتا ہے اور آخرت پر توجہ مرکوز کرتا ہے وہ کم دنیوی مسائل کا سامنا کرے گا۔ انسان کو جتنے کم دنیوی مسائل کا سامنا ہوگا اس کی زندگی اتنی ہی آرام دہ ہوگی۔ مثال کے طور پر، جس کے پاس ایک گھر ہے اس کے پاس اس کے حوالے سے کم مسائل ہوں گے، جیسے ٹوٹا ہوا ککر، دس مکان رکھنے والے کے مقابلے میں۔ آخر کار، یہ شخص آسانی سے اور خوشگوار

طریقے سے اپنا حلال رزق حاصل کر لے گا۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں ایسا فضل ڈال دے گا کہ اس سے ان کی تمام ذمہ داریاں اور ضروریات پوری ہوں گی، ان کو اور ان کے زیر کفالت افراد کو تسکین ملے گی۔

لیکن جیسا کہ اس حدیث کے دوسرے نصف میں ذکر کیا گیا ہے کہ جو شخص مادی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے، اپنے فرائض سے غفلت برتتا ہے یا اس مادی دنیا کی غیر ضروری اور ضرورت سے زیادہ کوشش کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت یعنی حرص دنیاوی چیزوں کے لیے ہے۔ کبھی مطمئن نہیں ہوتے جو تعریف کے مطابق انہیں غریب بنا دیتا ہے چاہے ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ یہ لوگ دن بھر ایک دنیاوی مسئلے سے دوسرے مسئلے میں جائیں گے اور قناعت حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ انہوں نے بہت سے دنیاوی دروازے کھول رکھے ہیں۔ اور انہیں ان کا مقدر دیا ہوا رزق مشکل سے ملے گا اور یہ انہیں اطمینان نہیں دے گا اور نہ ہی ان کے لالچ کو بھرنے کے لیے کافی ہوگا۔ یہاں تک کہ یہ انہیں حرام کی طرف دھکیل سکتا ہے جس سے دونوں جہانوں میں نقصان ہی ہوتا ہے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 13

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ انسان اس وقت تک محفوظ رہے گا جب تک کہ وہ منصفانہ اور تعمیری تنقید کو تسلیم کریں گے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 490 میں بحث کی گئی ہے۔

بعض دنیوی معاملات میں ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے کردار میں بہتری نہیں لاتے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح ان کی عظیم طاقت اور دانشمندی کی علامت ہے۔ ایمان کے معاملات میں ثابت قدمی ایک قابل تعریف رویہ ہے لیکن اکثر دنیوی معاملات میں اسے صرف ضد کہا جاتا ہے جو کہ قابل ملامت ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدلتے ہیں تو یہ کمزوری کو ظاہر کرتا ہے یا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہے ہیں اور اس وجہ سے وہ ضد کے ساتھ بہتر کے لیے تبدیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بالغ لوگ یہ مان کر نادان بچوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنا رویہ بدل لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہار گئے ہیں جبکہ دوسرے جو اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں وہ جیت گئے ہیں۔ یہ محض بچگانہ ہے۔

درحقیقت ایک ذہین آدمی ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہے گا لیکن دنیوی معاملات میں جب تک گناہ نہ ہو اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے اپنا رویہ بدلے گا۔ لہذا اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے بدلنا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ دراصل ذہانت کی علامت ہے۔

بہت سے معاملات میں، ایک شخص اپنا رویہ تبدیل کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی زندگی میں دوسروں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔ لیکن جو اکثر ہوتا

ہے وہ یہ ہے کہ ضد کی وجہ سے سب ایک ہی حالت میں رہتے ہیں جس سے باقاعدہ اختلاف اور جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔ ایک عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کے ارد گرد کے لوگ اس سے بہتر نہیں ہوتے جو ان کی ضرورت سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی ان کی زندگی کے معیار اور دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کو بہتر بنائے گی جو لوگوں کے ساتھ سرکلر بحث کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ یہ مثبت رویہ بالآخر دوسروں کو ان کا احترام کرنے کا سبب بنے گا کیونکہ کسی کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے حقیقی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ ضدی رہتے ہیں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ناراض پاتے ہیں جس سے ان کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مزید مشکلات پیدا ہوں گی، جیسے کہ ان کی ذہنی صحت۔ لیکن جو لوگ بہتر کے لیے اپناتے اور بدلتے ہیں وہ ہمیشہ امن کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ امن حاصل کر لیتا ہے تو کیا اس سے واقعی کوئی فرق پڑتا ہے اگر دوسرے یہ مانتے ہیں کہ وہ صرف اس لیے بدل گئے کہ وہ غلط تھے؟

آخر میں قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ثابت قدم رہنا قابل تعریف ہے۔ لیکن دنیاوی معاملات میں اور ایسے معاملات میں جہاں کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو انسان کو اپنا رویہ بدلنا سیکھنا چاہیے تاکہ وہ اس دنیا میں سکون حاصل کر سکے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 14

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ انسان کی صحیح معرفت کی نشانیوں میں سے ایک سادہ زندگی کو اپنانا اپنے آپ پر رحم کرنا ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 494 میں بحث کی گئی ہے۔

اگر کسی شخص کو کسی ملک کو عبور کرنا ہو اور اسے چننے کے لیے مختلف راستے پیش کیے جائیں، جیسے کہ خطرناک جنگل یا پہاڑ کے اوپر سے یا زیر زمین غار سے گزرنا ہو تو ایک ذہین انسان یقیناً آسان اور آسان راستہ کا انتخاب کرے گا۔ اس سے وہ دماغ اور جسم کا سکون حاصل کرتے ہوئے اپنی منزل تک بحفاظت پہنچ سکیں گے۔ صرف ایک احمق ہی ایک مشکل اور خطرناک راستے کا انتخاب کرے گا، جو خود پر غیر ضروری بوجھ ڈالے گا۔

درحقیقت ہر شخص اس دنیا کے سفر پر ہے اور اس کی منزل آخرت ہے۔ اس لیے ایک ذہین مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس دنیا کے راستے کا انتخاب کرے جو آخرت تک پہنچنے کے لیے آسان اور سیدھا ہو۔ یہ راستہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنے اور اس مادی دنیا سے صرف اور صرف تکمیل کے لیے لے جانے پر مشتمل ہے۔ ان کی ضروریات اور ان کے زیر کفالت افراد کی ضروریات فضول خرچی یا اسراف کے بغیر۔ اس سے وہ ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرتے ہوئے بحفاظت آخرت تک پہنچ سکیں گے۔ لیکن جتنا زیادہ انسان اس مادی دنیا کی زیادتی میں مبتلا ہو جائے گا اور غیر ضروری طور پر اپنے آپ کو لوگوں اور ان کی خواہشات کے لیے وقف کر دے گا اس کا سفر اتنا ہی مشکل ہوتا جائے گا۔ یہ رویہ انہیں صرف ذہنی اور جسمانی سکون سے محروم کر دے گا اور ان کے محفوظ طریقے سے آخرت تک پہنچنے کے امکانات کو کم کر دے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ زندگی ایک سفر ہے لہذا انہیں چاہیے کہ وہ اپنے آپ پر مہربانی کریں اور آخرت میں محفوظ طریقے سے پہنچنے کے لیے آسان اور آسان راستے کا انتخاب کریں جس سے دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل ہو۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 15

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جو شخص دوسروں کے معاملات میں سرگرداں رہتا ہے وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ چڑچڑاپن، مایوسی اور غصے پر قابو نہیں پا سکے گا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 497 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے دوسروں کو نصیحت کرنے کے سلسلے میں ایک اہم نکتہ کو سمجھنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کی تلقین کریں اور برائی سے روکیں لیکن مسلمان کو ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے جیسے وہ دوسروں پر حاکم بنا ہوا ہو۔ یہ رویہ صرف غصے اور تلخی کا باعث بنتا ہے خاص طور پر جب دوسرے ان کے مشورے پر عمل نہیں کرتے۔ مسلمانوں کے لیے یہ بہتر ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کر کے اپنا فرض ادا کریں لیکن انہیں اپنے مشورے کے معنی پر زور دینے سے گریز کرنا چاہیے، چاہے وہ شخص ان کے مشورے پر عمل کرے یا نہ کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے سب سے بڑے استاد اور رہنما یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت فرمائی کہ قرآن مجید کے متعدد مقامات پر اس کے نتائج پر زور نہ دیا جائے تو کوئی مسلمان کیسے ایسا دعویٰ کر سکتا ہے یا برتاؤ کر سکتا ہے۔ وہ دوسروں کے ذمہ دار ہیں۔ باب 88 الغاشیہ، آیات 21-22

تو یاد دلاؤ، [اے محمد]؛ تم صرف ایک یاد دہانی ہو۔ آپ ان پر کنٹرولر نہیں ہیں۔"

مسلمان جو کنٹرولر کے طور پر برتاؤ کرتا ہے وہ نہ صرف اس وقت تلخ ہوتا ہے جب لوگ ان کی نصیحت پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں بلکہ اس سے وہ دوسروں کو نصیحت کرنا چھوڑ دیتے ہیں جو ان کی استطاعت کے مطابق تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

اس کے علاوہ یہ رویہ مسلمانوں کو اپنے اور اپنے فرائض سے بھی غافل کر دے گا کیونکہ وہ دوسروں کے فرائض میں اپنے بارے میں بہت زیادہ مصروف ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے میں ثابت قدم رہیں لیکن ان کی نصیحت کے نتائج کو دیکھنے اور اس کی فکر کرنے سے گریز کریں۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 16

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک بار اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی تلقین کی، گویا کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 498 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک طویل حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احسان کا مفہوم بیان فرمایا ہے جس کا ترجمہ فضیلت سے کیا جا سکتا ہے۔ اس فضیلت سے مراد اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ سلوک اور برتاؤ ہے۔ فضیلت کے ساتھ عمل کرنے کا تذکرہ: پورے قرآن میں کیا گیا ہے، جیسے کہ باب 10 یونس، آیت 26

"...جن لوگوں نے بہترین کام کیے ہیں ان کے لیے بہترین [اجر] ہے - اور اضافی "

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 449 اور 450 میں موجود احادیث میں اس آیت کی وضاحت فرمائی ہے۔ اس آیت میں اضافی لفظ سے مراد یہ ہے کہ جب اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو گا، ، عالی۔ یہ اجر اس مسلمان کے لیے موزوں ہے جو بہترین کام کرتا ہے۔ جیسا کہ فضیلت کا مطلب ہے اپنی زندگی گزارنا گویا وہ اللہ تعالیٰ کی گواہی دے سکتا ہے، ہر وقت اپنے ظاہری اور باطن کا مشاہدہ کرتا ہے۔ ایک ایسا شخص جو ایک طاقتور اتھارٹی کو دیکھ سکتا ہے کہ وہ ان کے خوف سے کبھی بدتمیزی نہیں کرے گا۔ درحقیقت، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار کسی کو نصیحت کی کہ وہ ہمیشہ ایسا برتاؤ کرے جیسے کہ وہ ایک نیک آدمی جس کا وہ احترام کرتا ہے، اسے مسلسل دیکھ رہا ہو۔ امام طبرانی کی المعجم الکبیر نمبر 5539 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

جو بھی اس طریقے پر عمل کرتا ہے وہ بہت کم گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے اور ہمیشہ نیکیوں کی طرف دوڑتا رہتا ہے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرتا ہے اور دنیا میں آزمائش کی آگ اور آخرت میں جہنم کی آگ سے ڈھال کا کام کرتا ہے۔ یہ چوکسی اس بات کو یقینی بنائے گی کہ انسان نہ صرف اللہ تعالیٰ کے تنہا اپنے تمام فرائض کو پورا کرتا ہے بلکہ یہ مخلوق کے تنہا اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ جس کی چوٹی خلوص دل سے دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔ یہ شخص جامع ترمذی نمبر 251 میں موجود حدیث کو پورا کرے گا جس میں یہ نصیحت ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

فضیلت کا یہ درجہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ صحیح نیت کے ساتھ عمل کیا جائے جو کہ صحیح بخاری کی حدیث نمبر 1 کے مطابق ایمان کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے۔ انسان جتنا اچھا عمل کرتا ہے اس کا ایمان اتنا ہی مضبوط ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جاتا ہے جو غفلت سے دور رہتا ہے اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی آخرت اور دنیاوی زندگی کو سنوارنے کے لیے ہمیشہ جدوجہد کرتا رہتا ہے۔

اندیشہ ہے کہ اس انعام کے برعکس ان لوگوں کو ملے گا جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی۔ چونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر نگاہوں سے بے خوف زندگی گزاری، اس لیے وہ آخرت میں اس کے دیدار سے پردے میں رہیں گے۔ باب 83 المطفین، آیت 15

“نہیں یقیناً اس دن ان کے رب کی طرف سے وہ الگ الگ ہو جائیں گے۔”

جو لوگ عمل کرنے کے درجے تک پہنچنے میں ناکام رہتے ہیں گویا وہ اللہ تعالیٰ کی گواہی دے رہے ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ نصیحت کے دوسرے حصے پر عمل کریں جو شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں دی گئی ہے۔ اس شخص کو سچے دل سے یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو مسلسل دیکھ رہا ہے۔ اگرچہ یہ حالت درجے میں اس شخص کے مقابلے میں کم ہے جو اس طرح عمل کرتا ہے جیسے وہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے، کوئی بھی کم نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے سچے خوف کو اپنانے کا بہترین طریقہ ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ رویہ کسی کو

گناہوں سے روکے گا اور نیک کاموں کی طرف ترغیب دے گا۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام طبرانی کی کتاب المعجم الکبیر نمبر 7935 میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اس ذہنیت کو اپنانے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے سایہ عطا فرمائے گا۔
سر بلند

اللہ تعالیٰ کی الوہی موجودگی کا تذکرہ پورے قرآن میں موجود ہے، جیسے کہ باب 57 الحديد، آیت
4:

“تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ ...”

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سی احادیث میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ الہی کے حقیقی شعور کو اپنانے کی تلقین فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک الہی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ ہے جو اسے یاد کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہلیۃ الاولیاء جلد 1 صفحہ 84 اور 85 میں امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ شان و شوکت سے کنارہ کش ہو گئے۔ مادی دنیا کی اور تنہا رات میں سکون ملا۔ یعنی لوگوں کی صحبت کے بجائے اللہ تعالیٰ کی صحبت طلب کی۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ الہی کی بیداری کو اپنانا نہ صرف گناہوں سے روکتا ہے اور نیک اعمال کی ترغیب دیتا ہے بلکہ یہ تنہائی اور افسردگی سے بھی بچاتا ہے۔ ایک شخص ذہنی صحت کے مسائل سے بہت کم متاثر ہوتا ہے جب وہ مسلسل کسی ایسے شخص سے گھرا رہتا ہے جو ان سے پیار کرتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر مخلوق سے کوئی محبت نہیں کرتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہر طرح کی مدد کا ذریعہ ہے۔ لہذا، فضیلت کے ساتھ کام کرنے سے کسی کے ایمان، اعمال، جذباتی کیفیت اور وسیع تر معاشرے کو فائدہ ہوتا ہے۔

ایک مسلمان کو ان لوگوں کی طرح بننے سے گریز کرنا چاہیے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ان کے مشاہدہ کرنے والوں میں سب سے زیادہ حقیر سمجھتے ہیں۔ یہ ایک شدید روحانی بیماری ہے جو اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ ہر قسم کے گناہوں اور برے سلوک کی طرف لے جاتی ہے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 17

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ اس دنیا میں کسی کے لیے تھوڑا سا ہونا اس سے بہتر ہے کہ اس کو ان کے اصل مقصد سے ہٹا دے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 498 میں بحث کی گئی ہے۔

بہت سے لوگ اس مادی دنیا میں زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ وہ پہلے ہی بہت ساری دنیاوی کامیابیاں حاصل کر چکے ہیں۔ حالانکہ اسلام اس قسم کی ذہنیت کو منع نہیں کرتا جب تک کہ حرام چیزوں سے اجتناب کیا جائے ایک مسلمان کو ایک اہم حقیقت کو سمجھنا چاہیے۔ یہ ظاہر ہے کہ ذہنی سکون بہت سی دنیاوی چیزوں سے حاصل نہیں ہوتا، جیسے کہ دولت۔ درحقیقت، یہ لوگ اکثر ایسے ہوتے ہیں جو ڈپریشن کا شکار ہو کر یہاں تک کہ خودکشی بھی کر لیتے ہیں۔ انسان کی دنیاوی خواہشات اس طرح پیدا کی گئی ہیں کہ خواہ وہ کچھ بھی حاصل کر لے اس کے عقیدے اور سماجی رتبے سے قطع نظر وہ ہمیشہ اس سے زیادہ کی خواہش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر جو فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا، اس نے ہر اس دنیاوی نعمت کو حاصل کیا جس کا تصور بھی کیا جا سکتا تھا، پھر بھی اسے ذہنی سکون اور اطمینان حاصل نہ ہوا۔ اس کے بجائے اس کی مزید خواہش نے اسے اس مرحلے پر دھکیل دیا کہ وہ خدا کی طرح پوجا کرنے کی خواہش رکھتا تھا۔ باب 79 نزیات، آیت 24

“اور کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔”

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ انسان جو بھی خواہشات پوری کرتا ہے وہ اسے مزید چیزوں کی خواہش کی طرف لے جاتا ہے۔ ایک شخص جس کے پاس دو گھر ہیں تین چاہتے ہیں۔ کروڑ پتی ارب پتی بننا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6439 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جس کے پاس سونے کی ایک وادی ہے وہ دوسری ہی خواہش کرے گا۔ ایک مسلمان جو حقیقی ذہنی سکون چاہتا ہے، جو زمین اپنی دنیاوی خواہشات کو محدود کریں۔ جتنا وہ ان کو محدود کے خزانوں سے زیادہ قیمتی ہے۔

کریں گے اور صرف اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کریں گے اتنا ہی انہیں ذہنی سکون ملے گا۔ یہ ذہنیت مشغولیت کے دروازے بند کر دیتی ہے اور مزید دنیاوی چیزوں کے لیے جدوجہد کرتی ہے جس کے نتیجے میں دماغ اور جسم دونوں کو سکون ملتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ جوڑتا ہے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے، تو انہیں حقیقی ذہنی سکون ملے گا جو ان کی زندگی کے ہر پہلو تک پھیلے ہوئے ہے۔ دونوں جہانوں۔ لیکن ان کی جتنی زیادہ دنیاوی خواہشات ہوں گی اتنا ہی ان کا دماغ اور جسم ان میں مشغول ہوں گے اور اس طرح وہ حقیقی ذہنی سکون سے دور ہوں گے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 18

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ کامیابی کا اندازہ مال و دولت یا خاندان کے حجم سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا اندازہ استقامت، علم اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوتا ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 498 میں بحث کی گئی ہے۔

عظمت اور حقیقی کامیابی کا تعلق دنیاوی چیزوں سے نہیں ہے، جیسے کہ دولت یا شہرت۔ انسان کو ان چیزوں کے ذریعے دنیاوی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے لیکن تاریخ کے اوراق پلٹیں تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس قسم کی کامیابی بہت عارضی ہوتی ہے اور آخر کار انسان کے لیے بوجھ اور ندامت بن جاتی ہے۔ ایک مسلمان کو ہرگز یہ نہیں ماننا چاہیے کہ برتری ان چیزوں میں مضمر ہے اور اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے لیے اپنے فرائض سے غفلت برتتے ہوئے انہیں حاصل کرنے کے لیے خود کو وقف کر دیتی ہے۔ اور نہ ہی انہیں دوسروں کو نیچا دیکھنا چاہئے جن کے پاس یہ دنیاوی چیزیں نہیں ہیں یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کی کوئی قدر و اہمیت نہیں ہے کیونکہ یہ رویہ اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6071 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ اہل جنت وہ ہیں جنہیں معاشرہ حقیر سمجھتا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر انہوں نے حلف اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ان کے لیے پورا کرے گا۔

دنیا اور آخرت میں حقیقی عزت، کامیابی اور عظمت صرف تقویٰ میں ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے کی جس قدر خلوص نیت سے کوشش کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، وہ اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں خواہ وہ ظاہر ہوں۔ معاشرے کے لیے غیر معمولی۔

باب 49 الحجرات آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ” پرہیزگار ہے۔“

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس میں حقیقی کامیابی تلاش کرے اور دنیاوی چیزوں میں اس کی تلاش میں اپنا وقت اور محنت ضائع نہ کرے ورنہ وہ آخرت میں بڑے خسارے میں پہنچ سکتا ہے۔ باب 18 الکہف، آیات 103-104

کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والوں کے بارے میں بتائیں گے؟”

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 19

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ تقویٰ کی بلندی وہ ہے جب بندہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور جب بندہ گناہوں کے انجام سے ڈرتا ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب کوئی شخص اپنے آپ کو تقویٰ کے ساتھ خدائی قانون کی خلاف ورزی سے بچاتا ہے خواہ وہ اسے حرام کے خوف سے حلال چیزوں کو لینے سے باز رہنے تک لے جائے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 500 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ کسی چیز کی طرف لے جائے۔ جو کہ نقصان دہ ہے۔

تقویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ اس میں دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا بھی شامل ہے جیسا کہ کوئی چاہتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ سلوک کیا جائے۔

تقویٰ کا ایک پہلو ان چیزوں سے بچنا ہے جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام کے قریب لے جاتی ہیں۔ اور حرام کے جتنا قریب ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ جو شخص حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے اور صرف حلال چیزوں کو استعمال کرتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔

اگر معاشرے میں گمراہی کا شکار ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثلاً فضول اور فضول کلامی معنی، ایسی تقریر جس سے نہ کوئی فائدہ ہو اور نہ گناہ، اکثر غیبت، جھوٹ اور غیبت جیسی بری بات کا باعث بنتا ہے۔ اگر کوئی شخص لغو باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بری بات سے بچتا ہے۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔ اس لیے ایک مسلمان کو تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، جس کی ایک شاخ یہ ہے کہ باطل اور مشتبہ چیزوں سے اس خوف سے بچیں کہ وہ حرام کی طرف لے جائیں گے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 20

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ اچھا سکھانے والا اور سیکھنے والے کو برابر اجر ملتا ہے اور ان دونوں قسموں کے علاوہ انسانیت خسارے میں ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 501 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2322 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اس مادی دنیا کی ہر چیز پر لعنت ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے، جو اس سے مربوط ہے، علم والا۔ شخص اور علم کا طالب علم۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر ذکر کے تمام درجات پر محیط ہے۔ یعنی اندرونی خاموش یاد، جس میں اپنی نیت کو درست کرنا شامل ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ کو زبان سے یاد کرنا اور سب سے اہم کام اللہ تعالیٰ کو عملاً یاد کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔

ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف لے جاتی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی شامل ہے، جیسے مادی دنیا میں اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق فضول خرچی کے بغیر کوشش کرنا۔ یا اسراف؟ درحقیقت اس میں وہ عمل بھی شامل ہے جو دنیاوی یا دینی معلوم ہوتا ہے جب تک کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہو۔

علم والا اور علم کا طالب علم دونوں ہی حقیقت میں وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت کریں گے کیونکہ علم کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں۔ ایک جاہل شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس بات سے بے خبر ہوتے ہیں کہ کیا گناہ یا

نیک عمل شمار ہوتا ہے۔ کچھ معاملات میں، کوئی یہ بھی مان سکتا ہے کہ وہ سختی سے اس کی اطاعت کر رہے ہیں حالانکہ وہ اس سے بہت دور ہیں۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، حقیقت میں مادی دنیا میں کوئی بھی چیز اپنے آپ میں ملعون نہیں ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ کسی چیز کا استعمال کیا جاتا ہے جو اس بات کا تعین کرتا ہے کہ آیا یہ لعنت ہے یا نہیں۔ مثال کے طور پر اسلام کی تعلیمات کے مطابق دولت کا صحیح استعمال کیا جائے تو یہ دونوں جہانوں میں بہت بڑی نعمت ہے۔ لیکن اگر اس کا غلط استعمال یا ذخیرہ اندوزی کی گئی تو یہ دونوں جہانوں میں اس کے مالک کے لیے لعنت بن جائے گی۔ یہ اس دنیا کی ہر چیز پر لاگو ہو سکتا ہے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 21

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ جب میں نے قیامت کے دن غور کیا تو ان سے ڈر گیا کہ اس سے پوچھا جائے گا کہ اس نے جو علم دیا تھا اس کے ساتھ کیا کیا؟ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 506 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2417 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے پاؤں اس وقت تک نہیں ہلین گے جب تک کہ وہ پانچ سوالوں کا جواب نہ دے دے۔

ان میں سے ایک سوال ان کے علم کے بارے میں ہے اور اس کے ساتھ انہوں نے کیا کیا۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مفید دنیوی اور دینی علم حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس پر عمل کریں تاکہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کیا جاسکے اور اللہ تعالیٰ کی درست اطاعت کی جاسکے۔ جو جاہل رہتا ہے یا اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے اس کی دونوں جہانوں میں کامیابی کا امکان نہیں۔ ایک شخص اپنے مطلوبہ مقام پر تبھی پہنچ پائے گا جب وہ پہلے صحیح راستہ تلاش کرے اور پھر اس سے نیچے کا سفر کرے۔ لیکن اگر کوئی شخص صحیح راستے کے معنی تلاش کرنے میں ناکام رہتا ہے، علم حاصل کرتا ہے، یا اس کے معنی پر سفر کرنے، اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے، تو وہ اپنی مطلوبہ منزل یعنی دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں کامیابی حاصل نہیں کر سکے گا۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 22

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ لوگوں کو اپنی صحت سے فائدہ اٹھانے کی نصیحت کی۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 509 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6412 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ لوگ اکثر ان کی قدر نہیں کرتے جب تک کہ ان سے محروم نہ ہو جائیں، صحت اور فراغت۔

اچھی صحت ایک خاص نعمت ہے کیونکہ یہ انسان کو دنیا اور دین سے متعلق دیگر نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیتی ہے۔ معمولی بیماریوں کے پیچھے ایک حکمت یہ ہے کہ وہ ایک مسلمان کو اچھی صحت کے لیے شکر گزار ہونے کی ترغیب دیں۔ حقیقی شکر گزاری تب ہوتی ہے جب کوئی اپنے پاس موجود نعمتوں کو استعمال کرتا ہے، اس صورت میں اچھی صحت، صحیح طریقے سے جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے۔ ان لوگوں کو دیکھنا چاہیے جو بیماری یا بڑھاپے سے اپنی صحت سے محروم ہو گئے ہیں اور اس لیے اپنی صحت سے استفادہ کرتے ہوئے حلال دنیاوی معاملات کے ساتھ ساتھ دینی معاملات میں بھی کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے دین کو مادی دنیا پر ترجیح دیں۔ مثال کے طور پر، مساجد کی طرف سفر کرنے کے لیے اپنی اچھی صحت کو استعمال کرتے ہوئے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے ایک وقت آنے سے پہلے جب وہ ایسا کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کے لیے جسمانی طاقت نہیں رکھتے۔ انہیں اپنی اچھی صحت سے محروم ہونے سے پہلے خاص طور پر سردیوں کے مختصر دنوں میں رضاکارانہ روزے رکھنے چاہئیں۔ صحت سے صحیح طور پر استفادہ کرنے کی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جب وہ آخر کار اس سے محروم ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں وہی اجر عطا کرتا رہے گا جو ان کی صحت کے دوران اچھے کام کرنے پر ملتا تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث المفرد نمبر 500 میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ لیکن جو لوگ غفلت میں رہتے ہیں وہ اپنی اچھی صحت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس وجہ سے ان کی صحت یابی کے دوران کوئی اجر نہیں ملتا۔

اچھی صحت کی تعریف کرنے اور سچے شکرگزار ہونے کا ایک پہلو ان لوگوں کی مدد کرنا ہے جنہوں نے اپنی اچھی صحت کھو دی ہے جس طرح بھی ممکن ہو جیسے جذباتی یا مالی مدد۔ بیماروں کے بارے میں باقاعدگی سے غور و فکر کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ ان کی اچھی صحت کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی ترغیب دے گا۔

آخر میں، جو لوگ اپنی اچھی صحت کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی بیماری کے دور میں مدد کرے گا۔ جبکہ، جو لوگ نہیں کرتے وہ یہ مدد حاصل نہیں کریں گے اور اس وجہ سے بیماری کا سامنا کرتے وقت بے چین ہو جائیں گے۔ یہ منفی رویہ ان کے لیے مزید پریشانی کا باعث بنے گا۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 23

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ لوگوں کو یتیموں کے ساتھ ہمدردی کرنے کی نصیحت کی۔ انہیں اپنے قریب لانا چاہئے اور انہیں اپنے کھانے سے کھانا کھلانا چاہئے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 509 میں بحث کی گئی ہے۔

اس دن اور دور میں یتیموں کی مدد کرنا بہت آسان ہے کیونکہ کوئی بھی ان کی قربت کے بغیر خیراتی اداروں کے ذریعے ان کی مالی مدد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 5304 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ یتیم کی کفالت کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوگا۔ آپ پر جنت میں سلامتی ہو صرف یہی حدیث ایک مسلمان کے لیے یتیموں کی مدد کے لیے کوشش کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ اس کی قیمت بہت کم ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر لوگ اپنے ماہانہ فون بل پر زیادہ رقم خرچ کرتے ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ کم از کم ایک یتیم کی کفالت کرے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دے۔

عام طور پر، اس میں دوسروں کی مدد کرنے کی تمام اقسام شامل ہیں نہ کہ صرف مالی امداد۔ دوسروں کی ہر قسم کی حلال حاجت کو اپنی طاقت کے مطابق پورا کیا جائے اور اگر کسی مسلمان کو معلوم ہو کہ وہ یہ امداد نہیں دے سکتا تو اسے چاہیے کہ اس ضرورت مند کو کسی ایسے شخص کے پاس پہنچا دیں جو ان کی مدد کرے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ انہیں وہی اجر ملے گا جو ضرورت مند کی مدد کرنے والے کو ملتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2671 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خلوص نیت سے دوسروں کی ایسے طریقوں سے مدد کریں جس سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان کو فائدہ پہنچے، لوگوں سے کسی قسم کا بدلہ طلب کیے بغیر، کیونکہ یہ صرف ان کے اجر کو منسوخ کرنے کا باعث بنتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی مسلمان اپنی ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ کی مدد کا خواہاں ہے تو اسے ضرورت کے وقت دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن جو لوگ دوسروں کی مدد 4893 کرنے سے منہ موڑتے ہیں وہ اپنی ضرورت کے وقت پھنسے ہوئے رہ سکتے ہیں۔

اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ادا کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کو نعمتوں میں اضافہ ہو تو انہیں چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں جو ان کے پاس پہلے سے موجود ہیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ "کروں گا۔"

اس کا ایک پہلو ضرورت مندوں کی مدد کرنا ہے جو کسی کے پاس ہے جیسا کہ اچھی نصیحت۔

کسی کو ایک اہم نکتہ سمجھنا چاہئے جو انہیں فخر کرنے سے روکے گا۔ یعنی جو مدد وہ ضرورت مندوں کو دیتے ہیں وہ فطری طور پر ان کی نہیں ہوتی۔ یہ تخلیق کیا گیا ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ کا ہے، اور اس لیے انہیں ضرورت مندوں کی مدد کر کے حقیقی مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا چاہیے۔ درحقیقت ضرورت مند اپنے مددگار کا احسان کرتے ہیں کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا۔ اگر کوئی ضرورت مند نہ ہوتا تو لوگ زیادہ ثواب حاصل کرنے کے اس طریقے سے محروم ہوجاتے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 24

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے دوست کو مرنے سے پہلے نفلی روزے کی ترغیب دے۔ جبکہ لوگوں میں سب سے برا اور بدترین وہ ہے جو مرنے سے پہلے اپنے دوست کو کھانے پینے اور تفریح کرنے کی ترغیب دے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 524 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے اور برے ساتھی میں فرق بیان فرمایا۔ اچھا ساتھی عطر بیچنے والے کی طرح ہے۔ ان کا ساتھی یا تو کوئی عطر حاصل کرے گا یا کم از کم خوشگوار بو سے متاثر ہوگا۔ جبکہ برا ساتھی لوہار کی طرح ہوتا ہے اگر اس کا ساتھی اپنے کپڑے نہیں جلانے گا تو وہ ضرور دھوئیں سے متاثر ہوگا۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ جن لوگوں کے ساتھ جائیں گے ان کا اثر ان پر پڑے گا چاہے یہ اثر مثبت ہو یا منفی، ظاہر ہو یا لطیف۔ کسی کا ساتھ دینا اور اس سے متاثر نہ ہونا ممکن نہیں۔ سنن ابو داؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی کے مذہب پر ہے۔ یعنی انسان اپنے ساتھی کی خصوصیات کو اپناتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ صالحین کا ساتھ دیں کیونکہ وہ بلا شبہ ان پر مثبت اثر ڈالیں گے، وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دیں گے۔ جبکہ برے ساتھی یا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکسائیں گے یا پھر مسلمان کو آخرت کی تیاری کے بجائے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیں گے۔ یہ رویہ ان کے لیے قیامت کے دن بڑے ندامت کا باعث بنے گا خواہ وہ چیزیں حلال ہوں لیکن ان کی ضرورت سے زیادہ ہوں۔

آخر میں، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث کے مطابق ایک شخص آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ختم ہو جائے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے، ایک مسلمان کو عملی طور

پر اس دنیا میں صالحین کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ برے یا غافل لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور آخرت میں ان کی آخری منزل ہے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67

”اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔“

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 25

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر کوئی لوگوں کی تعریف کرے گا تو وہ ان کی تعریف کریں گے۔ لیکن اگر کوئی اپنے کام کا خیال رکھتا ہے اور لوگوں سے منہ موڑ لیتا ہے تو وہ لوگ تنقید کا نشانہ بنتے ہیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر میں بحث کی گئی ہے۔ 528

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عام طور پر جب کوئی ایسا راستہ چنتا ہے جو دوسروں کے راستے سے مختلف ہو، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست، تو انہیں ان کی طرف سے تنقید اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ درحقیقت تنقید کی اکثریت کسی شخص کے رشتہ داروں کی طرف سے آتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب کوئی مسلمان اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے پر زیادہ توجہ دینے کا فیصلہ کرتا ہے اور اگر یہ ایسی چیز ہے جس پر اس کے خاندان نے خود عمل نہیں کیا ہے تو اسے ان کی طرف سے تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان پر وہ لوگ بے وقوف اور انتہا پسند قرار دیں گے جن کے بارے میں وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ ان کے راستے پر ان کا ساتھ دیں گے۔ مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جس حلال راستے کا انتخاب کرتے ہیں اس پر ثابت قدم رہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ رکھیں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے ان مشکلات سے نکلنے کے لیے۔

لوگوں کی طرف سے یہ ایک عام ردعمل ہے کیونکہ جب کوئی شخص زندگی میں دوسروں سے مختلف راستے کا انتخاب کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس کا راستہ برا یا برا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس شخص نے ایک مختلف راستہ چنا ہے۔ اگرچہ وہ شخص اس پر یقین نہیں کرتا ہے لیکن صرف یہ مانتے ہوئے ایک مختلف راستہ چنتا ہے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے لیکن پھر بھی انہیں تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنی قوم کی طرف سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا کیونکہ انہوں نے دوسروں کو ایک اور بہتر راستے کی طرف دعوت دی۔

نتیجہ یہ کہ جب تک زندگی میں کسی کا راستہ حلال ہے اسے ثابت قدم رہنا چاہیے اور دوسروں کی تنقید سے باز نہیں آنا چاہیے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے حالات اور کردار کو بہتر بنانے کی کوشش نہ کریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حلال انتخاب کی پیروی سے باز نہیں آنا چاہیے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 26

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر کوئی کسی کو گالی دے یا اس سے لڑنے کا ارادہ کرے تو اس سے الگ ہو جائیں اور اپنے آپ سے بدلہ نہ لیں۔ انہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو معاف کر دیں اور ان کا دفاع کریں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 548 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190

اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد " سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا۔ باب: النور، آیت 22 24

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر... " دے؟

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 27

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ خبردار کیا کہ جھوٹ بولنے والے کے لیے عبرتناک عذاب ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی عقیدت کا مشاہدہ کریں، نہ تو ان کی تقریر اور نہ ہی ان کی پیشکش کو درست مانا جائے گا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 555 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناقابل قبول ہے چاہے وہ چھوٹا جھوٹ ہو نے تنبیہ کی کہ جھوٹ بولنا نفاق کا ایک پہلو ہے۔ جھوٹ جسے اکثر سفید جھوٹ کہا جاتا ہے یا جب کوئی مذاق کے طور پر جھوٹ بولتا ہے۔ جھوٹ کی یہ تمام قسمیں حرام ہیں۔ درحقیقت وہ جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے، اس کا مقصد کسی کو دھوکہ دینا نہ ہو، جامع ترمذی نمبر 2315 میں موجود ایک حدیث میں اس پر تین مرتبہ لعنت آئی ہے۔

ایک اور مشہور جھوٹ جو لوگ اکثر یہ مانتے ہوئے بولتے ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں ہے جب وہ بچوں سے جھوٹ بولتے ہیں۔ بلاشبہ یہ حدیث کے مطابق گناہ ہے جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4991 میں ہے۔ بچوں سے جھوٹ بولنا صریح حماقت ہے کیونکہ وہ اس گناہ کی عادت صرف 4991 بڑے سے ہی اپنائیں گے جو ان سے جھوٹ بولے گا۔ اس طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچوں کا جھوٹ بولنا قابل قبول ہے جب کہ یہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق قابل قبول نہیں ہے۔ صرف انتہائی نایاب اور انتہائی صورتوں میں جھوٹ بولنا قابل قبول ہے، مثال کے طور پر، کسی بے گناہ کی جان کی حفاظت کے لیے جھوٹ بولنا۔

جھوٹ سے بچنا ضروری ہے جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ دوسرے گناہوں جیسے غیبت اور لوگوں کا مذاق اڑانے کا باعث بنتا ہے۔ یہ طرز عمل جہنم کے دروازوں کی طرف لے جاتا ہے۔ جب کوئی شخص مسلسل جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑا جھوٹا لکھتا ہے۔ یہ پیشین گوئی کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ قیامت کے دن اس شخص کے ساتھ کیا ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا جھوٹا لکھا ہے۔

تمام مسلمان فرشتوں کی صحبت چاہتے ہیں۔ پھر بھی، جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو وہ اپنی صحبت سے محروم ہو جاتا ہے۔ درحقیقت جھوٹے کے منہ سے نکلنے والی بدبو فرشتوں کو ان سے ایک میل دور کر دیتی ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1972 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 28

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ ایک لمحے میں بہت سی خواہشات کی تکمیل انسان کے لیے طویل غم کا باعث بنتی ہے۔ اس کا تذکرہ امام بیہقی کی حدیث الکبیر ص میں ہوا ہے۔ 344

یہ باب 29 العنکبوت، آیت 38 سے مربوط ہے

اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوشنما بنا دیا تھا اور انہیں راستے سے روک دیا ” تھا۔“

جیسا کہ اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ شیطان لوگوں کو گناہ کرنے اور غلط فیصلے کرنے کے لیے ان کے لیے غلط انتخاب کو خوبصورت بنا کر بے وقوف بناتا ہے۔ یہ ان حالات میں ہوتا ہے جب ایک شخص کو دو یا دو سے زیادہ اختیارات میں سے انتخاب کرنا چاہیے۔ یہ اس وقت بھی ہوتا ہے جب انتخاب حلال اور ناجائز اور یہاں تک کہ دو حلال اختیارات کے درمیان ہو۔ اگر شیطان کسی کو گناہ کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتا تو وہ اسے کمتر اختیار کی طرف رہنمائی کرنے کی کوشش کرتا ہے، چاہے وہ حلال ہی کیوں نہ ہو، اس امید پر کہ یہ کسی قسم کے گناہ کا باعث بنے گا، جیسے کہ کوئی شخص زندگی اور تقدیر کے بارے میں شکایت کرتا ہے۔ شیطان کسی انتخاب کو اس کے ظاہری فائدے پر اس حد تک توجہ مرکوز کرنے کا باعث بناتا ہے کہ وہ بڑی تصویر اور انتخاب کے نتائج پر توجہ مرکوز کرنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایک بالغ پھر ایک بچے کی طرح برتاؤ کرتا ہے جو اپنے اعمال کے نتائج پر غور کیے بغیر انتخاب کرتا ہے۔ یہ ایک اہم وجہ ہے جس کی وجہ سے لوگ گناہ کرتے ہیں۔ درحقیقت، اگر کوئی گناہوں کی سزا پر صحیح معنوں میں غور کرے تو وہ ان کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

کچھ جو اس طرح کے حالات میں مدد کرتا ہے وہ بے ذہنی طور پر ایک قدم پیچھے ہٹتا اور ان کے طویل مدتی فوائد اور نقصانات کا موازنہ کر کے اختیارات کا جائزہ لینا۔ صرف اس صورت میں جب کسی چیز کا حلال فائدہ نقصان سے زیادہ ہو جائے تو انسان کو آگے بڑھنا چاہیے۔ دوسری چیز جو مدد کرتی ہے وہ بے ممکنہ اختیارات کے نتائج پر گہرائی سے غور کرنا۔ کچھ انتخاب جائز ہو سکتے ہیں لیکن اگر کوئی ان کے ساتھ آگے بڑھتا ہے تو یہ طویل مدت میں ان کی زندگی کو مشکل بنا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، بعض اوقات لوگ کسی ایسے شخص کے ساتھ شادی میں جلدی کرتے ہیں جس سے وہ بظاہر محبت کرتے ہیں۔ وہ دیگر اہم پہلوؤں پر غور کرنے کے بجائے اپنے فیصلے کی بنیاد صرف اور صرف اپنے جذبات پر کرتے ہیں، مثلاً، اگر ان کا ممکنہ مستقبل کا شریک حیات ایک اچھا جیون ساتھی یا اچھا والدین بنائے گا اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان کی مدد کرے گا۔ بہت سی شادیاں طلاق پر ختم ہو چکی ہیں کیونکہ جوڑے نے ممکنہ شادی کے طویل مدتی مضمرات پر غور نہیں کیا۔ بہت سے لوگ اکثر دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی شریک حیات شادی سے پہلے بہت مختلف تھی لیکن زیادہ تر معاملات میں وہ بالکل بھی نہیں بدلے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ شادی سے پہلے انہوں نے ان کے ساتھ اتنا وقت نہیں گزارا تھا اس لیے انہوں نے کچھ ایسی خصوصیات کا مشاہدہ نہیں کیا جو شادی کے بعد ظاہر ہو گئیں۔

کچھ اکثر کارروائی میں جلدی کرتے ہیں اور بعد میں پچھتاوا ہوتے ہیں کیونکہ ان کے انتخاب نے انہیں مزید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا اور بہت سے معاملات میں یہ مسئلہ پہلی جگہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ اس قسم کی کارروائی سے صرف اس صورت میں بچا جا سکتا ہے جب کوئی صورت حال پر غور کرے اور ایک قدم آگے بڑھانے کے وسیع تر اور طویل مدتی مضمرات اور نتائج کا مشاہدہ کرے۔

فیصلہ کرنے سے پہلے کسی کو صرف یہ اندازہ نہیں لگانا چاہیے کہ آیا کوئی چیز جائز ہے یا ناجائز۔ اگرچہ، یہ ابھی تک غور کرنے کی سب سے اہم چیز ہے، یہ واحد چیز نہیں ہے۔ جیسا کہ بہت سے جائز غلط انتخاب، جن کو شیطان نے خوبصورت بنایا ہے، زندگی میں مزید پریشانی کا باعث بن سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ کوئی بھی انتخاب کرنے سے پہلے ایک شخص کو ایک قدم پیچھے ہٹنا چاہیے اور قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی روشنی میں اس کے حلال ہونے اور

اس کے ممکنہ طویل مدتی فوائد اور نقصانات پر گہرائی سے غور کرنا چاہیے۔ اس پر جو بھی اس طرح کام کرتا ہے وہ شاذ و نادر ہی غلط انتخاب کرے گا وہ بعد میں پچھتائے گا۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 29

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ علم کی ایک شاخ سیکھنا ان کے نزدیک عبادت میں رات گزارنے سے زیادہ محبوب ہے۔ اس پر امام غزالی، احیاء العلوم الدین، ص/163 میں بحث ہو چکی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 219 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن پاک کی ایک آیت سیکھنا 100 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اسلامی علم کے کسی موضوع کو سیکھنا چاہے اس پر عمل نہ بھی کرے، 1000 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

کسی آیت کو سیکھنے میں مطالعہ کرنا اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کرنا شامل ہے۔ اور یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو یہ اجر تبھی ملے گا جب وہ اپنے سیکھے ہوئے علم کے موضوع پر خلوص نیت سے عمل کرنے کی کوشش کرے گا اور موقع ملنے پر اسے عملی طور پر نافذ کرے گا۔ صرف اس صورت میں جب کسی کو اپنے اسلامی علم کے موضوع پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملے گا تو وہ 1000 رکعت نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرے گا چاہے وہ اس پر عمل ہی کیوں نہ کرے۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی نیت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور جزا دیتا ہے اور اس لیے موقع ملنے پر صدق دل سے عمل کرنے والوں کو اجر عطا کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

آخر میں، جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا رضاکارانہ عبادت سے بہت افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثریت عربی زبان نہیں سمجھتی اور اس لیے ان کے طرز عمل اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو مثبت انداز میں تبدیل کرنے کا امکان کم ہے کیونکہ وہ اس زبان کو نہیں سمجھتے جو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ، علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا کسی کو بہتر کے لیے تبدیل کرنے کی ترغیب

دینے کا زیادہ امکان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ مسلمان کئی دہائیاں رضاکارانہ عبادت میں گزارتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ یا لوگوں کے ساتھ اپنے رویے میں ذرا بھی بہتری نہیں لاتے۔ اب تک یہ عمل کا بہترین طریقہ نہیں ہے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 30

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ تنبیہ کی کہ جھگڑا جاری رکھنا ہی کسی کو ظالم قرار دینے کے لیے کافی ہے۔ اس پر امام احمد بن حنبل کی کتاب الزہد ص/172 میں بحث ہوئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1993 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑنے سے گریز کرے اسے جنت کے بیچوں بیچ ایک گھر دیا جائے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک سچے مسلمان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی اور اپنی رائے کو فروغ دینے کے لیے بحث و مباحثہ نہ کرے۔ اس کے بجائے انہیں سچائی کو فروغ دینے کے لیے معلومات پیش کرنی چاہیے۔ اس کا اطلاق دنیاوی اور دینی دونوں معاملات پر ہوتا ہے۔ جس کا مقصد حق کو فروغ دینا ہو وہ بحث نہیں کرے گا۔ صرف وہی جو خود کو فروغ دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے برعکس جو بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ دلائل جیتنے سے کسی کے درجے میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ دونوں جہانوں میں کسی کا درجہ صرف اس وقت بڑھتا ہے جب وہ بحث کرنے سے گریز کرتے ہیں اور اس کے بجائے سچ کو پیش کرتے ہیں یا جب ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو اسے قبول کرتے ہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ بات چیت کرتے وقت دوسروں کے ساتھ بار بار جانے سے گریز کرے کیونکہ یہ بحث کرنے کی خصوصیت ہے۔ یہی صحیح ذہنیت ہے جس کی طرف باب 16 النحل آیت 125 میں اشارہ کیا گیا ہے

اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے اس ” طریقے سے بحث کرو جو بہترین ہو۔“

ایک مسلمان کو سمجھنا چاہیے کہ ان کا فرض یہ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو کسی چیز کو قبول کرنے پر مجبور کریں۔ ان کا فرض صرف سچ کو پیش کرنا ہے کیونکہ زبردستی بحث کرنے کی خصوصیت ہے۔

ایک مسلمان کو اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے اور اگر دوسرے ان کی رائے سے متفق نہیں ہیں تو دباؤ ڈالیں۔ جب کوئی شخص وقت کے ساتھ ان اختلافات کو برقرار رکھتا ہے تو یہ ان کے اور دوسروں کے درمیان دشمنی کا سبب بن سکتا ہے، جو ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے تعلقات کا باعث بن سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے لوگوں کے ساتھ تعلقات توڑنے کا گناہ بھی ہو سکتا ہے۔ لہذا اس طرح کے معاملات میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ چیزوں کو جانے دیں اور کسی ایسے شخص کے بارے میں منفی جذبات پیدا نہ کریں جو ان کی رائے اور انتخاب سے متفق نہیں ہے۔ اس کے بجائے انہیں اپنے آپ کو اختلاف رائے پر راضی کرنے کے لیے دباؤ ڈالنا چاہیے اور بغیر کسی بیمار جذبات کے صورتحال سے آگے بڑھنا چاہیے۔ ایسا کرنے میں ناکام رہنے والا اپنے آپ کو ہمیشہ دوسروں کے لیے جھگڑا اور دشمنی میں مبتلا پائے گا کیونکہ وہ اپنی خصوصیات اور ذہنیت کے فرق کی وجہ سے بعض موضوعات اور مسائل پر دوسروں سے اختلاف کرنے کے پابند ہیں۔ اس اصول کو سمجھنا اس دنیا میں امن کی تلاش کا شاخسانہ ہے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ - 31

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جو کچھ بھی سنے اس کو بیان کرتے رہنا سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ سے مربوط ہے، ان کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے۔ اس پر امام احمد بن حنبل کی کتاب الزہد ص/172 میں بحث ہوئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4992 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ جو کچھ بھی سنتا ہے اسے دوسروں کے سامنے بیان کرنا ان کے گناہگار ہونے کے لیے کافی ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، کسی کو سب سے پہلے اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ صرف حلال تقریر ہی سنتے ہیں کیونکہ ایسی گفتگو میں سرگرمی سے حصہ لینا جس میں گناہ کی تقریر شامل ہوتی ہے دونوں جہانوں میں ان پر منفی اثر ڈالے گی۔ ایک مسلمان کو کوشش کرنی چاہئے کہ وہ ایسی گفتگو سے گریز کرے جس میں فضول اور فضول گفتگو ہو کیونکہ اس سے اکثر گناہ کی بات ہوتی ہے اور اس کا قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے جو کہ قیامت کے دن اس کے لئے بہت زیادہ افسوس کا باعث ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ جو کچھ بھی سنتے ہیں اسے دوسروں تک نہ پہنچائیں کیونکہ یہ آسانی سے غیبت اور غیبت کا باعث بن سکتا ہے جو کہ کبیرہ گناہ ہیں۔ یہ اکثر رشتہ داروں کے درمیان خاص طور پر ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے رشتوں کا باعث بنتا ہے۔ ایک مسلمان کو صرف ان چیزوں کو بیان کرنا چاہئے جو وہ سنتے ہیں اگر وہ گناہوں سے بچ سکتے ہیں اور اگر معلومات دوسروں کے لئے فائدہ مند ہیں۔ اس کے علاوہ، وہ جو معلومات دیتے ہیں وہ تصدیق شدہ اور مستند ہونی چاہیے کیونکہ ایسی چیزوں کو پہنچانا جو تصدیق شدہ نہیں ہیں، قرآن کریم کے حکم سے متصادم ہیں۔ جو مسلمان لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے وہ اس طریقے سے ان کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 6

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، ایسا ”
“نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور اپنے کیے پر پشیمان ہو جاؤ۔

جس طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ وہ جن باتوں پر گفتگو کرتے ہیں وہ دوسروں تک
پہنچائی جائیں، انہیں بھی اس طرح سے برتاؤ نہیں کرنا چاہیے جو دوسرے کہتے ہیں۔

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ - 1

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے اٹھویں سال مکہ فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ جنگ کے دوران مسلمانوں کا لشکر مغلوب ہو گیا اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہ میدان جنگ سے عارضی طور پر پیچھے ہٹ گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی بنیاد پر قائم رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آخر کار جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر ان کو بلایا گیا تو وہ سب آگے بڑھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرما دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 451 اور امام محمد السلبی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 141 میں بحث کی گئی ہے۔

جنگ کے دوران ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کے ایک سپاہی کو قتل کر دیا۔ فتح کے بعد انہیں بتایا گیا کہ جو بھی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ اس نے دشمن کے سپاہی کو مارا ہے، اسے ان کے ہتھیاروں جیسے سامان لینے کی اجازت ہوگی۔ ابتدا میں کسی نے بھی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے قصے کی تصدیق نہیں کی، یہاں تک کہ کسی دوسرے نے تصدیق کر دی کہ دشمن کے جس سپاہی کو اس نے مارا تھا اس کا مال اس کے پاس تھا۔ اس شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ مال ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کرنے کے بجائے اپنے پاس رکھنے کی اجازت دیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مداخلت کی اور تبصرہ کیا کہ جب وہ صحیح طور پر اللہ تعالیٰ کے شیروں میں سے کسی ایک کے ہیں، یعنی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے مال رکھنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ امام محمد السلبی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 142-143 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ استدلال واضح طور پر ان کی عدل و انصاف پر دلالت کرتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر موقع پر انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135

اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔¹ [پس ذاتی] جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

سعید بن عامر رضی اللہ عنہ - 1

سعید نے ایک مرتبہ خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو درج ذیل نصیحت کی۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 164 میں بحث کی گئی ہے۔

سعید رضی اللہ عنہ نے انہیں لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نصیحت کی۔

صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دیوالیہ مسلمان وہ ہے جو بہت سے اعمال صالحہ جمع کرتا ہے جیسے کہ روزہ اور نماز، لیکن وہ لوگوں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ اعمال ان کے مظلوموں کو دیئے جائیں گے اور اگر ضروری ہوا تو ان کے شکار کے گناہ انہیں قیامت کے دن دیئے جائیں گے۔ یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا باعث بنے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایمان کے دو پہلوؤں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض ہیں جیسے فرض نماز۔ دوسرا پہلو لوگوں کے حوالے سے ہے جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جسمانی اور زبانی نقصان کو زندگی سے دور نہ رکھے۔ دوسروں کے مال

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ لامحدود معاف کرنے والا ہے، وہ ان لوگوں کو معاف کر دے گا جو اس سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ لیکن وہ ان گناہوں کو معاف نہیں کرے گا جن میں دوسرے لوگ شامل ہوتے ہیں جب تک کہ شکار پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے معاف

کرنے والے نہیں ہیں ایک مسلمان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ جن پر انہوں نے ظلم کیا ہے وہ قیامت کے دن ان کی قیمتی نیکیاں چھین کر ان سے بدلہ لیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پورا کرتا ہے، تب بھی وہ جہنم میں صرف اس لیے جا سکتا ہے کہ اس نے دوسروں پر ظلم کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنے فرائض کے دونوں پہلوؤں کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

سعید رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت کی کہ اپنے قول و فعل میں کبھی تضاد نہ ہو کیونکہ بہترین کلمات وہ ہیں جن کی تصدیق عمل سے ہو۔

منافقت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب کوئی زبانی طور پر دوسروں اور ان کے اچھے منصوبوں جیسے کہ مسجد کی تعمیر کے لیے حمایت کا اظہار کرتا ہے لیکن جب اس منصوبے میں حصہ لینے کا وقت آتا ہے، جیسے کہ دولت عطیہ کرنا، وہ غائب دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح، جب لوگ اچھے وقت کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں تو وہ زبانی طور پر ان کی حمایت کرتے ہیں اور دوسروں کو ان کی وفاداری کی یاد دلاتے ہیں۔ لیکن جس وقت عوام کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے یہ منافق کوئی جذباتی یا جسمانی سہارا نہیں دیتے۔ اس کے بجائے وہ ان پر تنقید کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین کا یہی رویہ تھا۔ باب 4 النساء آیت 62

تو کیسا ہو گا جب ان کے ہاتھوں کے آگے بڑھنے کی وجہ سے ان پر کوئی آفت آجائے اور پھر ” وہ اللہ کی قسم کھا کر آپ کے پاس آئیں کہ ہم نے حسن سلوک اور رہائش کے سوا کچھ نہیں چاہا۔

سعید رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت کی کہ وہ اپنی توجہ اپنے زیر کفالت لوگوں کی دیکھ بھال میں لگا دیں، خواہ وہ دور ہوں یا قریب۔

صحیح بخاری نمبر 2409 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ ہر شخص اپنی زیر نگرانی چیزوں کا محافظ اور ذمہ دار ہے۔

سب سے بڑی چیز جس کا ایک مسلمان محافظ ہے وہ ان کا ایمان ہے۔ لہذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس ولایت میں ہر وہ نعمت بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے جس میں ظاہری چیزیں شامل ہیں جیسے مال اور اندرونی چیزیں جیسے کہ جسم۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کرتے ہوئے ان کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنی آنکھیں صرف حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے اور اپنی زبان کو صرف حلال اور مفید الفاظ کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ سرپرستی کسی کی زندگی میں دوسروں جیسے رشتہ داروں اور دوستوں تک بھی پھیلتی ہے۔ ایک مسلمان کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس ذمہ داری کو اپنے حقوق کی ادائیگی اور نرمی سے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے جیسے حقوق کو پورا کرتے ہوئے پورا کرنا چاہیے۔ کسی کو دوسروں سے خاص طور پر دنیاوی مسائل میں کٹنا نہیں چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں اس امید پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جاری رکھنا چاہیے کہ وہ بہتر کے لیے بدل جائیں گے۔ اس سرپرستی میں کسی کے بچے بھی شامل ہیں۔ ایک مسلمان کو مثال کے طور پر رہنمائی کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنی چاہیے کیونکہ یہ بچوں کی رہنمائی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنا سکھائیں۔

نتیجہ اخذ کرنا کہ اس حدیث کے مطابق ہر ایک پر کوئی نہ کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہذا انہیں چاہیے کہ وہ علم حاصل کریں اور ان پر عمل کریں تاکہ ان کی تکمیل ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔

سعید رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت کی کہ وہ اپنی توجہ اپنے زیر کفالت لوگوں کی دیکھ بھال میں لگا دیں، خواہ وہ دور ہوں یا قریب۔ اسے چاہیے کہ وہ ان کے لیے وہی پسند کرے جو وہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے پسند کرتا ہے اور ان کے لیے وہ ناپسند کرے جو وہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے ناپسند کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار نصیحت فرمائی کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس خصوصیت کو اپنانے میں ناکام رہے تو اپنا ایمان ختم کر دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا جب تک وہ اس نصیحت پر عمل نہ کرے۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مسلمان اس وقت تک اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے بھی وہ چیز ناپسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ اس کی تائید صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک اور حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو باقی جسم درد میں شریک ہوتا ہے۔ اس باہمی احساس میں دوسروں کے لیے محبت اور نفرت شامل ہے جو کوئی اپنے لیے پسند کرتا ہے اور نفرت کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو یہ درجہ تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب اس کا دل بُری خصلتوں سے پاک ہو، جیسے حسد۔ یہ بُری خصلتیں انسان کو ہمیشہ اپنے لیے بہتر کی خواہش کا باعث بنتی ہیں۔ پس درحقیقت یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اچھی خصلتوں کو اپنا کر اپنے دل کو پاک کرنا چاہیے جیسا کہ معاف کرنے والا ہونا اور حسد جیسی بُری خصلتوں کو ختم کرنا چاہیے۔ یہ صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش کرنا انہیں اچھی چیزوں سے محروم کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے کی کوئی حد نہیں اس لیے خود غرضی اور لالچی ذہنیت اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد، اسی طرح ایک شخص چاہتا ہے کہ دوسروں کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کریں۔ اس لیے اس محبت کو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے ظاہر کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ جب کوئی مسلمان برائی سے منع کرتا ہے اور ایسی نصیحت کرتا ہے جو دوسروں کی خواہش کے خلاف ہو تو اسے نرمی سے اس طرح کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے اسے نرمی سے نصیحت کریں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، زیر بحث اہم حدیث ان تمام برے خصلتوں کو ختم کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے جو باہمی محبت اور نگہداشت سے متصادم ہوں، جیسا کہ حسد۔ حسد اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی خاص نعمت کا مالک ہونا چاہتا ہے جو صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اسے کسی اور سے چھین لیا جائے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ نعمتوں کی تقسیم کے لیے براہ راست چیلنج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور حسد کرنے والے کی نیکیوں کو برباد کرنے کا باعث ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اگر ایک مسلمان دوسرے کے پاس حلال چیزوں کی خواہش رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اسے وہی چیز عطا کرے جو دوسرے شخص کو ضائع نہ ہو۔ نعمت اس قسم کی حسد جائز ہے اور مذہب کے پہلوؤں میں قابل تعریف ہے۔ صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے کہ مسلمانوں کو صرف اس دولت مند سے حسد کرنا چاہئے جو اپنی دولت کا صحیح استعمال کرے۔ اور ایک ایسے علم والے سے رشک کریں جو اپنے علم کو اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو نہ صرف دوسروں کے لیے دنیاوی نعمتوں کے حصول کے لیے محبت کرنی چاہیے بلکہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں دینی برکات حاصل کرنے کے لیے بھی محبت کرنی چاہیے۔ درحقیقت جب کوئی دوسروں کے لیے یہ خواہش کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت

میں اس کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام میں اس قسم کے صحت مند مقابلے کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ باب 83 المطفین، آیت 26

"تو اس کے لیے حریفوں کو مقابلہ کرنے دیں۔۔۔"

یہ حوصلہ افزائی ایک مسلمان کو اپنے کردار میں کسی بھی خامی کو تلاش کرنے اور اسے دور کرنے کے لیے اپنا جائزہ لینے کی ترغیب دے گی۔ جب یہ دونوں عناصر معنی کو یکجا کرتے ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کرتے ہیں، اور کردار کو پاک کرتے ہیں، تو یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے محبت کا دعویٰ نہ صرف زبانی طور پر کرے بلکہ اپنے عمل سے ظاہر کرے۔ امید ہے کہ جو اس طرح دوسروں کی فکر کرتا ہے اسے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی فکر حاصل ہوگی۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 1930 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

سعید رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت کی کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے رہیں لوگوں کی تنقید سے کبھی نہ گھبرائیں۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے صحیح طریقے سے رہنمائی کرتے ہیں کیونکہ دوسروں پر ان کی تنقید کی بنیاد قرآن پاک میں موجود تنقید اور نصیحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ہوتی ہے۔ یہ قسم ہمیشہ تعمیری رہے گی اور دونوں جہانوں میں نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف رہنمائی کرے گی۔ یہ لوگ دوسروں کی زیادہ یا کم تعریف کرنے سے بھی گریز کریں گے۔ دوسروں کی زیادہ تعریف

کرنا انہیں مغرور اور تکبر کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں کی تعریف کرنے سے وہ کابل بن سکتے ہیں اور انہیں اچھے کام کرنے سے روک سکتے ہیں۔ یہ ردعمل اکثر بچوں میں دیکھا جاتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق تعریف کرنے سے دوسروں کو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں زیادہ محنت کرنے کی ترغیب ملے گی اور یہ انہیں تکبر کرنے سے روکے گا۔ اس لیے اس شخص کی تعریف اور تعمیری تنقید کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے خواہ وہ کسی اجنبی کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری قسم کے لوگ اپنی خواہشات کی بنیاد پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ تنقید زیادہ تر غیر تعمیری ہے اور صرف کسی کے خراب مزاج اور رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ لوگ اکثر دوسروں کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ ان دونوں کے منفی اثرات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ لہذا اس شخص کی تنقید اور تعریف کو اکثر صورتوں میں نظر انداز کر دینا چاہیے خواہ وہ کسی عزیز کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ تنقید کے معاملے میں غیر ضروری طور پر اداس اور تعریف کے معاملے میں تکبر کا باعث بنتا ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو شخص دوسروں کی زیادہ تعریف کرتا ہے وہ اکثر ان پر بھی تنقید کرتا ہے۔ جس اصول پر عمل کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ صرف اسلام کی تعلیمات پر مبنی تنقید اور تعریف قبول کریں۔ باقی تمام چیزوں کو نظر انداز کرنا چاہیے اور ذاتی طور پر نہیں لینا چاہیے۔

ابو عقیل رضی اللہ عنہ - 1

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غزوہ تبوک کے لیے چندہ دینے کی ترغیب دی تو ابو عقیل رضی اللہ عنہ پوری رات کام کرتے ہوئے گزاریں۔ نتیجے نے مہم کی طرف مٹھی بھر تاریخیں عطیہ کیں۔ منافقین نے اس کے عطیہ کا مذاق اڑایا اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے توبہ میں باب 9، آیت 79 نازل کی۔

جو لوگ مومنین میں سے صدقات میں حصہ ڈالنے والوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور جو لوگ "اپنی کوشش کے سوا کچھ نہیں پاتے تو وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ ان کا مذاق اڑائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 191-192 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ مقدار سے زیادہ معیار کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ مسلمانوں نے ایک کمزور خصوصیت اختیار کر لی ہے جو انہیں بہتر کرنے میں صرف رکاوٹ ہے۔ یعنی وہ اپنے حالات اور حالات کا موازنہ دوسروں سے کرتے ہیں جو آسان حالات کا سامنا کر رہے ہیں اور اس کو بہانے کے طور پر استعمال کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہ کریں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کر کے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو کل وقتی کام کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنی کوشش کی کمی کا عذر کرتا ہے، اپنا موازنہ کسی ایسے شخص سے کرتا ہے جو پارٹ ٹائم کام کرتا ہے اور محض یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرنا آسان ہے۔ کیونکہ ان کے پاس زیادہ فارغ وقت ہے۔ یا ایک غریب مسلمان زیادہ مال رکھنے والوں کو دیکھ کر اور یہ

دعویٰ کرتا ہے کہ مالدار ان سے زیادہ آسانی سے صدقہ دے سکتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ یہ بہانے ان کی روح کو بہتر محسوس کر سکتے ہیں لیکن یہ ان کی دنیا یا آخرت میں مدد نہیں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ دوسروں کے وسیلہ کے مطابق عمل کریں وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنے اسباب کے مطابق اس کی اطاعت پر عمل کریں۔ مثال کے طور پر جو شخص کل وقتی کام کرتا ہے وہ اپنے پاس جو بھی فارغ وقت رکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے وقف کر سکتا ہے، خواہ وہ جز وقتی کام کرنے والے سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ اس سلسلے میں پارٹ ٹائم جو کچھ کرتا ہے اس کا کل وقتی کام کرنے والے پر کوئی اثر نہیں ہوتا اس لیے انہیں زیادہ محنت نہ کرنے کے بہانے کے طور پر استعمال کرنا محض ایک لنگڑا بہانہ ہے۔ غریب مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق صدقہ دے خواہ وہ مالدار سے کم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا اور دوسرے مسلمانوں کے اعمال کے مطابق ان کا فیصلہ نہیں کرے گا۔

مسلمانوں کو ان فضول عذروں کو ترک کر دینا چاہیے اور بس اپنے اپنے ذرائع کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ - 1

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غزوہ تبوک کے لیے چندہ دینے کی ترغیب دی تو عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے چاندی کے چار ہزار سگے عطیہ فرمائے۔ منافقوں نے اس پر دکھاوے کا الزام لگایا اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کی آیت 79 میں باب 9 نازل کیا۔

جو لوگ مومنین میں سے صدقات میں حصہ ڈالنے والوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور جو لوگ "اپنی کوشش کے سوا کچھ نہیں پاتے تو وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ ان کا مذاق اڑائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

اس پر امام محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 192 میں بحث کی گئی ہے۔

عبدالرحمن رضی اللہ عنہ ایک دولت مند آدمی تھے لیکن وہ دنیاوی نعمتوں کو اللہ کی رضا کے لیے استعمال کرنے کی اہمیت کو سمجھتے تھے۔

حقیقت میں، زیادہ تر معاملات میں اس مادی دنیا میں کوئی بھی چیز بذات خود اچھی یا بری نہیں ہے، جیسے کہ دولت۔ جو چیز کسی چیز کو اچھی یا بری بناتی ہے وہ اس کے استعمال کا طریقہ ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اس کا اصل مقصد یہی تھا کہ اس کا صحیح استعمال اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ جب کسی چیز کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو وہ حقیقت میں بیکار ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، دولت دونوں جہانوں میں مفید ہے جب اس کا صحیح استعمال کیا جائے جیسے کہ کسی شخص اور اس کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔ لیکن اگر اسے صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جائے، مثلاً

ذخیرہ اندوزی یا گناہ کی چیزوں پر خرچ کرنا، تو یہ بیکار اور اس کے اٹھانے والے کے لیے لعنت بھی بن سکتا ہے۔ محض دولت جمع کرنے سے دولت کی قدر و قیمت ختم ہو جاتی ہے۔ کاغذ اور دھاتی سکے ایک ٹک کے فاصلے پر کیسے کارآمد ہو سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں، کاغذ کے ایک ٹکڑے اور پیسے کے نوٹ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ تب ہی مفید ہے جب اسے صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے۔

لہذا اگر کوئی مسلمان یہ چاہتا ہے کہ ان کے تمام دنیاوی اموال دونوں جہانوں میں اس کے لیے نعمت بن جائیں تو اسے صرف یہ کرنا ہے کہ وہ قرآن پاک میں موجود تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ان کا صحیح استعمال کریں۔ اسے لیکن اگر وہ ان کا غلط استعمال کریں گے تو وہی نعمت ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ اور لعنت بن جائے گی۔ یہ اتنا ہی آسان ہے۔

جب کوئی شخص ان نعمتوں کا مقصد سمجھ لے تو صحیح رویہ اختیار کر سکتا ہے۔

مسلمان کے پاس ہر دنیوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے جو اسے آخرت تک پہنچنے میں مدد فراہم کرے۔ یہ اپنے آپ میں ایک اختتام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، دولت ایک ایسا ذریعہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے استعمال کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنا چاہیے۔ یہ اپنے آپ میں کوئی حتمی یا حتمی مقصد نہیں ہے۔

اس سے نہ صرف ایک مسلمان کو آخرت پر توجہ مرکوز رکھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ جب بھی وہ دنیاوی نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں تو یہ ان کی مدد کرتا ہے۔ جب ایک مسلمان ہر دنیوی نعمت کو، جیسے کہ بچہ، کو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتا ہے تو اس کے ضائع ہونے سے ان پر اتنا نقصان دہ اثر نہیں پڑے گا۔ وہ اداس ہو سکتے ہیں، جو ایک قابل قبول جذبہ ہے، لیکن وہ غمگین نہیں ہوں گے جو بے صبری اور دیگر ذہنی مسائل، جیسے ڈپریشن کا باعث بنتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے پاس موجود دنیاوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے اس لیے اسے کھونے سے حتمی مقصد یعنی جنت میں

نقصان نہیں ہوتا، جس کا نقصان تباہ کن ہے۔ لہذا، اب بھی حتمی مقصد پر توجہ مرکوز رکھنا انہیں غمگین ہونے سے روکے گا۔

اس کے علاوہ، وہ یہ سمجھیں گے کہ جس چیز کو انہوں نے کھویا وہ صرف ایک ذریعہ تھا، وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے حتمی مقصد تک پہنچنے اور اسے پورا کرنے کے لیے ایک اور ذریعہ فراہم کیا جائے گا۔ اس سے وہ غم سے بھی بچیں گے۔ جبکہ جو شخص اپنی دنیوی نعمتوں کو کسی وسیلہ کے بجائے خاتمہ سمجھتا ہے وہ اسے کھونے پر شدید غم کا سامنا کرے گا کیونکہ اس کا پورا مقصد اور مقصد ضائع ہو گیا ہے۔ یہ غم ڈپریشن اور دیگر ذہنی مسائل کا باعث بنے گا۔

آخر میں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ہر نعمت کو آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھیں نہ کہ اپنے آپ میں خاتمہ۔ اس طرح کوئی بھی چیزوں کو ان کے قبضے میں رکھے بغیر حاصل کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ دنیاوی چیزوں کو اپنے ہاتھ میں رکھ سکتے ہیں دلوں میں نہیں۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ - 2

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اپنی ملکیت کی زمین کا ٹکڑا 40 ہزار سونے کے سکوں کے عوض بیچا اور پھر یہ ساری رقم مدینہ کے غریبوں اور محتاجوں میں صدقہ و خیرات میں تقسیم کر دی۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 197 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے اس کو اس کے مطابق اجر دیا جائے گا۔ اور اس نے خبردار کیا کہ ذخیرہ اندوزی نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو روک دے گا۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کو صرف حلال مال حاصل کرنا اور خرچ کرنا ہے کیونکہ ہر وہ نیک عمل جس کی بنیاد حرام پر ہو اللہ تعالیٰ اسے رد کر دے گا، خواہ اس کی نیت کچھ بھی ہو۔ صحیح مسلم نمبر 2342 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ خرچ صرف خیرات کے ذریعے نہیں ہوتا بلکہ اس میں فضول خرچی، اسراف یا اسراف کے بغیر اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات پر خرچ کرنا شامل ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود حدیث کے مطابق یہ درحقیقت ایک نیک عمل ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ متوازن طریقے سے خرچ کرے جس سے وہ خود محتاج نہ ہو کر دوسروں کی مدد کرے۔ باب 17 الاسراء، آیت 29

اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے نہ باندھو اور نہ ہی اسے پوری طرح پھیلا دو اور [اس طرح] ”ملامت اور دیوالیہ بن جاؤ۔“

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق باقاعدگی سے صدقہ دے چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کسی کے معیار کے معنی، ان کے اخلاص کو دیکھتا ہے، نہ کہ عمل کی مقدار کو۔ باقاعدگی کے ساتھ تھوڑا سا صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بہتر اور زیادہ محبوب ہے، اس سے کہ ایک بار زیادہ صدقہ کیا جائے۔ صحیح بخاری نمبر 6465 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب کوئی اپنی وسعت کے مطابق دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے لامحدود درجہ کے مطابق بدلہ دیتا ہے۔ لیکن جو روکے گا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا ہی جواب ملے گا۔ اگر کوئی مسلمان اپنا مال جمع کرتا ہے تو وہ اسے دوسروں کے لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اس کے لیے جوابدہ ہوں گے۔ اگر وہ اپنی دولت کا غلط استعمال کریں گے تو یہ ان کے لیے دنیا میں لعنت اور بوجھ اور آخرت میں عذاب بن جائے گا۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ - 3

حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک مرتبہ نازل ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حکم دیں کہ بھوکوں اور مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 199 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق عطا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں ذکر ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا تو وہ انہیں یاد کرے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 152

"...پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا"

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوسروں کو کھانا کھلانا بھی ایسا ہی ہے۔ اس عمل کو انجام دینے والے کو جنت کا کھانا کھلایا جائے گا اور جو دوسرے کو پلائے گا اسے قیامت کے دن جنت کا پانی پلایا جائے گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2449 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6236 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسلام کی بہترین قسم کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوسروں کو کھانا کھلانا اور خوش اخلاقی سے بات کرنا اسلام کی بہترین خصلتیں ہیں۔

مسلمانوں کو اس نیک عمل پر عمل کرنے کو اولین ترجیح بنانا چاہئے اور دوسروں کو خاص طور پر غریبوں کو مستقل بنیادوں پر کھانا کھلانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ ایک حیرت انگیز

عمل ہے جس کے لیے زیادہ دولت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی استطاعت کے مطابق دوسروں کو کھلائے خواہ نصف کھجور ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1417 کی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی ہے کہ اس سے ان کی حفاظت ہوگی۔ قیامت کے دن جہنم کی آگ۔ اس سے لوگوں کو اس نیک عمل سے باز رہنے کا کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ - 4

حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک مرتبہ نازل ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حکم دیں کہ جب لوگ آپ سے مدد چاہیں تو ان کی مالی مدد کریں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 199 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ایک مصیبت کو دور کرے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی سلوک ہوتا ہے جس طرح وہ عمل کرتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر، باب 2 البقرہ، آیت 152

"...پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا"

ایک اور مثال جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو دوسروں پر رحم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر رحم کیا جائے گا۔

پریشانی وہ چیز ہے جو کسی کو پریشانی اور مشکل میں ڈال دیتی ہے۔ لہذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی دوسرے کے لیے ایسی تکلیف کو آسان کرے خواہ دنیوی ہو یا دینی، وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے سختیوں سے محفوظ رہے گا۔ متعدد احادیث میں مختلف طریقوں سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2449 میں موجود حدیث میں یہ نصیحت فرمائی کہ جس نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا اس کو قیامت کے دن جنت کے پھل کھلائے جائیں گے۔ اور جو شخص کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت کا پانی پلائے گا۔

چونکہ آخرت کی مشکلات دنیا میں پائی جانے والی مشکلات سے کہیں زیادہ ہیں یہ ثواب ایک مسلمان کے لیے اس وقت تک روک دیا جاتا ہے جب تک کہ وہ آخرت تک نہ پہنچ جائے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک مسلمان کی مدد کرتا رہے گا جب تک وہ دوسروں کی مدد کرتا رہے گا۔ ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب وہ کسی کام کے لیے کوشش کرتے ہیں یا کسی خاص کام کو مکمل کرنے کے لیے کسی دوسرے کی مدد کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ کامیاب یا ناکامی پر ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کرتا ہے تو اس کا کامیاب نتیجہ یقینی ہوتا ہے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے تمام اچھے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کریں تاکہ انہیں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ - 5

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب ان پر مشکلیں آئیں تو انہوں نے صبر کیا۔ لیکن جب انہیں آسانی کے ساتھ آزمایا گیا تو وہ صبر سے کام لینے میں ضرور ناکام رہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 203 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمان اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرتے ہیں، جیسے کہ نماز باجماعت کے لیے مساجد - لیکن آسانی کے وقت وہ اکثر آرام کرتے مشکل کے وقت مزید روحانی مشقیں کرنا میں جانا یا ہیں اور سست ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ عام طور پر مشکل کے وقت آسانی کے وقت زیادہ چوکس رہنا اور اطاعت میں اضافہ کرنا زیادہ ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر اوقات مشکل سے زیادہ آسانی کے اوقات میں گناہ زیادہ ہوتے ہیں، جیسے اپنے واجبات کو چھوڑ دینا۔ اگر کوئی تاریخ میں مختلف گمراہ لوگوں مثلاً فرعون اور قرون کا جائزہ لے تو معلوم ہوگا کہ ان کے گناہ صرف آسانی کے وقت ہی بڑھتے ہیں۔ جو شخص کسی مشکل کا سامنا کر رہا ہو جہاں وہ پھنس گیا ہو اور اس کے لیے صبر کے ساتھ راحت کا انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو اس کے گناہ کا امکان کم ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی مشکل سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ آرام کے وقت کا تجربہ کرنے والا شخص لطف اندوز ہونے اور دنیاوی چیزوں میں زیادہ مشغول رہنے کے لیے بہتر پوزیشن میں ہو گا جو اکثر گناہوں کا باعث بنتے ہیں۔ مثال کے طور پر، غربت کا سامنا کرنے والے شخص کے گناہ کا امکان کم ہوتا ہے کیونکہ بہت سے گناہوں کے لیے دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ، ایک امیر شخص ان گناہوں کا ارتکاب کرنے کے لیے آسان پوزیشن میں ہوتا ہے، جیسے شراب یا منشیات کی خریداری۔ لہذا مسلمانوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ آسانی کے وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھیں یا اس میں اضافہ کریں تاکہ وہ گناہوں اور نافرمانیوں میں مبتلا نہ ہوں۔

اس کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے، اس کے احکام کو بجا لا کر اور آسانی کے وقت اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے، اسے مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوگی: جو ان پر کامیابی کے ساتھ قابو پانے میں ان کی مدد کرے گی۔ باب 47 محمد، آیت 7

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم "جمائے گا۔"

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ - 6

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اپنے بندوں سے ممتاز نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ انہوں نے ان سے مختلف جسمانی شکل اختیار نہیں کی تھی۔ اس پر امام غزالی کی کتاب احیاء علم الدین 4/157 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ اس کی عاجزی کا مظہر تھا۔ ج 25 الفرقان، آیت 63

اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آسانی سے چلتے ہیں۔“

نہ یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ صرف اور صرف اس اللہ تعالیٰ کے بندوں لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اور جس برائی سے وہ بچ گئے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ جو چیز کسی کی نہیں اس پر فخر کرنا کیا حماقت نہیں؟ بالکل اسی طرح ان سے تعلق نہیں رکھنا مسلمانوں کو یہ جیسے کوئی شخص کسی اسپورٹس کار پر فخر نہیں کرتا جو نہیں سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں کچھ بھی ان کا نہیں ہے۔ یہ رویہ یقینی بناتا ہے کہ انسان ہر وقت عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر مکمل یقین رکھتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے اعمال صالحہ انہیں جنت میں نہیں لے جائیں گے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اس کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہر عمل صالح اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو انجام دینے کے لیے کی رحمت اللہ علم، طاقت، موقع اور الہام عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ عمل کی قبولیت بھی منحصر ہے۔ پر جب کوئی اس کو ذہن میں رکھتا ہے تو یہ انہیں غرور سے بچاتا ہے اور انہیں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عاجز ہونا کمزوری کی علامت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام مسلمانوں کو کمزوری کے بغیر عاجزی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ

والہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ پس حقیقت میں عاجزی دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مخلوق میں سے سب سے زیادہ حلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح طور پر لوگوں کو اس اہم صفت کو اپنانے کا حکم دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ باب 26 اشعرا، آیت 215

"اور اپنے بازو کو نیچے رکھو [یعنی مہربانی کرو [مومنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزانہ زندگی گزاری۔ مثال کے طور پر، اس نے خوشی سے گھر میں گھریلو فرائض انجام دیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ کام صنفی غیر جانبدار ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 538 میں ہوتی ہے۔

عاجزی ایک اندرونی خصوصیت ہے جو باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ چلنے کا طریقہ۔ اس پر ایک اور آیت باب 31 لقمان، آیت 18 میں بحث کی گئی ہے۔

"اور اپنا رخسار لوگوں کی طرف مت پھیرو اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔"

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جنت ان عاجز بندوں کے لیے ہے جن میں غرور کا کوئی نشان نہیں ہے۔ باب 28 القصص، آیت 83

آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے مقرر کیا ہے جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔ اور ”
[بہترین] انجام نیک لوگوں کے لیے ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1998 میں موجود ایک
حدیث کی تصدیق فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔
فخر کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق، پالنے والا اور مالک ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر
ہیں اور جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے مسترد کر دیتا ہے کیونکہ وہ سچائی کو
اس کی تصدیق طرف سے آتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کی قبول کرنا ناپسند کرتے ہیں جب وہ
سنن ابوداؤد نمبر 4092 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ - 7

اپنی خلافت کے دوران، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک بار لوگوں کی حالت کا جائزہ لینے کے لیے شام کا دورہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب وہ جزیرہ نما عرب اور شام کے درمیان سرحد پر پہنچا تو اسے بتایا گیا کہ شام میں طاعون پھیل گیا ہے اور اسے واپس لوٹ جانا چاہیے۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ ان میں سے بعض نے راستے پر قائم رہنے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مشورہ دیا اور بعض نے مدینہ واپس آنے کا مشورہ دیا، کیونکہ احتیاط برتنا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے منافی نہیں ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے واپسی کا فیصلہ کیا اور روانگی سے پہلے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کے کیمپ پر پہنچے اور انہیں خبر دی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا۔ کہ اگر کسی ملک میں طاعون پھیل جائے تو لوگ اس میں داخل نہ ہوں۔ لیکن اگر وہ پہلے سے ہی اندر تھے جب طاعون پھیلی تو انہیں ملک سے باہر نہیں جانا چاہئے۔ صحیح بخاری نمبر 5729 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر توکل، اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے فراہم کیے گئے ذرائع کو استعمال کرنے پر مشتمل ہے، اور پھر اس بات پر پختہ یقین رکھنا کہ صورت حال کا نتیجہ، جسے اللہ تعالیٰ اکیلے چنتا ہے، اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہے۔ لہذا عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے پر مبنی تھا۔

جامع ترمذی نمبر 2344 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر لوگ واقعی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں تو وہ ان کو اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ اپنے گھونسلے صبح بھوکے چھوڑتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر واقعی بھروسہ وہ چیز ہے جو دل میں محسوس ہوتی ہے لیکن اعضاء سے ثابت ہوتی ہے، یعنی جب کوئی اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کو بجا لا کر، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 3

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔“

توکل کا وہ پہلو جو داخلی ہے اس میں پختہ یقین رکھنا شامل ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور دنیاوی اور دینی معاملات میں نقصان دہ چیزوں سے بچا سکتا ہے۔ ایک مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کو دے سکتا ہے، روک سکتا ہے، نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اسباب مہیا کیے ہیں، مثلاً دوا استعمال کرنا چھوڑ دے۔ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں واضح طور پر نکر ہے کہ پرندے اپنے گھونسلے چھوڑ کر رزق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت اور اسباب کو استعمال کرتا ہے تو وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق بلاشبہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ظاہری عنصر ہے۔ یہ بات بہت سی آیات اور احادیث میں واضح ہو چکی ہے۔ باب 4 النساء، آیت 71

“اے ایمان والو احتیاط کرو۔“

درحقیقت ظاہری عمل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی کیفیت ہے۔ ظاہری روایت کو نہیں چھوڑنا چاہیے خواہ وہ باطنی اعتبار کا مالک ہو۔

اعمال اور اللہ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کا استعمال، اس پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے۔ اس سلسلے میں اعمال کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے اطاعت کے وہ اعمال ہیں جن کا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے تاکہ وہ جہنم سے بچ سکیں اور جنت حاصل کر سکیں۔ ان باتوں کو چھوڑ دینا یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا، محض خواہش مندانہ سوچ ہے اور اس لیے قابل ملامت ہے۔

دوسری قسم کے اعمال وہ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں لوگوں کے لیے اس لیے بنائے ہیں کہ وہ اس میں محفوظ رہیں، جیسے کہ بھوک کے وقت کھانا پینا، پیاس لگنے پر پینا اور سرد موسم میں گرم کپڑے پہننا۔ جو شخص ان کو ترک کر کے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے وہ قابل ملامت ہے۔ البتہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص قوت عطا کی ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائے بغیر ان ذرائع سے بچ سکیں۔ مثال کے طور پر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی وقفے کے دنوں کے روزے رکھتے تھے لیکن دوسروں کو اس طرح کرنے سے منع کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بغیر خوراک کی ضرورت کے براہ راست مہیا کیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1922 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھے سیدنا خلیفہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے خلاف نہ ہوں۔ ضرورت سے زیادہ سردی یا گرمی محسوس کرنا۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 117 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص ان ذرائع سے منہ موڑ لے لیکن اسے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے فرائض میں کوتاہی کے بغیر صبر کرنے کی طاقت دی جائے تو یہ قابل قبول ہے۔ دوسری صورت میں یہ قابل الزام ہے

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے سلسلے میں تیسری قسم کے اعمال وہ چیزیں ہیں جو ایک رسم کے طور پر مقرر کی گئی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بعض اوقات بعض لوگوں کے لیے توڑ دیتا ہے۔ اس کی مثال وہ لوگ ہیں جو بغیر دوا کے بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ یہ خاص طور پر غریب ممالک میں

کافی عام ہے جہاں دوائی حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس کا تعلق سنن ابن ماجہ نمبر 2144 میں موجود ایک حدیث سے ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے لیے مختص کیے گئے ہر اونس کو استعمال نہ کر لے جو کہ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث نمبر 6748 کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے۔ لہذا جو شخص اس حدیث کو صحیح معنوں میں سمجھتا ہے وہ شاید یہ جانتے ہوئے بھی رزق تلاش نہ کرے کہ جو کچھ ان کے لیے بہت پہلے مختص کیا گیا تھا وہ ان سے محروم نہیں ہو سکتا۔ پس اس شخص کے لیے رزق حاصل کرنے کا رواج جیسا کہ نوکری کے ذریعے حاصل کرنا اللہ تعالیٰ نے توڑ دیا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ اور نادر درجہ ہے۔ صرف وہی شخص جو اس طرح کا رویہ اختیار کر سکتا ہے بغیر کسی شکایت یا گھبراہٹ کے اور نہ ہی لوگوں سے کسی چیز کی توقع رکھے اگر وہ یہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ غور طلب ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 1692 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ گناہ ہے کہ وہ اپنے کفیلوں کی کفالت میں کوتاہی کرے۔ وہ اس اعلیٰ عہدے پر ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ، تقدیر پر راضی ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جو کچھ بھی منتخب کرتا ہے وہ بغیر شکایت اور تبدیلی کی خواہش کے بغیر قبول کرتا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔
باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے بہتر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کی پیروی کی جائے، حلال ذرائع کے استعمال سے کسی کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اور باطنی اعتبار سے صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کیا گیا ہے۔ عالی مقام، فیصلہ کرے گا، جو بلاشبہ ہر فرد کے لیے بہترین انتخاب ہے چاہے وہ اس کا مشاہدہ کرے یا نہ کرے۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ - 8

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اور ان کے مشورے کی بنیاد پر انہوں نے جن چھ کو نامزد کیا: علی ابن ابو طالب، عثمان ابن عفان، عز زبیر بن عوام، طلحہ ابن عبید اللہ، سعد ابن ابی وقاص۔ اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے ملاقات کی۔ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے دوسروں پر زور دیا کہ وہ حکمرانی کے امیدواروں کو کم کر کے تین کر دیں۔ عز زبیر نے اپنا حق علی رضی اللہ عنہ کے حق میں چھوڑ دیا۔ طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا حق عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں چھوڑ دیا۔ سعد نے اپنا حق عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے حق میں چھوڑ دیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھی کے حق میں اپنا حق چھوڑنے کی تلقین کی۔ وہ دونوں خاموش رہے اور سوچ رہے تھے کہ کیا کریں۔ پھر عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے ان سے دوسروں سے مشورہ کرنے کی اجازت طلب کی تاکہ وہ فیصلہ کر سکیں کہ اگلا خلیفہ کون ہونا چاہیے۔ دونوں نے اس کی تجویز مان لی۔ بالآخر عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کی، اور ان کے بعد سب سے پہلے بیعت کرنے والے علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کے بعد باقی لوگوں نے بھی ان کی بیعت کی۔ صحیح بخاری نمبر 3700 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کے لیے مکمل اخلاص کے ساتھ عمل کیا اور دنیاوی اسباب سے متاثر نہیں ہوئے اور یہ کہ وہ اگلے خلیفہ کے طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوری طرح راضی تھے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البینہ، آیت 5۔

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو " کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 1

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے مشورے سے آپ نے مدینہ کے گرد ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ کھدائی کے دوران مکہ کے مہاجرین، مہاجرین اور مدینہ کے مددگار، انصار رضی اللہ عنہ سب سلمان رضی اللہ عنہ پر جھگڑنے لگے۔ ہر فریق کا دعویٰ تھا کہ وہ ان کا ہے حالانکہ وہ نہ تو مدینہ کا رہنے والا ہے اور نہ ہی مکہ سے ہجرت کرنے والا ہے بلکہ فارس سے آیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلمان رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر کا فرد قرار دے کر اس بحث کو ختم کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 135 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ اعزاز سلمان رضی اللہ عنہ کو ان کی تقویٰ کی وجہ سے عطا کیا گیا کیونکہ وہ کسی بھی طرح خون کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جڑے ہوئے نہیں تھے۔ سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ” پرہیزگار ہے۔“

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

مزید برآں، اگر کسی مسلمان کو اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 2

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ وہ اپنی روزی اپنے ہاتھ سے کمانا پسند کرتے ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ مدائن کے گورنر تھے اور پھر بھی اپنے ہاتھ سے روزی کمانے رہے۔ وہ پتے خریدتا، ان سے ٹوکریاں بناتا اور بازار میں بیچتا۔ وہ اس دولت کو اپنے گھر والوں کی کفالت اور صدقہ دینے کے لیے استعمال کرے گا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیات الاولیاء، نمبر 447 اور امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 210 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2072 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کسی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر چیز نہیں کھائی۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے لیے سستی کا شکار نہ ہوں۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان ایک حلال پیشے سے منہ موڑ لیتے ہیں، سماجی فوائد حاصل کرتے ہیں اور مساجد میں آباد ہوتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے، ان کے رزق کے لیے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل بھروسہ نہیں ہے۔ یہ صرف سستی ہے جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ دولت حاصل کرنے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو اس کی جسمانی طاقت جیسے ذرائع کا استعمال کیا تاکہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق حلال مال حاصل کر سکیں اور پھر اللہ پر بھروسہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان ذرائع سے انہیں حلال مال مہیا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے ذرائع کو استعمال کرنے سے دستبردار ہو جائے کیونکہ اس سے وہ بے کار ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فضول چیزوں کو پیدا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی کو مشکوک یا ناجائز ذرائع سے مال کمانے سے روکا جائے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ان کے رزق پر پختہ یقین رکھنا چاہیے جس میں دولت بھی شامل ہے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ان کے لیے مختص کی گئی تھی۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ تقسیم کسی بھی حالت میں نہیں ہو سکتی۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے جو کہ انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2072 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کو استعمال کرنا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے

کا ایک پہلو ہے، کیونکہ اس نے انہیں اسی مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ لہذا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے سستی نہیں کرنی چاہیے جب کہ ان کے پاس اپنی کوششوں سے حلال مال کمانے کے ذرائع ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے فراہم کیے گئے ذرائع ہوں۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 3

سلمان رضی اللہ عنہ نے ایک بار تبصرہ کیا کہ دنیا مسلمانوں کے لیے کھول دی گئی ہے اور یہ ان کے لیے برا ہے۔ جبکہ دنیا کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دور رکھا گیا اور یہی ان کے لیے اچھا تھا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 293 میں بحث کی گئی ہے۔

جتنا زیادہ دنیاوی آسانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اتنا ہی زیادہ امکان ہے کہ وہ مادی دنیا کی آسائشوں میں کھو جائے گا۔

مسلمان اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرتے ہیں، جیسے کہ نماز باجماعت کے لیے مساجد - لیکن آسانی کے وقت وہ اکثر آرام کرتے مشکل کے وقت مزید روحانی مشقیں کرنا میں جانا یا ہیں اور سست ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ عام طور پر مشکل کے وقت آسانی کے وقت زیادہ چوکس رہنا اور اطاعت میں اضافہ کرنا زیادہ ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر اوقات مشکل سے زیادہ آسانی کے اوقات میں گناہ زیادہ ہوتے ہیں، جیسے اپنے واجبات کو چھوڑ دینا۔ اگر کوئی تاریخ میں مختلف گمراہ لوگوں مثلاً فرعون اور قرون کا جائزہ لے تو معلوم ہوگا کہ ان کے گناہ صرف آسانی کے وقت ہی بڑھتے ہیں۔ جو شخص کسی مشکل کا سامنا کر رہا ہو جہاں وہ پھنس گیا ہو اور اس کے لیے صبر کے ساتھ راحت کا انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو اس کے گناہ کا امکان کم ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی مشکل سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ آرام کے وقت کا تجربہ کرنے والا شخص لطف اندوز ہونے اور دنیاوی چیزوں میں زیادہ مشغول رہنے کے لیے بہتر پوزیشن میں ہو گا جو اکثر گناہوں کا باعث بنتے ہیں۔ مثال کے طور پر، غربت کا سامنا کرنے والے شخص کے گناہ کا امکان کم ہوتا ہے کیونکہ بہت سے گناہوں کے لیے دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ، ایک امیر شخص ان گناہوں کا ارتکاب کرنے کے لیے آسان پوزیشن میں ہوتا ہے، جیسے شراب یا منشیات کی خریداری۔ لہذا مسلمانوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ آسانی کے وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھیں یا اس میں اضافہ کریں تاکہ وہ گناہوں اور نافرمانیوں میں مبتلا نہ ہوں۔

اس کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے، اس کے احکام کو بجا لا کر اور آسانی کے وقت اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے، اسے مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوگی: جو ان پر کامیابی کے ساتھ قابو پانے میں ان کی مدد کرے گی۔ باب 47 محمد، آیت 7

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم "جمائے گا۔"

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 4

جب سلمان رضی اللہ عنہ مدائن کے گورنر تھے تو ایک تاجر شہر میں داخل ہوا اور اسے پہچاننے میں ناکام رہا کیونکہ وہ سادہ لباس میں تھا۔ سوداگر نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنا سامان اس کے گھر لے جانے میں مدد کرے کیونکہ سلمان رضی اللہ عنہ ایک عام مزدور تھے۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی مدد کی اور جب لوگوں نے سوداگر کو بتایا کہ وہ گورنر ہے تو سوداگر نے معذرت کر لی لیکن سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنی نیکی پوری کرنے پر اصرار کیا اور سامان لے جانے لگا۔ تاجر کا گھر اس پر امام محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 580 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ سلمان رضی اللہ عنہ کی بڑی عاجزی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

یہ باب 25 الفرقان آیت 63 سے مربوط ہے

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آسانی سے چلتے ہیں۔“

نہ یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے بندوں اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اور جس برائی سے وہ بچ گئے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ جو چیز کسی کی نہیں اس پر فخر کرنا کیا حماقت نہیں؟ بالکل ان سے تعلق نہیں رکھتا اسی طرح جیسے کوئی شخص کسی اسپورٹس کار پر فخر نہیں کرتا جو مسلمانوں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں کچھ بھی ان کا نہیں ہے۔ یہ رویہ یقینی بناتا ہے کہ انسان ہر وقت عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر مکمل یقین رکھتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے اعمال صالحہ انہیں جنت میں نہیں لے جائیں گے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی

رحمت ہی اس کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہر عمل صالح اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو انجام دینے کے لیے علم، طاقت، موقع اور الہام عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ عمل کی قبولیت پر۔ جب کوئی اس کو ذہن میں رکھتا ہے تو یہ انہیں غرور سے کی رحمت اللہ بھی منحصر ہے۔ بچاتا ہے اور انہیں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عاجز ہونا کمزوری کی علامت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام مسلمانوں کو کمزوری کے بغیر عاجزی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ پس حقیقت میں عاجزی دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مخلوق میں سے سب سے زیادہ حلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح طور پر لوگوں کو اس اہم صفت کو اپنانے کا حکم دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ باب 26 اشعرا، آیت 215

اور اپنے بازو کو نیچے رکھو [یعنی مہربانی کرو] مومنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزانہ زندگی گزاری۔ مثال کے طور پر، اس نے خوشی سے گھر میں گھریلو فرائض انجام دیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ کام صنفی غیر جانبدار ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 538 میں ہوتی ہے۔

عاجزی ایک اندرونی خصوصیت ہے جو باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ چلنے کا طریقہ۔ اس پر ایک اور آیت باب 31 لقمان، آیت 18 میں بحث کی گئی ہے۔

"اور اپنا رخسار لوگوں کی طرف مت پھیرو اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔"

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جنت ان عاجز بندوں کے لیے ہے جن میں غرور کا کوئی نشان
نہیں ہے۔ باب 28 القصص، آیت 83

آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے مقرر کیا ہے جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔”
“اور [بہترین] انجام نیک لوگوں کے لیے ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1998 میں موجود ایک
حدیث کی تصدیق فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں
ہو گا۔ فخر کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق، پالنے والا اور
مالک ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے
برتر ہیں اور جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے مسترد کر دیتا ہے کیونکہ وہ
اس طرف سے آتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کی قبول کرنا ناپسند کرتے ہیں جب وہ سچائی کو
کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4092 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 5

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار فرمایا کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ علم کا ایک لازوال سمندر تھے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 426 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 219 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن پاک کی ایک آیت سیکھنا 100 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اسلامی علم کے کسی موضوع کو سیکھنا چاہے اس پر عمل نہ بھی کرے، 1000 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

کسی آیت کو سیکھنے میں مطالعہ کرنا اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کرنا شامل ہے۔ اور یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو یہ اجر تبھی ملے گا جب وہ اپنے سیکھے ہوئے علم کے موضوع پر خلوص نیت سے عمل کرنے کی کوشش کرے گا اور موقع ملنے پر اسے عملی طور پر نافذ کرے گا۔ صرف اس صورت میں جب کسی کو اپنے اسلامی علم کے موضوع پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملے گا تو وہ 1000 رکعت نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرے گا چاہے وہ اس پر عمل ہی کیوں نہ کرے۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی نیت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور جزا دیتا ہے اور اس لیے موقع ملنے پر صدق دل سے عمل کرنے والوں کو اجر عطا کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

آخر میں، جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا رضاکارانہ عبادت سے بہت افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثریت عربی زبان نہیں سمجھتی اور اس لیے ان کے طرز عمل اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو مثبت انداز میں تبدیل کرنے کا امکان کم ہے کیونکہ وہ اس زبان کو نہیں سمجھتے جو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ، علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا کسی کو بہتر کے لیے تبدیل کرنے کی ترغیب

دینے کا زیادہ امکان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ مسلمان کئی دہائیاں رضاکارانہ عبادت میں گزارتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ یا لوگوں کے ساتھ اپنے رویے میں ذرا بھی بہتری نہیں لاتے۔ اب تک یہ عمل کا بہترین طریقہ نہیں ہے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 6

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ابو درداء رضی اللہ عنہ کو نصیحت کی کہ ان پر ان کے رب کا حق ہے، ان کے گھر والوں کا ان پر اور ان کے جسم کے حقوق ان پر ہیں۔ اس نے اسے مشورہ دیا کہ ان میں سے ہر ایک کو اس کا حق دیا جائے۔ جب ابو درداء رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پیش آنے والی بات کا ذکر کیا تو بعد میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے وہی بات دہرائی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 428 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7129 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دینی مسائل پر گفتگو کرتے وقت صحیح وقت کا انتخاب کرتے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں چاہتے تھے۔ زیادہ بوجھ یا ان کو برداشت کرنا۔

اگرچہ ایک مسلمان کے پاس اس کے سوا کوئی عذر نہیں ہے کہ وہ اپنے فرض کو پورا کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ روایات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے، ہر مسلمان کو اپنی ذہنی اور جسمانی طاقت کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ اور دوسروں کے ساتھ ان کی ذہنی اور جسمانی طاقت کے مطابق سلوک کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ خود بھی تنگ نہ ہوں اور نہ ہی دوسروں کو اسلام سے تنگ کریں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر شخص کو منفرد طور پر تخلیق کیا گیا ہے اور اسے مختلف نعمتیں اور تحفے دیئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، کچھ لوگوں میں زیادہ رضاکارانہ روزے رکھنے کی طاقت ہوتی ہے جبکہ دوسروں میں نہیں۔ کچھ کے پاس دماغی طاقت ہوتی ہے کہ وہ دن بھر قرآن پاک اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ میں گزار سکیں، جب کہ دوسروں کے پاس نہیں۔ کچھ لوگ خوشی سے سارا دن دوسروں کے ساتھ مذہبی مسائل پر گفتگو کر سکتے ہیں جبکہ دوسروں کے پاس ایسا کرنے کی توجہ یا ذہنی طاقت نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو

لوگ ان کاموں کی طاقت نہیں رکھتے وہ برے مسلمان ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کی صلاحیت، طاقت، نیت اور اس کے اعمال کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ اس بحث کا مطلب یہ ہے کہ جب رضاکارانہ مذہبی معاملات پر جدوجہد کرنے کی بات ہو تو مسلمانوں کو اپنے آپ یا دوسروں پر زیادہ سخت نہیں ہونا چاہیے۔ ایک مسلمان کو تھوڑا تھوڑا بہتر کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ تنگ نہ ہوں اور مکمل طور پر ہار نہ مانیں۔ اگر کسی مسلمان کو رضاکارانہ دینی معاملات میں کوشش کرنے کی طاقت دی گئی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں، جیسا کہ اس نے انہیں عطا کیا ہے۔ اس کو سمجھنا غرور کے مہلک گناہ کو روک دے گا جس کی ایک ایٹم کی قیمت کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 7

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ علم ایک سمندر کی طرح ہے اور اس دنیا میں انسان کی عمر اتنی کم ہے کہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے علم میں سے حصہ حاصل کرنا چاہیے جو مفید ہو اور باقی چھوڑ دو۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 430 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ان کا دنیاوی علم خواہ ان کے پاس کتنا ہی کیوں نہ ہو ان کی دینی زندگی میں کامیابی کے لیے کافی نہیں ہے۔ اگرچہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق مفید دنیوی علم حاصل کرنا قابل تعریف ہے کیونکہ یہ اپنے اور اپنے زیر کفالت افراد کے لیے حلال رزق حاصل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے، لیکن یہ ان کی مذہبی زندگی میں محفوظ طریقے سے رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، زیادہ تر معاملات میں، دنیاوی علم کسی کو یہ نہیں سکھائے گا کہ کس طرح کسی مشکل یا امتحان میں محفوظ طریقے سے اس طریقے سے سفر کیا جائے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اجر حاصل کر سکے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واجب فرائض اور روایات پر کوئی ایسا مسلمان عمل نہیں کر سکتا جس کے پاس صرف دنیاوی علم ہو۔ درحقیقت دینی علم دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرنے کی طاقت رکھتا ہے جبکہ دنیاوی علم صرف اس دنیا میں کسی کی مدد کرے گا۔ دینی علم رکھنے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہے گا جس کے نتیجے میں ایسی برکتیں اور فضل ہوں گے کہ وہ دونوں جہانوں میں کامیابی پائے گا۔ جبکہ دنیوی علم انسان کو ہدایت پر عمل کرنے کے بجائے دین میں اپنا راستہ نکالنے کی ترغیب دے گا، یعنی نیک پیشروؤں کی تعلیمات کے مطابق۔ مذہب اپنا راستہ خود بنانا نہیں ہے بلکہ صرف اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔

بدقسمتی سے دنیاوی علم رکھنے والے بہت سے مسلمان اس اہم نکتے کو نہیں سمجھتے جس کی وجہ سے ان کے دونوں جہانوں میں کامیابی کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اگر وہ دونوں جہانوں میں کامیابی چاہتے ہیں تو دینی اور مفید دنیوی علم حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ یہی وجہ ہے کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث کے مطابق مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 8

سلمان الفارسی رحمہ اللہ نے ایک بار کہا تھا کہ کسی کو کوشش کرنی چاہیے کہ دوسرے لوگوں کی کارکردگی کی گہری چھان بین میں نہ پڑے۔ اس کے بجائے، انہیں اپنے مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے، ثابت قدم رہنا چاہئے اور ثابت قدم رہنا چاہئے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 432 میں بحث کی گئی ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ مسلمانوں نے ایک کمزور خصوصیت اختیار کر لی ہے جو انہیں بہتر کرنے میں صرف رکاوٹ ہے۔ یعنی وہ اپنے حالات اور حالات کا موازنہ دوسروں سے کرتے ہیں جو آسان حالات کا سامنا کر رہے ہیں اور اس کو بہانے کے طور پر استعمال کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہ کریں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کر کے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو کل وقتی کام کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنی کوشش کی کمی کا عذر کرتا ہے، اپنا موازنہ کسی ایسے شخص سے کرتا ہے جو پارٹ ٹائم کام کرتا ہے اور محض یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرنا آسان ہے۔ کیونکہ ان کے پاس زیادہ فارغ وقت ہے۔ یا ایک غریب مسلمان زیادہ مال رکھنے والوں کو دیکھ کر اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مالدار ان سے زیادہ آسانی سے صدقہ دے سکتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ یہ بہانے ان کی روح کو بہتر محسوس کر سکتے ہیں لیکن یہ ان کی دنیا یا آخرت میں مدد نہیں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ دوسروں کے وسیلہ کے مطابق عمل کریں وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنے اسباب کے مطابق اس کی اطاعت پر عمل کریں۔ مثال کے طور پر جو شخص کل وقتی کام کرتا ہے وہ اپنے پاس جو بھی فارغ وقت رکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے وقف کر سکتا ہے، خواہ وہ جز وقتی کام کرنے والے سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ اس سلسلے میں پارٹ ٹائم جو کچھ کرتا ہے اس کا کل وقتی کام کرنے والے پر کوئی اثر نہیں ہوتا اس لیے انہیں زیادہ محنت نہ کرنے کے بہانے کے طور پر استعمال کرنا محض ایک لنگڑا بہانہ ہے۔ غریب مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق صدقہ دے خواہ وہ مالدار سے کم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا اور دوسرے مسلمانوں کے اعمال کے مطابق ان کا فیصلہ نہیں کرے گا۔

مسلمانوں کو ان فضول عذروں کو ترک کر دینا چاہیے اور بس اپنے اپنے ذرائع کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 9

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ قیامت کے دن تاریکی ان اعمال کی نمائندگی کرے گی جو لوگ اس دنیا میں ایک دوسرے کے خلاف ناحق کرتے ہیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 454 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دیوالیہ مسلمان وہ ہے جو بہت سے اعمال صالحہ جمع کرتا ہے جیسے کہ روزہ اور نماز، لیکن وہ لوگوں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ اعمال ان کے مظلوموں کو دیئے جائیں گے اور اگر ضروری ہوا تو ان کے شکار کے گناہ انہیں قیامت کے دن دیئے جائیں گے۔ یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا باعث بنے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایمان کے دو پہلوؤں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض ہیں جیسے فرض نماز۔ دوسرا پہلو لوگوں کے حوالے سے ہے جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جسمانی اور زبانی نقصان کو زندگی سے دور نہ رکھے۔ دوسروں کے مال

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ لامحدود معاف کرنے والا ہے، وہ ان لوگوں کو معاف کر دے گا جو اس سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ لیکن وہ ان گناہوں کو معاف نہیں کرے گا جن میں دوسرے لوگ شامل ہوتے ہیں جب تک کہ شکار پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے معاف کرنے والے نہیں ہیں ایک مسلمان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ جن پر انہوں نے ظلم کیا ہے وہ قیامت کے دن ان کی قیمتی نیکیاں چھین کر ان سے بدلہ لیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پورا کرتا ہے، تب بھی وہ جہنم میں صرف اس لیے جا سکتا ہے کہ اس

نے دوسروں پر ظلم کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنے فرائض کے دونوں پہلوؤں کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 10

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ وہ ایسے شخص پر ہنستے تھے جو غافل اور بے خبر تھا جبکہ اللہ تعالیٰ ان سے غافل نہیں تھا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 478 میں بحث کی گئی ہے۔

کوئی بھی چیز خواہ اس کی جسامت اور محل وقوع سے قطع نظر اللہ تعالیٰ کی نظر اور سماعت کی دسترس سے باہر نہیں ہے۔

جو مسلمان اس اسم الہی کو سمجھے گا وہ اپنے افعال اور گفتار میں انتہائی محتاط ہوگا۔ اسی طرح جب کوئی شخص اپنے اعمال پر چوکنا ہو جاتا ہے جب وہ سماعت میں ہوتے ہیں اور کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جس کا وہ احترام کرتے ہیں یا ان سے ڈرتے ہیں کہ ایک سچا مسلمان ان کے طرز عمل پر چوکنا ہو جائے گا یہ جانتے ہوئے کہ کوئی قول یا عمل اللہ تعالیٰ سے بچ نہیں سکتا۔ درحقیقت اس طریقے پر عمل کرنا ہی ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے جسے صحیح مسلم کی حدیث نمبر 99 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ اگر کوئی اس طرز عمل پر ثابت قدم رہے تو وہ آخرکار وہ ایمان کی فضیلت کو پہنچ جائیں گے جس کے ذریعے وہ نماز جیسے اعمال انجام دیتے ہیں، گویا وہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں، اپنے باطن اور ظاہر کو مسلسل دیکھتے رہتے ہیں۔ یہ رویہ گناہوں کو روکے گا اور خلوص نیت سے اعمال صالحہ کرنے کی ترغیب دے گا۔

اس کے علاوہ، یہ الہی نام مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ جب بھی انہیں کسی مشکل کا سامنا ہو تو کبھی امید کا دامن نہ چھوڑیں اور اس طرح یقین کریں کہ کوئی بھی ان کے بارے میں آگاہ نہیں ہے اور نہ ہی ان کی پرواہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بلاشبہ ان کی تکلیف کو سنتا اور دیکھتا: باب 40 غافر، آیت 60 جواب دیتا ہے جو اس کے بندے کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ ہے اور اس وقت

اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان دونوں حواس کو استعمال کرتے ہوئے اس اسم الہی پر عمل کرنا چاہیے۔ یعنی حرام اور لغو باتوں کو نہیں دیکھنا چاہیے اور نہ ہی حرام اور لغو باتوں کو سننا چاہیے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال کرنا چاہیے۔ فضول چیزوں سے بچنا ضروری ہے کیونکہ وہ اکثر حرام کی طرف پہلا قدم ہوتے ہیں۔ یہ صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود حدیث پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ جب کوئی فرد فرائض کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رضاکارانہ طور پر نیک کاموں میں کوشش کرتا ہے۔ اعلیٰ، وہ ان کے حواس جیسے کہ ان کی بصارت اور سماعت کو طاقت دیتا ہے تاکہ وہ ان کو صرف اس کی خواہش اور رضا کے مطابق استعمال کریں۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 11

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب کسی شخص کو آسانی کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی عادت ہوتی ہے اور پھر وہ مشکلات میں مبتلا ہو کر دعا کرتا ہے تو فرشتے اس کی آواز کو پہچانتے ہیں اور شفاعت کرتے ہیں۔ ان کی طرف سے لیکن جب کوئی شخص آسانی کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا اور پھر مشکل کے وقت دعا کرتا ہے تو فرشتے اس کی آواز نہیں پہچانتے اور نہ ہی ان کی شفاعت کرتے ہیں۔ اس پر ابن الجوزی کی سیفۃ الصفوة 1/281 میں بحث ہوئی ہے۔

مسند احمد نمبر 2803 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو آسانی کے وقت سچے دل سے یاد کرتا ہے اسے مشکل کے وقت اس کی نصرت اور مدد حاصل ہوتی ہے۔ اس جواب کی طرف اشارہ الہی حدیث میں ہے جو پہلے زیر بحث ہے جو کہ صحیح بخاری، نمبر 6502 میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا رہتا ہے تو وہ اس کے بدلے میں اس کے جسم کو صرف اس کی اطاعت کرنے کی طاقت دیتا ہے۔ اس باختیاریت کا ایک حصہ جب کسی کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو صبر اور مدد فراہم کی جاتی ہے۔

اس نصیحت پر عمل کرنا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر توکل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں گے، ان کی مدد کریں گے، تمام مشکلات سے نجات دیں گے اور ان کی دعاؤں کا جواب بھی دیں گے۔ یہ بھروسا انسان کی کوششوں اور منصوبہ بندی کے بجائے اللہ تعالیٰ کے فرمان پر بھروسہ کرنے میں مدد کرتا ہے۔ وہ اللہ پر سچے یقین کریں گے جو ان کے لیے بہترین فیصلہ کرتا ہے اور انہیں تمام مشکلات سے نکلنے کا راستہ دے گا۔ باب 65 میں: طلاق، آیت 2

”اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا“

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جواب کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آسانی کے وقت اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے اور اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے خلوص اطاعت کے ذریعے اسے یاد کرے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 3382 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ اگر کوئی مشکل اور غم کے وقت اللہ 3382 تعالیٰ کی مدد چاہتا ہے۔ آسانی کے وقت اللہ تعالیٰ سے مسلسل دعائیں مانگیں۔ قرآن پاک اس حقیقت کی طرف باب 37 الصفات، آیات 143 اور 144 میں کرتا ہے

اور اگر وہ اللہ کی تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا۔ وہ اس کے پیٹ میں اس دن تک رہے گا " جب تک وہ دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے۔

یہ وہ وقت ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو وہیل مچھلی نے نکلنے کے بعد بچا لیا۔ اس کی پیشگی اطاعت اللہ تعالیٰ کی طرف لے گئی، اس نے اسے حفاظت اور اس کی مشکل سے نکلنے کا راستہ دیا۔

اس کے برعکس آسانی کے وقت اللہ تعالیٰ کی یاد اور اطاعت سے غافل رہنا اور مشکل کے وقت صرف اس کا ذکر کرنا بہت کم یا کوئی مثبت اثر نہیں رکھتا۔ مثال کے طور پر فرعون کو اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، جب کہ وہ سرکش کی زندگی گزارنے کے بعد موت کے گھاٹ اترا ہوا تھا، اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ باب 10 یونس، آیت 91

ابھی؟ اور تم نے پہلے اس کی نافرمانی کی تھی اور فساد کرنے والوں میں سے تھے؟"

اس دنیا میں سب سے بڑی مشکل موت ہے۔ پس امید ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ آسانی کے وقت موت کے وقت اس کی طرف سے نجات پائے گا تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے چلے جائیں۔ باب 14 ابراہیم، آیت 27

"اللہ ایمان والوں کو کلمہ طیبہ کے ساتھ دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔"

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہوئے اور خلوص کے ساتھ ان کی اطاعت کرے، تاکہ وہ مشکل کے وقت ان کو نجات دے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 12

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ خاموشی فکر کے لیے ہونی چاہیے۔ اس پر ابن عبد ربیع، العقد الفرید ، 3/110 میں بحث ہوئی ہے ۔

محض عبادت کرنے سے کسی کو ایمان کے اعلیٰ درجات تک نہیں پہنچایا جا سکتا۔ مسلمان اپنے باطن کو پاک کر کے ہی اس منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ ان کے پاس موجود منفی خصوصیات کو ہٹا کر اور ان کی جگہ اچھی خصوصیات لے کر حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ صرف سنجیدہ عکاسی اور خود تشخیص کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔

جب کوئی اپنی حقیقت کو پہچانتا ہے تو یہ انہیں ایک خادم کی طرح زندگی گزارنے اور اپنی تخلیق کا مقصد پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کو اپنے رب کے طور پر پہچاننے کی طرف لے جائے گا، جو کہ حتمی مقصد ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56

”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔“

اپنے کردار اور روح کو بری خصوصیات سے پاک کرنے کے لیے ضروری اقدامات کرنے کے لیے یہ خود تشخیص ضروری ہے جو دونوں جہانوں میں کامیابی کا راستہ ہے۔ کچھ لوگ مادی دنیا میں اس قدر کھو جاتے ہیں کہ وہ کبھی بھی اس اہم کام کو انجام نہیں دیتے اور اس لیے دبائیاں گزر جاتی ہیں ان میں ایک بھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کو کمزوری کے آخری مرحلے تک پہنچنے سے پہلے خود اندازہ لگانے اور بہتر سے بہتر تبدیلی کے لیے جو وقت دیا گیا ہے اسے استعمال کرنا چاہیے۔ اس وقت وہ تبدیلی کی خواہش کریں گے لیکن وہ ایسا کرنے کی ذہانت یا طاقت کے مالک نہیں ہوں گے۔ صحیح بخاری نمبر 6412 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹنے کی ضرورت ہے کہ ان لوگوں کا مشاہدہ کیا جائے جنہیں بڑی طاقت اور دولت سے نوازا گیا تھا لیکن آخر کار ایک وقت ایسا آیا کہ ان کی طاقت ختم ہو گئی اور ان کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے وہ تباہ ہو گئے۔

جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنی طاقت کے لمحات کو صحیح طریقے سے استعمال کیا، اللہ تعالیٰ انہیں اس طرح نوازے گا کہ اس دنیا سے جانے کے بعد بھی معاشرے میں ان کی عزت ہوگی۔

چونکہ مسلمانوں کی اکثریت عربی زبان کو نہیں سمجھتی بہت زیادہ عبادت اس اندرونی تطہیر کو متحرک نہیں کرے گی۔ انسان اس مادی دنیا، موت، قبر اور جہنم پر غور کرنے سے ہی اس تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کی وجہ سے غور و فکر کا ایک لمحہ ساٹھ سال کی رضاکارانہ عبادت سے بہتر ہو سکتا ہے۔

جو لوگ عقل یا غور و فکر کے بغیر رہتے ہیں وہ عادتاً ایسی غلطیاں کرتے ہیں جو صرف مسلسل تناؤ کا باعث بنتی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر کسی مقصد کے زندگی گزارتے ہیں اور ان کے حقیقی مقصد کو سمجھے بغیر ہر دن گزرتے ہیں۔

متقی لوگ ہمیشہ اپنے دن میں سے وقت نکال کر اپنے مقاصد پر غور کرتے ہیں کہ انہوں نے کون سے اعمال انجام دیے ہیں اور کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا ہے یا نہیں۔ یہ ذہنیت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ انسان گناہوں سے بچتا ہے، اعمال صالحہ انجام دیتا ہے اور اگر گناہ سرزد ہو جائیں تو سچے دل سے توبہ کرے۔ یہ ذہنیت اسلام کے دوسرے صحیح ہدایت یافتہ خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دیے گئے مشورے کے مطابق ہے جو کہ امام اصفہانی کی کتاب ہلیات الاولیاء نمبر 98 میں درج ہے۔ ان کا فیصلہ کوئی اور کرے گا یعنی اللہ تعالیٰ، قیامت کے دن۔

یہ خود تشخیص کلید ہے جو کسی کو خلوص دل سے توبہ کرنے اور بہتر کے لیے تبدیل کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ یہ اس مرحلے کے مقابلے میں بہترین مرحلہ ہے جہاں کسی کو اپنی غلطیوں کا تب ہی احساس ہوتا ہے جب کوئی دوسرا اس کی نشاندہی کرتا ہے۔ لیکن اس مرحلے میں بھی اچھے دوست اور رشتہ داروں کی ضرورت ہوتی ہے جو صرف مادی دنیا کے بارے میں فکر مند ہونے کے بجائے اپنی ابدی فلاح و بہبود کے لئے عقلمند اور مخلصانہ فکر مند ہوں۔ واقعی ایک خوش نصیب مسلمان وہ ہے جس کے پاس اس قسم کے رشتہ دار اور دوست ہوں جو انہیں تقویٰ اختیار کرنے میں مدد دیں۔

کسی دن کے آغاز پر غور کرنے سے یہ بھی یقینی ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے روزمرہ کے کاموں کو ترجیح دیتا ہے اور ان کاموں سے گریز کر کے وقت بچاتا ہے جن میں تاخیر ہونی چاہیے۔

درج ذیل آیت میں کامیاب مسلمانوں کی حالت بیان کی گئی ہے۔ وہ اسلام کی تعلیمات پر غور و فکر کرتے ہیں اور ان سے بہت متاثر ہوتے ہیں اور انہیں اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کوئی اس طرح متاثر ہوتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور غرور کے آثار نہیں دکھانا چاہیے۔ لیکن اگر کوئی اس طرح متاثر نہیں ہوتا ہے تو اسے توبہ کرنی چاہیے اور اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے بدل جائے۔ باب 5 المائدہ، آیت 83

اور جب وہ سنتے ہیں جو رسول پر وحی کی گئی ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں اس وجہ ” سے آنسوؤں سے بہ جاتی ہیں کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔

خود غور و فکر کی کمی نے مسلمانوں کو مادی دنیا میں کھو دیا ہے حالانکہ اسلامی علم پہلے سے کہیں زیادہ آسانی سے دستیاب ہے۔ رضاکارانہ عبادت صرف ایک ہی دور لے جائے گی لیکن ایمان کی بلندی تک پہنچنے کے لیے انہیں اپنے کردار پر غور و فکر اور جائزہ لینا چاہیے۔ اس

سے وہ اپنی برائی خصلتوں کو ترک کرنے اور ان کی جگہ اچھی چیزوں کو لے جانے کی ترغیب دے گا۔ اس خود تشخیص اور غور و فکر کو تحریک دینے کے لیے جس اہم جز کی ضرورت ہے وہ اسلامی علم ہے جو کسی معتبر ذریعہ سے حاصل کیا جانا چاہیے۔ یہ ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ اس قسم کا علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 13

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک بار فرمایا کہ مسجد کو اپنا گھر بنانا چاہیے۔ اس پر ابن عبد ربیع، العقد الفرید، 3/110 میں بحث ہوئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 1528 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ جانے سے منع نہیں کرتا۔ اور نہ ہی یہ انہیں ہمیشہ مساجد میں رہنے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ باجماعت نمازوں کے لیے مساجد میں جانے اور مذہبی اجتماعات میں شرکت کو غیر ضروری طور پر بازاروں میں جانے سے زیادہ ترجیح دیں۔

جب ضرورت پیش آئے تو دوسری جگہوں مثلاً شاپنگ سینٹرز میں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن مسلمان کو چاہیے کہ وہ بلا ضرورت وہاں جانے سے گریز کرے کیونکہ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ جبکہ مساجد سے مراد گناہوں سے پناہ گاہ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے ایک آرام دہ جگہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ جس طرح ایک طالب علم لائبریری سے استفادہ کرتا ہے جیسا کہ یہ مطالعہ کے لیے ایک ماحول ہے، اسی طرح مسلمان بھی مساجد سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں کیونکہ ان کا مقصد مسلمانوں کو مفید علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر سکیں۔

ایک مسلمان کو نہ صرف مساجد کو دوسری جگہوں پر ترجیح دینی چاہیے بلکہ انہیں دوسروں جیسے کہ اپنے بچوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔ درحقیقت یہ نوجوانوں کے لیے گناہوں، جرائم اور بری صحبت سے بچنے کے لیے بہترین جگہ ہے جس سے دونوں جہانوں میں مصیبت اور پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 14

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ لوگوں کو نصیحت کی کہ وہ اپنے اعمال میں اعتدال اور تسلسل کی پابندی کریں اور اس کے نتیجے میں وہ جیتنے والا گھوڑا ہوگا۔ اس پر ابن عبد ربیع، العقد الفرید، 2/199 میں بحث ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6464 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اعمال صحیح، خلوص اور اعتدال کے ساتھ کئے جائیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ انسان کے اعمال اسے جنت میں نہیں لے جائیں گے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اعمال وہ ہیں جو باقاعدگی سے ہوں خواہ وہ کم ہوں۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ صحیح معنوں میں اعمال کو انجام دیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق، کیونکہ اس ہدایت کے بغیر اعمال انجام دینے سے اللہ تعالیٰ کی رضا سے دور ہو جائے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ” تمہارے گناہ بخش دے گا۔“

اس کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنا چاہیے، نہ کہ کسی اور وجہ سے، جیسے دکھاوے کے لیے۔ ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا، جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اوپر زیادہ بوجھ ڈالے بغیر اعتدال کے ساتھ رضاکارانہ نیک اعمال انجام دیں کیونکہ یہ اکثر ترک کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اس کے بجائے، انہیں اپنی استطاعت اور اسباب کے مطابق باقاعدگی سے عمل کرنا چاہیے، خواہ یہ اعمال سائز اور تعداد میں کم ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ یہ ان بڑے اعمال سے کہیں زیادہ برتر ہے جو ایک بار انجام دیے جاتے ہیں۔

آخر میں، ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ان کے اعمال صالحہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہیں، کیونکہ انہیں انجام دینے کا الہام، علم، طاقت اور موقع اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ لہذا مسلمان صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی جنت میں داخل ہوں گے۔ اس حقیقت کو سمجھنا غرور کی مہلک خصوصیت کو روکتا ہے۔ ایک ایٹم کی قیمت کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 266 میں موجود حدیث میں اس کی تئیبہ کی گئی ہے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 15

بستر مرگ پر، سلمان رضی اللہ عنہ رو پڑے اور تبصرہ کیا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات کو پورا کرنے میں ناکام رہے، جنہوں نے ان سے فرمایا تھا کہ اس دنیا سے صرف اسی طرح کا رزق لے لو۔ ایک سوار مختصر سفر کے لیے کیا لیتا ہے۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے اس طرح کا برتاؤ کیا حالانکہ وہ انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور ان کے پاس صرف برتن، پلیٹ اور جگ جیسی ضرورت کی چیزیں تھیں۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 293-294 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2377 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ وہ اس مادی دنیا کی زیادتی کی فکر نہیں کرتے اور اس دنیا میں اس کی مثال ایک سوار کی ہے ایک درخت کے سائے میں مختصر آرام کرتا ہے اور پھر آگے بڑھ کر اسے پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔

درحقیقت ہر شخص ایک مسافر ہے جو اس دنیا میں بہت ہی محدود مدت کے لیے ٹھہرتا ہے اس کے مقابلے میں جہاں سے وہ معنویت، روحوں کی دنیا اور جس طرف جا رہا ہے وہ ابدی آخرت ہے۔ درحقیقت اس کے مقابلے میں یہ دنیا بس اسٹاپ پر انتظار کرنے کی طرح ہے۔ اس حدیث میں اس دنیا کو سایہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سایہ زیادہ دیر تک نہیں رہتا اور لوگوں کے نوٹس لینے کے بغیر جلدی ختم ہو جاتا ہے جس طرح انسان کے دن اور راتیں گزر جاتی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسافر سرائے یا ہوٹل کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ ٹھوس ڈھانچے ہیں جو مستقل ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ایک دھندلا سایہ اس مادی دنیا کو بہتر طور پر بیان کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص چاہے کتنا ہی بوڑھا کیوں نہ ہو وہ ہمیشہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی زندگی ایک لمحے کی طرح چمکتی اور محسوس ہوتی ہے۔ باب 79 نزایات، آیت 46

”جس دن وہ (قیامت کا دن) دیکھیں گے، ایسا ہو گا کہ گویا وہ (دنیا میں) ایک دوپہر یا صبح کے“
”سوا باقی نہیں رہے تھے۔“

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوار کی طرف اشارہ فرمایا نہ کہ چلنے والا کیونکہ پیدل چلنے والا درخت کے سائے میں سوار سے زیادہ آرام کرتا ہے۔ یہ مزید بتاتا ہے کہ لوگ اس دنیا میں کتنے محدود وقت گزارتے ہیں۔

سایہ میں آرام کرنا اس بات کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مادی دنیا کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے اپنی ضروریات کو حاصل کرنے کے لیے جس طرح سوار اپنی ضرورت کا سامان لیتا ہے، یعنی آرام۔ لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے آخرت کی تیاری کرتے ہوئے اس دنیا سے فوراً رخصت ہونے کی تیاری کرے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا کو ترک کر دیا جائے کیونکہ یہ حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ انسان کو آخرت کی تیاری کے لیے مادی دنیا کو استعمال کرنا چاہیے۔ سوار آرام کرتا ہے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ چیزیں اکٹھی کریں جو ان کے لیے آخرت میں فائدہ مند ہوں، بجائے اس کے کہ اپنا وقت غیر ضروری چیزوں کے لیے وقف کریں جو انہیں قیامت کے دن خالی ہاتھ چھوڑے گی۔ باب 89 الفجر، آیات 23-24

اور لایا گیا، وہ دن جہنم ہے، اس دن آدمی یاد رکھے گا، لیکن اس کو یاد کیسے آئے گا؟ وہ کہے "گا، کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔"

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ - 16

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا جب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان کی وفات کے بعد ان سے افضل ترین اعمال کے بارے میں پوچھا۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے پایا ہے کہ کسی کی تمام حاجتیں پوری کرنے کا بہترین اجر ملتا ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 472 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2344 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر لوگ واقعی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں تو وہ ان کو اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ اپنے گھونسلے صبح بھوکے چھوڑتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر واقعی بھروسہ وہ چیز ہے جو دل میں محسوس ہوتی ہے لیکن اعضاء سے ثابت ہوتی ہے، یعنی جب کوئی اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کو بجا لا کر، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتا ہے۔ باب 65 میں :
طلاق، آیت 3

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔“

توکل کا وہ پہلو جو داخلی ہے اس میں پختہ یقین رکھنا شامل ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور دنیاوی اور دینی معاملات میں نقصان دہ چیزوں سے بچا سکتا ہے۔ ایک مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کو دے سکتا ہے، روک سکتا ہے، نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اسباب مہیا کیے ہیں، مثلاً دوا استعمال کرنا چھوڑ دے۔ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ پرندے اپنے گھونسلے چھوڑ کر رزق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت اور اسباب کو استعمال کرتا ہے تو وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق بلاشبہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ظاہری عنصر ہے۔ یہ بات بہت سی آیات اور احادیث میں واضح ہو چکی ہے۔ باب 4 النساء، آیت 71

“اے ایمان والو احتیاط کرو۔”

درحقیقت ظاہری عمل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی کیفیت ہے۔ ظاہری روایت کو نہیں چھوڑنا چاہیے خواہ وہ باطنی اعتبار کا مالک ہو۔

اعمال اور اللہ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کا استعمال، اس پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے۔ اس سلسلے میں اعمال کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے اطاعت کے وہ اعمال ہیں جن کا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے تاکہ وہ جہنم سے بچ سکیں اور جنت حاصل کر سکیں۔ ان باتوں کو چھوڑ دینا یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا، محض خواہش مندانہ سوچ ہے اور اس لیے قابل ملامت ہے۔

دوسری قسم کے اعمال وہ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں لوگوں کے لیے اس لیے بنائے ہیں کہ وہ اس میں محفوظ رہیں، جیسے کہ بھوک کے وقت کھانا پینا، پیاس لگنے پر پینا اور سرد موسم میں گرم کپڑے پہننا۔ جو شخص ان کو ترک کر کے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے وہ قابل ملامت ہے۔ البتہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص قوت عطا کی ہے تاکہ وہ اپنے آپ

کو نقصان پہنچائے بغیر ان ذرائع سے بچ سکیں۔ مثال کے طور پر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی وقفے کے دنوں کے روزے رکھتے تھے لیکن دوسروں کو اس طرح کرنے سے منع کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بغیر خوراک کی ضرورت کے براہ راست مہیا کیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1922 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھے سیدنا خلیفہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے خلاف نہ ہوں۔ ضرورت سے زیادہ سردی یا گرمی محسوس کرنا۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 117 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص ان ذرائع سے منہ موڑ لے لیکن اسے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے فرائض میں کوتاہی کے بغیر صبر کرنے کی طاقت دی جائے تو یہ قابل قبول ہے۔ دوسری صورت میں یہ قابل الزام ہے

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے سلسلے میں تیسری قسم کے اعمال وہ چیزیں ہیں جو ایک رسم کے طور پر مقرر کی گئی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بعض اوقات بعض لوگوں کے لیے توڑ دیتا ہے۔ اس کی مثال وہ لوگ ہیں جو بغیر دوا کے بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ یہ خاص طور پر غریب ممالک میں کافی عام ہے جہاں دوائی حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس کا تعلق سنن ابن ماجہ نمبر 2144 میں موجود ایک حدیث سے ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے لیے مختص کیے گئے ہر اونس کو استعمال نہ کر لے جو کہ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث نمبر 6748 کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے۔ لہذا جو شخص اس حدیث کو صحیح معنوں میں سمجھتا ہے وہ شاید یہ جانتے ہوئے بھی رزق تلاش نہ کرے کہ جو کچھ ان کے لیے بہت پہلے مختص کیا گیا تھا وہ ان سے محروم نہیں ہو سکتا۔ پس اس شخص کے لیے رزق حاصل کرنے کا رواج جیسا کہ نوکری کے ذریعے حاصل کرنا اللہ تعالیٰ نے توڑ دیا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ اور نادر درجہ ہے۔ صرف وہی شخص جو اس طرح کا رویہ اختیار کر سکتا ہے بغیر کسی شکایت یا گھبراہٹ کے اور نہ ہی لوگوں سے کسی چیز کی توقع رکھے اگر وہ یہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ غور طلب ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 1692 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ گناہ ہے کہ وہ اپنے کفیلوں کی کفالت میں کوتاہی کرے۔ وہ اس اعلیٰ عہدے پر ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ، تقدیر پر راضی ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جو کچھ بھی منتخب کرتا ہے وہ بغیر شکایت اور تبدیلی کی خواہش کے بغیر قبول کرتا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے بہتر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کی پیروی کی جائے، حلال ذرائع کے استعمال سے کسی کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اور باطنی اعتبار سے صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کیا گیا ہے۔ عالی مقام، فیصلہ کرے گا، جو بلاشبہ ہر فرد کے لیے بہترین انتخاب ہے چاہے وہ اس کا مشاہدہ کرے یا نہ کرے۔

جعفر ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ - 1

جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ غریبوں اور مسکینوں سے محبت کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بیٹھتے اور ان سے بات چیت کرتے، یہاں تک کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حلیموں کا باپ کہا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 227 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 3235 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے غریبوں سے محبت کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ غریبوں سے محبت کرنا کسی کے اخلاص کی بہترین علامت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی غریب سے یہ توقع نہیں رکھتا کہ وہ ان کی مدد کے بدلے میں انہیں کچھ دے گا، کیونکہ وہ غریب ہیں۔ پس جو لوگ غریبوں کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں وہ ان لوگوں کے مقابلے میں جو غریبوں کی مدد نہیں کرتے اخلاص کے معنی کے زیادہ قریب ہیں۔

درحقیقت محبت پر قابو پانا ایک بہت مشکل جذبہ ہے۔ پس جس نے اس پر قابو پالیا اور ان چیزوں سے محبت کی جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے جیسے کہ غریب اس نے مضبوط ایمان حاصل کیا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا، سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث کے مطابق ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2352 کی ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ غریبوں سے محبت اور قربت اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا باعث بنتی ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا بلند مقام صحیح بخاری نمبر 5196 میں موجود ایک اور حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جنت کے باشندوں کی اکثریت غریبوں کی ہے۔ اور سنن ابن ماجہ نمبر 4122 میں موجود حدیث کے مطابق امیروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

اس سے پہلے جو حدیث نقل ہوئی ہے اس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندہ رہنے، وفات پانے اور غریبوں کے درمیان زندہ ہونے کی درخواست کا بھی ذکر ہے۔ پس جو کوئی غریبوں سے سچی محبت کرتا ہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ باب 76 الانسان، آیات 8-9

اور وہ اس کی محبت کے باوجود¹ محتاجوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا دیتے ہیں۔ "ہم تمہیں "صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں، ہم تم سے اجر یا شکرگزاری نہیں چاہتے۔"

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ غریبوں کا ساتھ دیا اور ان کی نمبر 1415 میں موجود حدیث سنن نسائی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کی۔ اس کی تصدیق سے ہوتی ہے -

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔ ایک مسلمان کو ان کی ہر طرح سے مدد کرنی چاہیے، جیسے کہ مالی اور جذباتی مدد۔

غریبوں سے محبت کرنا تکبر کو بھی دور کر سکتا ہے کیونکہ متکبر لوگ غریبوں سے صحبت کرنا ناپسند کرتے ہیں۔ یہ رویہ مکہ کے بعض غیر مسلموں کا تھا جو غریبوں کو ناپسند کرتے تھے۔ باب 43 از زخرف، آیت 31

"اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دو شہروں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا؟"

غریبوں اور ضرورت مندوں کے ساتھ رفاقت لوگوں کو ان کے پاس موجود چیزوں کے لیے شکر گزاری اختیار کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2513 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ آدمی ایسے لوگوں کا مشاہدہ کرے جن کے پاس ان سے کم دنیاوی چیزیں ہوں۔ ان لوگوں کا مشاہدہ کرنا جن کے پاس زیادہ ہے ان کے پاس موجود چیزوں پر ناشکری کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔ اس سے دوسری بری خصلتیں جنم لے سکتی ہیں جیسے حسد اور مادی دنیا سے زیادہ محبت جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو جاتی ہے۔ باب 20 طہ، آیت 131

اور اپنی نگاہیں اس چیز کی طرف مت پھیلاؤ جس کے ذریعے ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو " لذت بخشی ہے، یہ دنیا کی زندگی کی رونق ہے جس سے ہم ان کو آزماتے ہیں۔ اور تیرے رب کا "رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اہلیہ، اہل ایمان کی والدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جامع ترمذی نمبر 1780 میں موجود حدیث میں صرف یہ مشورہ دیا کہ اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور امیروں کی محفلوں سے بچنے کے لیے اس دنیا سے کم سے کم رزق۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اصل مفلس وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف سے عاجزی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف محتاجی اور محتاجی کی حالت میں ہو۔ انہیں صرف اللہ کی ضرورت ہے، جو انہیں محتاج بناتا ہے۔ اور جب دنیا کی بات آتی ہے تو لاپرواہ ہوتے ہیں اس لیے اس لحاظ سے وہ مالدار ہیں اگرچہ مالی طور پر غریب ہی کیوں نہ ہوں۔

جعفر ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ - 2

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ شکل و صورت میں ان سے مشابہت رکھتے ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 4251 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قیامت کے ترازو میں سب سے بھاری چیز حسن اخلاق ہوگی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن سلوک، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس میں لوگوں کے ساتھ اچھے کردار کا مظاہرہ بھی شامل ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ کے حوالے سے واجبات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کر کے دوسرے پہلو کو نظر انداز کرتے ہیں۔ وہ اس کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ یعنی جس طرح انسان کے ساتھ حسن سلوک کی خواہش ہوتی ہے اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آئے ورنہ وہ کامیاب نہیں ہوگا کیونکہ حقیقی کامیاب لوگ صرف مومن ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ، کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں اور ان کے مالوں سے دور نہ رکھے، خواہ اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 3318 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی کہ ایک عورت جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے بلی کے ساتھ بدسلوکی کی جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔ اور سنن ابوداؤد نمبر 2550 میں ایک اور حدیث ملتی ہے کہ ایک آدمی کو پیاسے کتے کو کھانا کھلانے کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ اگر یہ اچھا کردار

دکھانے کا نتیجہ ہے اور جانوروں کو برے کردار دکھانے کا نتیجہ ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ درحقیقت زیر بحث مرکزی حدیث اس نصیحت کے ساتھ ختم ہوتی ہے کہ اچھے کردار والے کو اس مسلمان کی طرح اجر ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت کرتا ہے اور باقاعدگی سے روزے رکھتا ہے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ - 1

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے مشورے سے آپ نے مدینہ کے گرد ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ خندق کھودتے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انتہائی سخت زمین کا ایک ٹکڑا بتایا جسے وہ نہیں توڑ سکتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور سخت زمین کو کودال سے مارا اور وہ نرم ریت میں تبدیل ہو گئی۔ انہوں نے یہ بھی گواہی دی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھوک کی تکلیف کو روکنے کے لیے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا تھا کیونکہ وسائل کی کمی کی وجہ سے ان سب نے تین دن میں کچھ نہیں کھایا تھا۔ ایک صحابی جابر رضی اللہ عنہ نے گھر واپس آنے کی اجازت طلب کی اور اپنی اہلیہ سے کہا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کچھ کھانا بنائیں۔ چند لوگوں کے لیے کافی پکانے کے بعد اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دی۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت کم کھانے کے بارے میں مطلع کیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دعوت دی جو سینکڑوں کی تعداد میں موجود تھے۔ اور معجزانہ طور پر کھانا سب کے لیے کافی ہو گیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 131-132 میں بحث کی گئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 4101 میں موجود ایک حدیث میں بھی اس پر بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دعوت کو اپنے لیے قبول کر سکتے تھے لیکن آپ ہمیشہ کی طرح تمام لوگوں کے لیے مخلص رہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔“

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔“

قیس بن سعد - 1

قیس رضی اللہ عنہ ایک دفعہ ایک مہم کی قیادت کر رہے تھے جب فوج کو شدید بھوک لگی۔ اس نے فوج کے کھانے کے لیے نو سوار جانوروں کو ذبح کیا۔ واپسی پر جب ان کے اس عمل کا ذکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ سخاوت ان کے خاندان کی پہچان ہے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 235 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے اس کو اس کے مطابق اجر دیا جائے گا۔ اور اس نے خبردار کیا کہ ذخیرہ اندوزی نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو روک دے گا۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کو صرف حلال مال حاصل کرنا اور خرچ کرنا ہے کیونکہ ہر وہ نیک عمل جس کی بنیاد حرام پر ہو اللہ تعالیٰ اسے رد کر دے گا، خواہ اس کی نیت کچھ بھی ہو۔ صحیح مسلم نمبر 2342 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ خرچ صرف خیرات کے ذریعے نہیں ہوتا بلکہ اس میں فضول خرچی، اسراف یا اسراف کے بغیر اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات پر خرچ کرنا شامل ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود حدیث کے مطابق یہ درحقیقت ایک نیک عمل ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ متوازن طریقے سے خرچ کرے جس سے وہ خود محتاج نہ ہو کر دوسروں کی مدد کرے۔ باب 17 الاسراء، آیت 29

اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے نہ باندھو اور نہ ہی اسے پوری طرح پھیلا دو اور [اس طرح]”
“ملامت اور دیوالیہ بن جاؤ۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق باقاعدگی سے صدقہ دے چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کسی کے معیار کے معنی، ان کے اخلاص کو دیکھتا ہے، نہ کہ عمل کی مقدار کو۔ باقاعدگی کے ساتھ تھوڑا سا صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بہتر اور زیادہ محبوب ہے، اس سے کہ ایک بار زیادہ صدقہ کیا جائے۔ صحیح بخاری نمبر 6465 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب کوئی اپنی وسعت کے مطابق دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے لامحدود درجہ کے مطابق بدلہ دیتا ہے۔ لیکن جو روکے گا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا ہی جواب ملے گا۔ اگر کوئی مسلمان اپنا مال جمع کرتا ہے تو وہ اسے دوسروں کے لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اس کے لیے جوابدہ ہوں گے۔ اگر وہ اپنی دولت کا غلط استعمال کریں گے تو یہ ان کے لیے دنیا میں لعنت اور بوجھ اور آخرت میں عذاب بن جائے گا۔

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ - 1

حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ دنیاوی چیزیں مانگیں۔ ان کی حاجت پوری کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مال میٹھا ہے اور اگر کوئی اسے لالچ کے بغیر لے گا تو اس میں برکت ہو گی لیکن اگر لالچ سے لے جائے تو اس میں برکت نہیں ہوگی۔ اس میں برکت ہے۔ وہ اس شخص کی طرح ہوں گے جو سیر ہوئے بغیر کھاتا ہے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے قسم کھائی کہ آئندہ کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگیں گے اور نہ ہی کسی سے کچھ لیں گے۔ ابوبکر اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران آپ نے سرکاری خزانے سے اپنا حصہ لینے سے انکار کر دیا اور اپنے وعدے پر قائم رہے۔ صحیح بخاری نمبر 3143 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2305 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سب سے زیادہ مالدار وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیزوں پر راضی ہو۔ جو ہر وقت زیادہ دنیاوی چیزوں کا محتاج رہتا ہے وہ محتاج ہے، جو کہ غریب کے لیے ایک اور لفظ ہے، خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔ لیکن جو اپنے مال پر راضی ہے وہ محتاج نہیں ہے اور اس لیے مالدار ہے خواہ اس کے پاس مال کم ہو یا دنیاوی چیزیں۔

اس کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے اس پر راضی ہونے والے کو وہ فضل عطا کیا جائے گا جس سے ان کے مال سے ان کی ضروریات اور ان کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری ہوں گی اور اس سے انہیں ذہنی اور جسمانی سکون ملے گا۔ جبکہ جو لوگ راضی نہیں ہوں گے ان کو یہ فضل حاصل نہیں ہوگا جس کی وجہ سے وہ محسوس کریں گے کہ گویا ان کا مال ان کی ضروریات اور ان کے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ یہ انہیں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرنے سے روکے گا۔

اطمینان میں اس پر راضی ہونا شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے لیے منتخب کیا ہے یعنی تقدیر۔ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین رکھنا چاہیے، وہ ہمیشہ اپنے بندے کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے، چاہے وہ اس انتخاب کے پیچھے حکمت کو نہ دیکھے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اگر کوئی مسلمان ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اکتفا کرتا ہے، جیسے کہ مشکل کے وقت صبر اور آسانی کے وقت شکر ادا کرنا، تو اسے ذہنی سکون ملے گا۔

عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ - 1

عامر رضی اللہ عنہ کو ایک بار ایک دوست نے زمین کا ایک قیمتی ٹکڑا پیش کیا۔ اس نے اپنے دوست سے کہا کہ اسے زمین کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس دن مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی تھی: جس نے اسے مادی دنیا سے غافل کر دیا تھا۔ باب 21 الانبیاء، آیت 1

"لوگوں پر ان کے حساب کا وقت قریب آ گیا ہے اور وہ غفلت میں منہ پھیر رہے ہیں۔"

امام محمد کاندھلوی کی حیات صحابہ جلد 2 صفحہ 278 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عامر رضی اللہ عنہ نے اس طرح برتاؤ کیا کہ وہ لمبی عمر کی امید نہیں رکھتے تھے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ جب کوئی مرتا ہے تو اس کا یوم جزا شروع ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اب نیک اعمال کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہتے، جیسے کہ مخلصانہ توبہ۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ایک بڑی رکاوٹ لمبی عمر کی جھوٹی امید رکھنا ہے۔ یہ ایک انتہائی قابل ملامت خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان کے لیے آخرت کی تیاری پر مادی دنیا کو اکتھا کرنے کو ترجیح دینے کا بنیادی سبب ہے۔ انسان کو صرف اپنے اوسطاً 24 گھنٹے دن کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے کتنا وقت مادی دنیا کے لیے اور کتنا وقت آخرت کے لیے وقف کرتے ہیں۔ درحقیقت، لمبی زندگی کی جھوٹی امید رکھنا ایک طاقتور ہتھیار ہے جسے شیطان لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ جب ایک شخص کو یقین ہوتا ہے کہ وہ طویل عرصے تک زندہ رہیں گے تو وہ آخرت کی تیاری میں تاخیر کرتے ہیں

یہ جھوٹا یقین رکھتے ہوئے کہ وہ مستقبل قریب میں اس کی تیاری کر سکتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ مستقبل قریب کبھی نہیں آتا اور ایک شخص آخرت کے لیے مناسب تیاری کیے بغیر ہی مر جاتا ہے۔

مزید برآں، لمبی عمر کی جھوٹی امید مخلصانہ توبہ اور اپنے کردار کو بہتر سے بہتر کرنے میں تاخیر کا باعث بنتی ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس ایسا کرنے کے لیے کافی وقت باقی ہے۔ یہ ایک شخص کو اس مادی دنیا کی چیزوں کو ذخیرہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جیسے کہ دولت، کیونکہ یہ انہیں یقین دلاتی ہے کہ انہیں زمین پر اپنی طویل زندگی کے دوران ان چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ شیطان لوگوں کو یہ سوچنے پر ڈراتا ہے کہ وہ اپنے بڑھاپے کے لیے دولت جمع کر لیں کیونکہ جب وہ جسمانی طور پر کمزور ہو جاتے ہیں تو انہیں کوئی ان کا سہارا نہ ملے اور اس لیے وہ اپنے لیے مزید کام نہ کر سکیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق کا خیال ان کی چھوٹی عمر میں رکھا تھا اسی طرح بڑھاپے میں بھی ان کا رزق عطا فرمائے گا۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی کے 40 سال اپنی ریٹائرمنٹ کے لیے کس طرح وقف کر دے گا جو کہ شاذ و نادر ہی 20 سال سے زیادہ عرصہ تک رہتا ہے لیکن اس طرح ابدی کے لیے تیاری کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس کے بعد

اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ دنیا کے لیے کچھ بھی تیار نہ کریں۔ مستقبل قریب کے لیے بچت کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ آخرت کو ترجیح دی جائے۔ اگرچہ، لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ابھی تک کسی بھی وقت مر سکتے ہیں، کچھ ایسے سلوک کرتے ہیں جیسے وہ اس دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر انہیں زمین پر ابدی زندگی کا وعدہ دیا جائے تو وہ دن اور رات کی پابندیوں کی وجہ سے زیادہ مادی دنیا کو جمع کرنے کے لئے زیادہ کوشش نہیں کر سکیں گے۔ کتنے لوگ توقع سے پہلے انتقال کر گئے؟ اور کتنے ہیں جنہوں نے اس سے سبق سیکھا اور اپنا رویہ بدل لیا؟

درحقیقت موت کے وقت یا آخرت کے کسی دوسرے مرحلے پر انسان کو جو سب سے بڑا درد محسوس ہوتا ہے وہ آخرت کی تیاری میں تاخیر پر ندامت ہے۔ باب 63 المنافقون، آیات 10-11

اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہے کہ اے میرے رب کاش تو مجھے تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے تو میں صدقہ کر دوں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں "لیکن اللہ کسی جان کو اس کا وقت آنے پر کبھی تاخیر نہیں کرتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔"

ایک شخص کو احمق قرار دیا جائے گا اگر وہ اس گھر کے لیے زیادہ وقت اور دولت وقف کر دے جس میں وہ صرف ایک مختصر وقت کے لیے رہنے والا تھا اس گھر کے مقابلے میں جس میں وہ بہت طویل عرصے تک رہنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ یہ دنیاوی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح دینے کی مثال ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کے لیے کام کریں لیکن جان لیں کہ موت کسی شخص کو اس وقت، حالت یا عمر میں نہیں آتی جو ان کو معلوم ہوتی ہے بلکہ اس کا انا یقینی ہے۔ لہذا اس کی تیاری اور اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کو اس دنیا میں مستقبل کی تیاری پر ترجیح دینی چاہیے جس کا ہونا یقینی نہیں ہے۔

ثوبان رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اعلان فرمایا کہ جو شخص اس بات کی ضمانت دے کہ وہ لوگوں سے کچھ نہیں مانگیں گے تو وہ انہیں جنت کی ضمانت دے گا۔ ثوبان رضی اللہ عنہ نے ان کی بات کا جواب دیا اور اپنی بات پر سچے ہوئے انہوں نے کبھی کسی سے کچھ نہیں پوچھا۔ سنن ابوداؤد نمبر 1643 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7432 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرتا ہے جو مخلوق سے بے نیاز ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کیے گئے اسباب مثلاً اپنی جسمانی طاقت کو پوری طرح استعمال کرے۔ انہیں سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے اور لوگوں سے چیزیں طلب کرنا چاہئے کیونکہ یہ عادت ان پر انحصار کا باعث بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کم کر دیتی ہے۔ انسان کو اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ جو کچھ بھی ہو جائے ان کا رزق ان کے لیے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کر دیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کو اپنی کوششوں پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے اور اس بات پر بھروسہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں وہ عطا فرمائے گا جو ان کے لیے بہتر ہے۔

عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ - 1

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اختلاف اور مسائل پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اور ان کے صحابہ، اللہ ان سے راضی ہو۔ ایک مرتبہ ان کا بیٹا عبداللہ بن ابی جو کہ ایک وفادار صحابی تھا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اپنے منافق باپ کو اس کے خلاف غداری کے برے فعل پر قتل کرنے کی پیشکش کی۔ مدینہ کا شہر اور اس کے پیشوا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ وہ اس کے بجائے اپنے والد، منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کو معاف کر دیں گے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کریں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 215 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا ”والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخر کار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں ایک اور کسی خاص طریقے سے اسکارف اتار دیا مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

معن بن عدی رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بہت سے صحابہ نے غم کی وجہ سے خوابش کی کہ وہ آپ سے پہلے فوت ہو جائیں لیکن معن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا چاہتا ہوں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات کے بعد جس طرح اپنی زندگی میں ان پر ایمان لایا تھا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 365 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخلص ہونے کا ایک پہلو ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 :القلم، آیت 4

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7

”اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔“

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ”تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

ابو لبابہ بن منذر رضی اللہ عنہ - 1

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ ایک قافلہ پر چھاپہ مارنے کے لیے راستے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر باری باری لے گئے کیونکہ ان کے پاس بہت کم تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی اور ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک اونٹ بانٹ دیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدل چلنے کے لیے اپنے دو صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ کی جگہ لینے کی پیشکش کی تاکہ آپ اونٹ پر سوار ہو سکیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ وہ ان سے زیادہ طاقتور نہیں ہیں، یعنی وہ زخمی یا بیمار نہیں ہیں کہ وہ اسے نہ چلنے کا بہانہ بنا سکیں، اور آپ نے مزید فرمایا کہ میں چلنے کا ثواب چاہتا ہوں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 258 میں بحث کی گئی ہے۔

آج کے قائدین کے برعکس جو ان مشکلات کا سامنا کرنے سے انکار کرتے ہیں جو ان کے پیروکار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھاتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو درپیش مشکلات میں شریک ہوتے ہیں۔ یہ اس کی بڑی عاجزی کا مظہر تھا۔

نہ یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ صرف اور صرف اس اللہ تعالیٰ کے بندوں لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اور جس برائی سے وہ بچ گئے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ جو چیز کسی کی نہیں اس پر فخر کرنا کیا حماقت نہیں؟ بالکل اسی طرح ان سے تعلق نہیں رکھتا مسلمانوں کو یہ جیسے کوئی شخص کسی اسپورٹس کار پر فخر نہیں کرتا جو نہیں سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں کچھ بھی ان کا نہیں ہے۔ یہ رویہ یقینی بنانا ہے کہ انسان ہر وقت عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر مکمل یقین رکھتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے اعمال صالحہ انہیں جنت میں نہیں لے جائیں گے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اس کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہر عمل صالح اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو انجام دینے کے لیے کی رحمت اللہ علم، طاقت، موقع اور الہام عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ عمل کی قبولیت بھی منحصر ہے۔

پر . جب کوئی اس کو ذہن میں رکھتا ہے تو یہ انہیں غرور سے بچاتا ہے اور انہیں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عاجز ہونا کمزوری کی علامت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام مسلمانوں کو کمزوری کے بغیر عاجزی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ پس حقیقت میں عاجزی دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مخلوق میں سے سب سے زیادہ حلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح طور پر لوگوں کو اس اہم صفت کو اپنانے کا حکم دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ باب 26 اشعرا، آیت 215

"اور اپنے بازو کو نیچے رکھو [یعنی مہربانی کرو [مومنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزانہ زندگی گزارنے کے طور پر، اس نے خوشی سے گھر میں گھریلو فرائض انجام دیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ کام صنفی غیر جانبدار ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 538 میں ہوتی ہے۔

باب 25 الفرقان، آیت 63، ظاہر کرتی ہے کہ عاجزی ایک باطنی خصوصیت ہے جو باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ چلنے کا راستہ۔ اس پر ایک اور آیت باب 31 لقمان، آیت 18 میں بحث کی گئی ہے۔

"اور اپنا رخسار لوگوں کی طرف مت پھیرو اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔"

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جنت ان عاجز بندوں کے لیے ہے جن میں غرور کا کوئی نشان
نہیں ہے۔ باب 28 القصص، آیت 83

آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے مقرر کیا ہے جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔ اور ”
[بہترین] انجام نیک لوگوں کے لیے ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1998 میں موجود ایک
حدیث کی تصدیق فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔
فخر کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق، پالنے والا اور مالک ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر
ہیں اور جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے مسترد کر دیتا ہے کیونکہ وہ سچائی کو
اس کی تصدیق طرف سے آتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کی قبول کرنا ناپسند کرتے ہیں جب وہ
سنن ابوداؤد نمبر 4092 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ابو لبابہ بن منذر رضی اللہ عنہ - 2

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ اللہ تعالیٰ نے غیر مسلم لشکر کو شکست دینے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کے غداری کے اس فعل کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دوران غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی تو انہوں نے ایک صحابی ابو لبابہ رضی اللہ عنہ سے کچھ مشورہ طلب کیا جیسا کہ وہ نہیں تھے۔ صحابہ سے لڑنے کی پوزیشن میں، اللہ ان سے راضی ہے۔ ابو لبابہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اشارہ کیا کہ ان کے مرد سپاہیوں کو غالباً ان کی غداری کے جرم میں سزائے موت دی جائے گی، اگر وہ ہتھیار ڈال دیں تو اس دن اور عمر میں بھی ایک معیاری سزا ہے۔ ابو لبابہ رضی اللہ عنہ نے جو اشارہ کیا اس پر انہیں بہت افسوس ہوا کیونکہ وہ یقین رکھتے تھے کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت کی۔ چنانچہ اس نے اپنے آپ کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک درخت سے جکڑ لیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بخش دیا گیا۔ باب 9 توبہ آیت 102

اور [اور بھی ہیں] جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے ایک نیک عمل کو دوسرے " برے کے ساتھ ملا دیا تھا۔ شاید اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 162-164 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4251 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ لوگ گناہ کرتے ہیں لیکن بہترین گناہ کرنے والا وہ ہے جو سچی توبہ کرے۔

چونکہ لوگ فرشتے نہیں ہیں وہ گناہ کرنے کے پابند ہیں۔ وہ چیز جو ان لوگوں کو خاص بناتی ہے جب وہ اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ سچی توبہ میں پشیمانی کا احساس، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، دوبارہ گناہ یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی کرنا شامل ہے۔ ، عالی، اور لوگ۔

غور طلب بات یہ ہے کہ صغیرہ گناہوں کو اعمال صالحہ کے ذریعے مٹایا جا سکتا ہے جس کی بہت سی احادیث میں نصیحت کی گئی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 550 میں موجود ہے۔ جب تک کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو ان کے درمیان چھوٹے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔

کبیرہ گناہ صرف سچی توبہ سے مٹ جاتے ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے، چھوٹے اور بڑے، اور اگر ایسا ہو جائے تو فوراً سچے دل سے توبہ کرے کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں ہے۔ اور انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے۔ -

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ نے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا۔ دشمن کا ایک سپاہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے لڑتا رہا یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو گیا۔ جب سپاہی قتل ہونے والا تھا تو اس نے ایمان کی اسلامی شہادت کا اعلان کیا۔ اس کی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آپ سے پیچھے ہٹ گئے لیکن ایک صحابی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو قتل کر دیا کہ اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لیے اسلام پر ایمان لایا تھا۔ جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پر سخت ناراض ہوئے۔ وہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتا رہا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے بعد بھی اس نے اس شخص کو کیوں قتل کیا جس نے ایمان کی اسلامی گواہی کا اعلان کیا، اس نے اپنا استدلال پیش کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 301 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4993 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت کی کہ لوگوں کے بارے میں اچھا گمان کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک پہلو ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک پہلو ہے۔

چیزوں کو منفی انداز میں بیان کرنا اکثر غیبت اور غیبت جیسے گناہوں کا باعث بنتا ہے۔ ہر صورت میں ایک مسلمان کو چاہیے کہ جہاں ممکن ہو مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کرے تاکہ شک کا فائدہ دوسروں تک پہنچایا جا سکے۔ بدقسمتی سے، منفی سوچ کو اپنانے سے خاندانی یونٹ سے لے کر قومی سطح تک لوگوں پر اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک قوم کتنی بار ایک مفروضے اور شک پر جنگ میں گئی ہے؟ میڈیا میں پائے جانے والے اسکینڈلز کی اکثریت مفروضوں پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے قوانین بھی بنائے گئے ہیں جو مفروضوں اور شبہات کے استعمال کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ اکثر ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے رشتوں کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اس ذہنیت کے حامل لوگ ہمیشہ یہ مانتے ہیں کہ دوسرے ان کے الفاظ یا اعمال کے ذریعے ان پر تنقید کر رہے ہیں۔ یہ کسی کو دوسروں سے مشورہ لینے سے روکتا ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ صرف مشورہ دینے والے کی طرف سے ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور یہ ایک کو مشورہ دینے سے روکتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ دوسرا شخص ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے گا۔ اور ایک شخص اس منفی ذہنیت کے حامل شخص کو نصیحت کرنے سے گریز کرے

گا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ صرف ایک دلیل کا باعث بنے گا۔ یہ دیگر منفی خصلتوں کی طرف جاتا ہے جیسے تلخی۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگر وہ یہ فرض کر لیں کہ کوئی ان پر تنقید کر رہا ہے تو پھر بھی ان کی نصیحت کو قبول کرنا چاہیے اگر یہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہے۔ انہیں کوشش کرنی چاہیے کہ جہاں ممکن ہو ان چیزوں کی مثبت انداز میں تشریح کریں جو مثبت ذہنیت کا باعث بنے۔ اور ایک مثبت ذہنیت صحت مند تعلقات اور احساسات کا باعث بنتی ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت زیادہ گمان سے بچو۔ بے شک کچھ گمان گناہ ہوتا ہے"

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ - 2

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بنو کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ المصطلق۔ آپ کی اہلیہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس نے پھر اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک وہ اسے نہ ملا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی ہوئی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن المطلق رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے نادانستہ طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ جب مدینہ میں تہمت کے اثرات شدت اختیار کر گئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دو قریبی ساتھیوں علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ دونوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خوب باتیں کیں، اور یہاں تک کہ ایک گواہ، ایک لونڈی، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کام کرتی تھی، کو بلا کر ان کے حسن اخلاق کا مزید ثبوت پایا۔ اس نے بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اچھائی کے سوا کچھ نہیں کہا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 219-220 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ایک خاص رویہ اختیار کرنے سے گریز کریں یعنی اپنے مسائل کو بہت زیادہ لوگوں کے ساتھ شیئر کریں۔ اس رویہ کا مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی بہت سے لوگوں کو بتاتا ہے تو ان کے مسائل بتانا اور مشورہ لینا ان کی مشکلات کی شکایت کا ذریعہ بن جاتا ہے جو ان کی بے صبری کی واضح علامت ہے۔ اس کے علاوہ، یہ رویہ کسی کو صرف الجھن کا باعث بنے گا کیونکہ انہیں ملنے والی نصیحتیں مختلف ہوں گی جس کی وجہ سے وہ صحیح راستے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ غیر یقینی ہو جائیں گے۔ جبکہ چند عقلمندوں سے مشورہ کرنا کسی کے یقین میں اضافے کا سبب ہی بنے گا۔ بہت سے لوگوں کے سامنے کسی کے

مسائل کو بار بار دہرانے سے وہ اپنے مسئلے پر بہت زیادہ توجہ مرکوز کرنے کا سبب بنتا ہے جس کی وجہ سے یہ حقیقت سے زیادہ بڑا اور اہم دکھائی دیتا ہے، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے وہ اپنے دوسرے فرائض سے غفلت برتتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے مسائل پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ زیادہ بے صبری

اس لیے مسلمانوں کو اپنی مشکلات کے سلسلے میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43

”پس اہل پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔“

یہ آیت مسلمانوں کو علم رکھنے والوں سے مشورہ کرنے کی یاد دلاتی ہے۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کسی کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہو گا، ایک مسلمان کو اپنے مسائل صرف ان لوگوں کو بتانا چاہیے جو اس کے بارے میں علم رکھتے ہیں اور ان سے منسلک اسلامی تعلیمات۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو اپنے مسائل صرف ان لوگوں کے ساتھ شیئر کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔“

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ - 3

کی قیادت میں ایک لشکر الباقہ اور فلسطین کی طرف روانہ کیا تاکہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ رومیوں سے لڑیں۔ اس لشکر نے مدینہ سے تین میل دور پڑاؤ ڈالا جب انہوں نے سنا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہیں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو وہ مزید ہدایات کے لیے مدینہ واپس آگئے۔

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا تو انہوں نے فوج کو اپنے مشن کو جاری رکھنے کا حکم دینے کا فیصلہ کیا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو فوج کی قیادت کرتے ہوئے ناپسندیدگی کا اظہار کیا، کیونکہ وہ انتہائی کم عمر اور ناتجربہ کار تھے، حتیٰ کہ بہت سے بزرگ صحابہ کے مقابلے میں آپ کو قائد مقرر کیا گیا تھا۔ ان سے خوش رہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رحلت سے پہلے ان لوگوں پر بھی تنقید کی تھی جو اس طرح محسوس کرتے تھے اور یہ اعلان کرتے ہوئے کہ وہ قیادت کے لائق ہیں، جیسا کہ آپ کے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی لائق تھے۔ اس سے پہلے کی قیادت کی، اگرچہ لوگوں نے ان کی قیادت پر تقرری پر بھی تنقید کی۔ صحیح بخاری نمبر 4469 کی ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد، اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فوج کو دوبارہ روانہ کیا، بعض صحابہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حوصلہ افزائی کی، جو اس لشکر کا حصہ تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ سے درخواست کرنا کہ فوج کی قیادت دوبارہ کسی ایسے شخص کو سونپ دیں جو بوڑھا اور تجربہ کار ہو۔ یہ درخواست سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غصے میں آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ لی اور تبصرہ کیا کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی چھین لی تو آپ ان کو کیسے امام برطرف کریں گے۔ اسے ذاتی طور پر مقرر کیا اور واضح کیا کہ وہ قیادت کے لائق ہیں۔ محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 325-326 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو اسامہ رضی اللہ عنہ کی تقرری کا مسئلہ تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب سے ناراض نہیں تھے۔ اس پر انہیں صرف اس کی قیادت سے مسئلہ تھا کیونکہ وہ انتہائی کم عمر اور جنگ میں ناتجربہ کار تھا۔ ایک تجربہ کار اور خوف زدہ لیڈر کا ہونا جنگ کے دوران قیادت کا ایک انتہائی اہم پہلو ہے۔ جس لیڈر میں یہ صفات نہ ہوں وہ اپنے حکم جاری کرتے وقت سپاہیوں کے دلوں میں تذبذب کا باعث بن سکتا ہے۔ یہ ہچکچاہٹ اکثر میدان جنگ میں زندگی اور موت کا فرق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے قائد کی تقرری پر اعتراض کیا۔

اس کے علاوہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی قیادت کے لائق تھے جیسا کہ انہوں نے مثال کے طور پر قیادت کی۔

تمام مسلمانوں خصوصاً والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں اس پر عمل کریں۔ اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹائے تو ظاہر ہے کہ جنہوں نے اپنی تبلیغ پر عمل کیا ان کا دوسروں پر ان لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی نہیں کی۔ بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا بلکہ ان تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ سختی سے عمل کیا۔ صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور پر، اگر ایک ماں اپنے بچوں کو خبردار کرتی ہے کہ جھوٹ نہ بولیں کیونکہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان کے سامنے جھوٹ بولتی ہے تو اس کے بچے اس کی نصیحت پر عمل کرنے کا امکان نہیں رکھتے۔ ایک شخص کے اعمال کا ہمیشہ دوسروں پر اس کی تقریر سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے کسی کو کامل ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے مشورے پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 3267 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جس شخص نے نیکی کا حکم دیا لیکن خود اس سے روکا اور برائی سے منع کیا اور خود اس پر عمل کیا وہ خود ہی اس پر عمل کرے گا۔ جہنم میں سخت سزا دی گئی۔ باب 61 الصف، آیت 3

”اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔“

لہذا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی نصیحت پر خود عمل کرنے کی کوشش کریں پھر دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کریں۔ مثال کے طور پر رہنمائی کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

آخر کار اسامہ رضی اللہ عنہ اگرچہ بہت چھوٹے تھے لیکن صحیح طریقے سے پرورش پاتے ہوئے اسلام کی تعلیمات کے مطابق وہ ایک عظیم انسان اور رہنما بن گئے۔ مسلمانوں کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نوجوانوں کی پرورش پر بھرپور توجہ دینی چاہیے تاکہ وہ مسلمانوں کی آنے والی نسل کو باوقار اور قابل تعریف بن سکیں۔

مثال کے طور پر جامع ترمذی نمبر 1952 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ والدین کو جو سب سے افضل تحفہ اپنے بچے کو دے سکتا ہے وہ اسے اچھے اخلاق سکھانا ہے۔

یہ حدیث مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں جیسے کہ ان کے بچوں کے ایمان کے بارے میں زیادہ فکر مند رہیں، انہیں دولت اور جائیدادیں حاصل کرنے اور ان کو فراہم کرنے سے زیادہ۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیاوی ورثے آتے جاتے ہیں۔ کتنے امیر اور طاقتور لوگوں نے بڑی بڑی سلطنتیں صرف اس لیے بنائی ہیں کہ ان کے مرنے کے فوراً بعد انہیں توڑ دیا جائے اور انہیں بھلا دیا جائے۔ ان میں سے کچھ وراثت سے پیچھے رہ جانے والی چند نشانیاں صرف لوگوں کو ان کے نقش قدم پر نہ چلنے کی تنبیہ کرنے کے لیے پائی جاتی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عظیم سلطنت ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اپنے بچوں کو سلطنت بنانے اور بہت زیادہ دولت اور جائیدادیں حاصل کرنے کا طریقہ سکھانے کے بارے میں اس قدر فکر مند ہیں کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سکھانے میں کوتاہی کرتے ہیں، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ صبر اس میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ حسن سلوک شامل ہے۔ ایک مسلمان کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ ان کے پاس اپنے بچوں کو اچھے اخلاق سکھانے کے لئے کافی وقت ہے کیونکہ ان کی موت کا لمحہ نامعلوم ہے اور اکثر غیر متوقع طور پر لوگوں پر حملہ کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے طریقے پر قائم ہو جاتے ہیں تو انہیں اچھے اخلاق سکھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ آج وہ دن ہے جب ایک مسلمان کو واقعی اس تحفے پر غور کرنا چاہیے جو وہ اپنے بچوں اور رشتہ داروں کو دینا چاہتے ہیں۔ اس طرح ایک مسلمان آخرت کے لیے نیکی بھیجتا ہے لیکن نیک اولاد کی طرح اپنے پیچھے نیکی چھوڑ جاتا ہے جو اپنے فوت شدہ والدین کے لیے دعا کرتا ہے تو اس کے لیے فائدہ ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1376 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ امید ہے کہ اس طرح سے خیر میں گھرنے والے کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔

معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ - 1

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے نویں سال یمن میں حضرموت کے ایک شہزادے وائل بن حجر نے مدینہ آکر اسلام قبول کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر انہیں حضرموت کے دوسرے شہزادوں کا سپہ سالار مقرر کیا اور ایک مخصوص علاقہ کا انچارج مقرر کیا۔ اس نے صحابی معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو وائل رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھر روانہ کیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس سواری کے لیے کوئی اونٹ نہیں تھا اور وہ وائل رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلنے پر مجبور تھے جب کہ وہ اپنے اونٹ پر سوار تھے۔ اس نے وائل رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار ہونے کو کہا، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ بادشاہوں کے پیچھے سواری کے قابل نہیں ہیں۔ برسوں بعد معاویہ رضی اللہ عنہ اسلام کے خلیفہ بنے اور جب وائل رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے گئے تو انہوں نے ان کی بہت تعظیم کی اور مذاق میں انہیں اس سفر کے دوران جو کچھ کہا تھا اسے یاد دلایا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 108 میں بحث کی گئی ہے۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ

لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر... " دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ - 2

عثمان بن عفان کی خلافت کے دوران، معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ، جو شام کے گورنر تھے، کو خدشہ تھا کہ رومی حمص شہر پر حملہ کر دیں گے، کیونکہ یہ ان کے علاقے کے قریب تھا۔ اس نے خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے حمص کی حفاظت کے لیے قبرص میں سمندری راستے سے رومیوں کے خلاف جہاد کرنے کی اجازت طلب کی، لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے سمندری سفر کے تصور کو ناپسند کیا۔ جب عثمان خلیفہ بنے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت دینے کی تاکید کی۔ اس نے اسے اجازت تو دے دی لیکن اسے حکم دیا کہ وہ سپاہیوں کو اپنے ساتھ جانے پر مجبور نہ کرے اور اس کے بجائے انہیں یہ اختیار پیش کرے کہ اس وقت بہت سے لوگ سمندری سفر کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک بہت بڑا لشکر رضاکارانہ طور پر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی مہم میں شامل ہو گیا۔ اس پر امام محمد السلابی کی سیرت عثمان ابن عفان، ذون نورین، صفحہ 272-275 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ دنیا مسلمانوں کے لیے کھول دی گئی تھی، لیکن پھر بھی یہ سپاہی رضاکارانہ طور پر اس مہم میں اس کے ساتھ شامل ہوئے کیونکہ ان کی توجہ آخرت کے لیے جدوجہد اور مادی دنیا کی آسائشوں پر مرکوز تھی۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تمثیل اس لیے دی گئی تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے جبکہ آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل

ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے کاٹ دے گی۔ دوسری طرف آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے۔ جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ لہذا کسی کی ریٹائرمنٹ جیسے دن کے لیے کوشش کرنا بے وقوفی ہے، جس تک وہ آخرت کے لیے کوشش کرتے ہوئے کبھی نہ پہنچ سکے جس تک پہنچنے کی ان کی ضمانت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اس مادی دنیا سے اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرنا چاہیے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کریں۔

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - 1

سعد بن ابی وقاص کا ایک دفعہ کسی دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہوا تو کسی نے اس سے فائدہ اٹھا کر سعد رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے کی کوشش کی۔ لیکن مؤخر الذکر نے اسے روک دیا اور اسے کہا کہ خاموش رہو کیونکہ اس کے اور اس کے (مسلم (بھائی کے درمیان جو کچھ تھا اس سے ان کے اتحاد اور مذہبی بندھن پر کوئی اثر نہیں پڑا اور اس کا ان کے مذہب کی سچائی پر کوئی اثر نہیں ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 192 میں بحث کی گئی ہے

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام مسلمانوں سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ مکمل طور پر مل جل کر رہیں۔ چونکہ لوگ مختلف طریقے سے بنائے گئے ہیں اور مختلف خصوصیات کے مالک ہیں ہر ایک کے ساتھ ملنا ممکن نہیں ہے۔ ذہنیت کے فرق کی وجہ سے لوگ ہمیشہ ان لوگوں سے اختلاف کرتے ہیں جو مختلف ذہنیت کے مالک ہوتے ہیں۔ واحد شخص جو اس کو حاصل کرنے کے قابل ہوسکتا ہے وہ دو چہروں والا شخص ہے جو اپنے رویے اور رویے کو اس بات پر منحصر کرتا ہے کہ وہ کس کے ساتھ ہیں۔ لیکن یہ شخص بھی آخر کار اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے نقاب ہو جائے گا۔ صرف اس وجہ سے کہ ایک شخص دوسروں کے ساتھ نہیں ملتا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ انہیں ناپسند کرتے ہیں۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ اپنے رویوں اور طرز عمل میں مختلف ہیں۔ بالکل سکول کے بچے کی طرح جو اپنی کلاس کے ہر بچے کے ساتھ دوست نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں جن کے وہ دوست نہیں ہیں۔

اس لیے مسلمان کو غمگین نہیں ہونا چاہیے اگر وہ سب کے ساتھ نہ ہو، حتیٰ کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ۔ لیکن تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ سب کے ساتھ احترام کے ساتھ پیش آئیں اور ہر ایک کے حقوق ادا کریں خواہ وہ ان کے ساتھ نہ بھی ہوں کیونکہ یہ ایک مسلمان کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ اسلام یہی حکم دیتا ہے اور اگر کوئی سب کے ساتھ اس طرح عمل کرے تو وہ لوگوں کے ساتھ اپنے میل جول کو دونوں جہانوں میں پرامن اور فائدہ مند پائے گا۔

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - 2

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ وہ ایک وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، سماجی بائیکاٹ کے نتیجے میں مکہ کے مضافات میں تنہائی میں تھے۔ ان پر مکہ کے غیر مسلم مسلط ہوئے۔ ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا سوائے جھاڑیوں اور جنگلی پودوں کے پتوں کے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 186 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔ مثال کے طور پر، وہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے جہاں انہوں نے اپنے گھر والوں، گھروں، کاروباروں کو پیچھے چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک اجنبی سرزمین کی طرف ہجرت کی۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ صالح پیشروؤں کو درپیش تھا۔ لہذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ وہ اپنے گھر اور اہل و عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشروؤں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ علم ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت فراہم کر سکتا ہے

کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، پھر بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشروؤں کی ثابت قدمی کی پیروی کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - 3

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنے بیٹے کو لالچ سے بچو کیونکہ یہ فوری غربت کا باعث بنتا ہے۔ امام احمد بن حنبل کی کتاب الزهد ص/227 میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 2511 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرص سے خبردار کیا ہے۔ یہ فرض صدقہ کو روکنے کی طرف لے جا سکتا ہے جو دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث بنتا ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1403 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص اپنے واجب صدقات کو صدقہ نہ کرے اسے ایک بڑے زہریلے سانپ کا سامنا ہو گا جو قیامت کے دن اسے مسلسل ڈستا رہے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 180

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو جو کچھ دیا ہے اسے روکے رکھنے والے ہرگز یہ " نہ سوچیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ بلکہ ان کے لیے بدتر ہے۔ ان کی گردنوں میں قیامت کے دن وہ "...گھیر لیا جائے گا جو انہوں نے روک رکھا تھا

اگر کسی کا لالچ اسے رضاکارانہ صدقہ دینے سے روکتا ہے تو یہ غیر قانونی نہیں ہو سکتا لیکن یہ انتہائی ناپسندیدہ ہے کیونکہ یہ ایک سچے مومن کی خصوصیت سے متصادم ہے۔ سیدھے الفاظ میں کنجوس شخص اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - 4

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنے بیٹے کو مشورہ دیا کہ وہ ایسے قول و فعل سے بچو جس کے لیے اسے بعد میں معافی مانگنی پڑے۔ امام احمد بن حنبل کی کتاب الزہد ص/227 میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2012 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غور و فکر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جب کہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

یہ ایک انتہائی اہم تعلیم ہے جس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے مسلمان جو بہت زیادہ نیک اعمال انجام دیتے ہیں اکثر انہیں جلد بازی سے تباہ کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، وہ غصے میں کچھ برے الفاظ کہہ سکتے ہیں جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن جہنم میں جا سکتے ہیں۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2314 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

زیادہ تر گناہ اور مشکلات، جیسے دلائل، اس لیے پیش آتے ہیں کیونکہ لوگ چیزوں کو سوچنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے بجائے جلد بازی میں کام کرتے ہیں۔ ذہانت کی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی بولنے یا عمل کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور صرف اس وقت آگے آتا ہے جب وہ جانتا ہو کہ اس کی بات یا عمل دنیاوی یا دینی معاملات میں اچھا اور فائدہ مند ہے۔

اگر چہ ایک مسلمان کو اعمال صالحہ میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، پھر بھی ان کو انجام دینے سے پہلے غور و فکر کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی نیک عمل کا بدلہ محض اس لیے نہیں ملتا کہ اس کی شرائط اور آداب جلد بازی کی وجہ سے پورے نہ ہوئے ہوں۔ اس سلسلے میں، کسی بھی معاملے میں سوچنے کے بعد ہی آگے بڑھنا چاہیے۔

جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ نہ صرف اپنے گناہوں کو کم کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرے گا بلکہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں پیش آنے والی مشکلات مثلاً جھگڑے اور اختلاف کو کم کر دے گا۔

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - 5

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ غرور سے بچو اور اس کے علم کے لیے کہ وہ (خون کا لوتھڑا (کیا ہے اور وہ) قبر کی طرف (کہاں جا رہا ہے، اسے ترک کرنے میں مدد کرو۔ یہ اس پر ابن عبد ربیع، العقد الفرید، 2/185 میں بحث ہوئی ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 265 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ انہوں نے واضح کیا کہ فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص سچائی کو مسترد کرتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔

تکبر رکھنے والے کو نیک اعمال کی کوئی مقدار فائدہ نہیں دے گی۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی شیطان کو دیکھتا ہے اور جب وہ مغرور ہو گیا تو اس کی ان گنت سالوں کی عبادت نے اسے کیسے فائدہ نہیں پہنچایا۔ درحقیقت، مندرجہ ذیل آیت واضح طور پر غرور کو کفر سے جوڑتی ہے: اس لیے ایک مسلمان کو ہر قیمت پر اس بری صفت سے بچنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 34

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

مغرور وہ ہے جو حق کو اس وقت رد کرتا ہے جب وہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ان کی طرف سے نہیں آیا تھا اور یہ ان کی خواہشات اور ذہنیت کو چیلنج کرتا ہے۔ مغرور شخص یہ بھی مانتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں حالانکہ وہ اپنے آخری انجام اور دوسروں کے آخری انجام سے

بے خبر ہیں۔ یہ صریح جہالت ہے۔ درحقیقت، کسی بھی چیز پر فخر کرنا بے وقوفی ہے۔ یہاں تک کہ نیک اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ الہام، علم اور قوت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لہذا جس چیز کا تعلق فطری طور پر نہیں ہے اس پر فخر کرنا صریح حماقت ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص جو اس حویلی پر فخر کرتا ہے جس کا وہ مالک بھی نہیں اور نہ ہی رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فخر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق اور پیدائشی مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو للکارنے والا تکبر کے ساتھ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4090 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عاجزی اختیار کرے۔ عاجز واقعی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو بھی بھلائی ہے اور وہ تمام برائیاں جن سے وہ محفوظ ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی طرف سے نہیں۔ پس عاجزی انسان کے لیے غرور سے زیادہ موزوں ہے۔ انسان کو بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ عاجزی رسوائی کا باعث بنتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندوں سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرنے والے کے درجات میں اضافے کی ضمانت دی ہے۔

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - 6

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ وہ قناعت کے ذریعے دولت حاصل کرے کیونکہ یہ دولت ہے جو ختم نہیں ہوتی۔ اس پر ابن عبد ربیع، العقد الفرید، 3/164 میں بحث ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6470 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص اپنے پاس موجود مال پر راضی ہو گا وہ خود کفیل ہو جائے گا۔

حقیقی امیر وہ ہے جو محتاج اور چیزوں کا لالچی نہ ہو۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اس پر راضی ہو جاتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے، جو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی صحیح طور پر یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لامحدود علم کے مطابق ہر ایک کو بہترین چیز دیتا ہے۔ باب 2 :البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

یہ شخص واقعی امیر ہے جب کہ جو ہمیشہ چیزوں کا لالچی اور محتاج رہتا ہے وہ غریب ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ صحیح مسلم نمبر 2420 کی حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - 7

شام کی مہم کے دوران، مسلم فوجوں کو کمک کی ضرورت تھی کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس کے نتیجے میں خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رضاکاروں کو ان کے ساتھ شامل ہونے کے لیے کہا اور ہاشم بن عتبہ ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک بڑی فوج تشکیل دی گئی۔ اپنے چچا سے رخصت ہوتے وقت بزرگ صحابی سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے انہیں یاد دلایا کہ آگے بڑھو اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لڑو نہ کہ کسی دنیاوی مقصد کے لیے۔ انہوں نے مزید کہا کہ جب کوئی شخص اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سچا قدم اور نیک عمل ہی اٹھائے گا۔ ہاشم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اس نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا اور تبصرہ کیا کہ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے لوگوں کی خاطر عمل کیا تو وہ بلاشبہ خسارے میں ہوں گے۔ امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 653-655 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے بجائے دکھاوے جیسے کام لوگوں کی خاطر کرتے ہیں۔ عالی مقام کو کہا جائے گا کہ قیامت کے دن ان لوگوں سے ان کا اجر حاصل کریں جن کے لئے ، انہوں نے عمل کیا جو حقیقت میں ممکن نہیں ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام اعمال کی بنیاد حتیٰ کہ اسلام خود انسان کی نیت ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ صحیح بخاری نمبر 1 کی حدیث کے مطابق کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام دینی اور مفید دنیوی اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے، تاکہ وہ اس سے دونوں جہانوں میں اجر حاصل کرو۔ اس صحیح ذہنیت کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص نہ تو یہ توقع رکھتا ہے اور نہ ہی چاہتا ہے کہ لوگ ان کے اعمال کی تعریف کریں یا ان کا شکریہ ادا کریں۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے تو یہ اس کی غلط نیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، صحیح نیت کے ساتھ عمل کرنا اداسی اور تلخی کو روکتا ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کی خاطر کام کرتا ہے وہ آخر کار ناشکرے لوگوں کا سامنا کرے گا جو انہیں ناراض اور تلخ کر دیں گے کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ انہوں نے اپنی محنت اور وقت ضائع کیا ہے۔ بدقسمتی سے، والدین اور رشتہ داروں میں یہ دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے ان کی خاطر اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتا ہے، وہ دوسروں کے لیے اپنے تمام فرائض کو پورا کرے گا جیسے کہ ان کے بچے اور جب وہ ان کا شکر ادا کرنے میں ناکام ہوں گے تو وہ کبھی تلخ یا ناراض نہیں ہوں گے۔ یہ رویہ ذہنی سکون اور عمومی خوشی کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک عمل سے پوری طرح واقف ہے اور انہیں اس کا اجر دے گا۔ تمام مسلمانوں کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - 8

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فارسیوں کے خلاف اہم جنگ: القدسیہ کی جنگ میں فتح عطا فرمائی۔ مسلمانوں کی تعداد چار سے ایک تھی اور ان کے پاس وسائل کم تھے پھر بھی سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں وہ فتح حاصل کرنے تک اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، دشمن کے خلاف ڈٹے رہے۔ جلد 2، صفحہ 200 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

“...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو”

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے (معمولی گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے۔ لہذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ”
ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ - 9

جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بوڑھے ہوئے تو ان کی بینائی خراب ہونے لگی۔ ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنی کمزور نظر کو ٹھیک کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہیں کی، جیسا کہ مشہور ہے کہ آپ کی دعائیں ہمیشہ قبول ہوتی ہیں۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو (اس کی بینائی کے خراب ہونے کے بارے میں) اپنی بینائی سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اس پر ابن عبد ربیع، العقد الفرید، 3/164 میں بحث ہوئی ہے۔

قناعت کا یہ درجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے روضے کے مترادف ہے جب آپ کو ایک عظیم آگ: باب 21 الانبیاء، آیت 68 میں ڈالا گیا تھا۔

انہوں نے کہا کہ اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی حمایت کرو۔ اگر تم عمل کرنا چاہتے ہو۔"

واضح رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس عظیم واقعہ میں صبر و تحمل سے کام لیا۔ درحقیقت وہ صبر سے آگے نکل کر قناعت کے درجے پر پہنچ گیا۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ صبر کرنے والا کسی صورت حال سے شکایت نہیں کرتا بلکہ حالت بدلنے کی خواہش اور دعا بھی کرتا ہے۔ جبکہ قناعت کرنے والا اپنی پسند پر اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو ترجیح دیتا ہے اور اس لیے حالات کو بدلنے کی خواہش نہیں رکھتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آسانی سے اللہ تعالیٰ سے ان کی نجات کی دعا کر سکتے تھے۔ لیکن وہ ممکنہ طور پر اللہ تعالیٰ کی مرضی سے متصادم ہونے کی خواہش نہیں رکھتا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے شہید کرنا چاہا تھا۔ اگرچہ ایک دعا ابھی تک جائز ہوتی لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی مکمل بندگی چاہتا تھا اور اس لیے اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ کرتے ہوئے خاموش رہا۔ سیکھنے کا سبق یہ ہے کہ اگرچہ اس واقعہ میں آگ کی طرح کچھ حالات ظاہر اور تکلیف دہ محسوس کرتے ہیں، طویل مدت میں جو چیزیں رونما ہوتی ہیں وہ ایک مسلمان کے لیے اس کی خواہش سے بہتر ہوتی ہیں، خواہ وہ فوری طور پر ان کے پیچھے موجود حکمت کو نہ دیکھے۔ شاید

مشکل کا سامنا کرنا ایک مسلمان کو جنت میں داخل کرنے کی وجہ ہو سکتا ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ کم از کم صبر کیا جائے اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے فرمان پر راضی نہیں ہو سکتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند... ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے

ایک مسلمان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس نے ان کے لیے حالات کا انتخاب کیا، یعنی اللہ تعالیٰ ہی ان کو اس سے محفوظ طریقے سے نکال سکتا ہے۔ یہ صرف اس کی اطاعت سے اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2

”اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔“

سعید بن زیاد رضی اللہ عنہ - 1

جب سعید بن زیاد رضی اللہ عنہ پر کسی کی زمین چوری کرنے کا جھوٹا الزام لگایا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا جیسا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے، خبردار کر دو کہ جو بھی ایسا کرے گا قیامت کے دن دونوں زمینوں کی سات تہوں کے پاتال میں قید ہو جائیں گے۔ اس پر ابن امام اصفہانی کی کتاب ہلیات الاولیاء نمبر 194 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ اکثر قانونی معاملات میں جھوٹی گواہی کے ذریعے ہوتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2673 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جو شخص دوسروں کا مال ناجائز طور پر ہتھیانے کے لیے جھوٹی گواہی دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔ وہ ان سے ناراض ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، اس کا اطلاق تمام لوگوں کی ملکیت لینے پر ہوتا ہے، خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ یہی نتیجہ ہو گا اگر کوئی شخص اپنی زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں بھی اللہ تعالیٰ کی بدقسمتی سے، یہ عام طور پر خاص طور پر اطاعت کرتا ہے، جیسے فرض نمازوں کی ادائیگی۔ مسلمان ایسی چیز لینے کے لیے قانونی عدالتوں میں جھوٹے جہاں تیسری دنیا کے ممالک میں ہوتا ہے دعوے دائر کرتے ہیں جو ان کی نہیں ہوتی، جیسے کہ مال اور جائیداد۔ صحیح بخاری نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے۔ درحقیقت یہ حدیث جھوٹ کو شرک اور والدین کی نافرمانی کے بعد رکھتی ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی یہی فرمایا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 30

”پس بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی باتوں سے بچو۔“

جو جھوٹی کو سخت تنبیہ کرتی ہے سنن ابن ماجہ نمبر 2373 میں موجود ایک حدیث اس شخص گواہی سے سچے دل سے توبہ نہیں کرتا۔ اگر وہ توبہ کرنے میں ناکام رہے تو وہ قیامت کے دن اس وقت تک حرکت نہیں کریں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں جہنم میں نہ بھیج دے۔ درحقیقت جو کوئی ایسی چیز لینے کے لیے جھوٹی گواہی دیتا ہے جس کا انہیں کوئی حق نہیں ہے تو وہ جہنم میں جائے گا خواہ وہ چیز کسی درخت کی ٹہنی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 353 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

جھوٹا گواہ بننا اتنا سنگین گناہ ہے کہ اس میں بہت سے دوسرے بھیانک گناہ شامل ہیں، جیسے جھوٹ بولنا۔ جھوٹا گواہ اس شخص کے خلاف گناہ کرتا ہے جس کے خلاف وہ گواہی دے رہے ہیں۔ یہ گناہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت تک معاف نہیں کیا جائے گا جب تک کہ مقتول انہیں پہلے معاف نہ مقتول کو دی جائیں گی اور اگر ضرورت جھوٹے گواہ کی نیکیاں کر دے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو پڑی تو مظلوم کے گناہ جھوٹے گواہ کو دے دیے جائیں گے تاکہ قیامت کے دن انصاف ہو سکے۔ یہ جھوٹے گواہ کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔ جھوٹا گواہ بھی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اگر وہ کسی کی طرف سے گواہی دے تاکہ بعد والا کوئی ایسی چیز لے لے جس کا انہیں کوئی حق نہیں۔ یہ رویہ قرآن پاک کے اس حکم کو واضح طور پر چیلنج کرتا ہے جو مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہے کہ برائی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کریں بلکہ اچھے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔“

جھوٹا گواہ کسی ایسی چیز کو استعمال کر کے مزید گناہوں کا ارتکاب بھی کرے گا جو حاصل کرنے کے طریقے کی وجہ سے حرام ہو گیا ہو۔ مثال کے طور پر، اگر کسی شخص نے اس طریقے سے

مال حاصل کیا اور پھر اسے صدقہ کیا تو وہ رد کر دیا جائے گا اور گناہ کے طور پر لکھا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف حلال کو قبول کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 2342 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ درحقیقت وہ مال کے ساتھ جو کچھ بھی کریں گے وہ فضل سے خالی اور گناہ ہوگا جیسا کہ یہ ناجائز طریقے سے حاصل کیا گیا تھا۔

تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ ہمیشہ سچ بولیں چاہے وہ عام روزمرہ کی گفتگو میں ہو یا عدالتی معاملے میں حلف کے تحت۔ ہر طرح کا جھوٹ گناہوں کا باعث بنتا ہے جو کہ جہنم میں لے جاتا ہے۔ جو جھوٹ بولتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کو بہت بڑا جھوٹا لکھے گا۔ یہ جاننے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ قیامت کے دن کسی ایسے شخص کے ساتھ کیا ہونے کا امکان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بڑا جھوٹا قرار دیا ہو۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

سعید بن زیاد رضی اللہ عنہ - 2

سعید بن زیاد رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کسی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے سنا تو جواب دیا کہ ان میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں شریک ہے۔ اور اس عمل میں اس کا چہرہ خاک آلود ہو جانا، تنقید کرنے والے کی ساری زندگی کے اعمال صالحہ سے بہتر تھا، خواہ اس کو حضرت نوح علیہ السلام کی عمر جتنی بھی زندگی دی جائے۔ اس پر صالح احمد الشامی، معاذ الصحابہ، صفحہ 304-305 میں بحث کی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد پیدا ہونے والا بہترین گروہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جسمانی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی زندگی کے دوران دیکھا، یقیناً ایک عنصر ہے۔ لیکن جو کوئی ان کی زندگی اور ان کے اعمال صالحہ کے بارے میں جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ان کی برتری صرف اس منفرد اور عظیم عمل سے زیادہ ہے۔

ان کی فضیلت کی ایک بڑی وجہ صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعلق ایک حدیث میں دکھائی گئی ہے جو کہ صحیح مسلم نمبر 6515 میں موجود ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ سوار تھے۔ ریگستان میں جب وہ ایک بدو سے ملے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اعرابی کو سلام کیا، اعرابی کے سر پر اپنی پگڑی رکھ دی اور اعرابی کو اپنی سواری پر سوار ہونے کی تاکید کی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ اس نے اعرابی کو جو سلام کیا وہ کافی سے زیادہ تھا کیونکہ اعرابی اس بات پر بہت خوش ہوا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم صحابی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سلام کیا۔ ، اسے سلام کیا۔ اس کے باوجود ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بہت آگے جا کر بدویوں کا بہت احترام کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا صرف اس لیے کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار یہ نصیحت کی تھی کہ ایک شخص اپنے والدین کی عزت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ محبت اور احترام کیا جائے۔ والدین کے رشتہ دار اور دوست۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مزید کہا کہ اعرابی کے والد اپنے والد امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔

یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ وہ مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے تابع تھے۔ انہوں نے نہ صرف فرض کی ادائیگی کی اور تمام گناہوں سے اجتناب کیا بلکہ ان تمام اعمال کو مکمل طور پر پورا کیا جن کی سفارش ان کے لیے ممکن حد تک ممکن تھی۔ ان کی سر تسلیم خم کرنے کی وجہ سے وہ اپنی خواہشات کو ایک طرف رکھ کر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ آسانی سے اعرابی کو نظر انداز کر سکتے تھے کیونکہ اس نے جو عمل کیا تھا ان میں سے کوئی بھی واجب نہیں تھا، اس عذر کو استعمال کرنے والے بہت سے مسلمانوں کے برعکس، اس نے مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے سامنے سر تسلیم . خم کر دیا اور جس طرح اس نے عمل کیا۔

اسلام کی تعلیمات کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کا ایمان کمزور ہوا ہے۔ بعض تو صرف واجبات کو پورا کرتے ہیں اور دوسرے اعمال صالحہ سے اعراض کرتے ہیں، مثلاً صدقہ، جو ان کی خواہشات کے خلاف یہ کہتے ہوئے کہ اعمال واجب نہیں ہیں۔ تمام مسلمان آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ختم ہونے کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن اگر وہ ان کے راستے یا راستے پر نہ چلیں تو یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر کوئی مسلمان ان کے سوا کسی اور راستے پر چلے گا تو وہ ان کے ساتھ کیسے جا سکتا ہے؟ ان کے ساتھ ختم ہونے کے لیے ان کے راستے پر چلنا چاہیے۔ لیکن یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کوئی شخص اپنی خواہشات کے مطابق کام کرنے کی بجائے اسلام کی تعلیمات کو مکمل طور پر تسلیم کر لے جیسا کہ انہوں نے کیا تھا۔

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ - 1

لوگ جب ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کرتے تو جب بھی وہ بیمار ہوتے تو ہمیشہ دیکھتے کہ ان کا چہرہ چمکتا اور چمکتا ہے۔ جب ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، مجھے امید ہے کہ اس کی دو نیکیاں اس کا سبب بنیں۔ حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 447 میں بحث کی گئی ہے۔

پہلا یہ تھا کہ اس نے ایسی باتوں کے بارے میں بات کرنے سے گریز کیا جس سے اس کا تعلق نہیں تھا۔

جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک اپنے اسلام کو بہترین نہیں بنا سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں سے اجتناب نہ کرے جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اس حدیث میں ایک ہمہ گیر نصیحت ہے جس کا اطلاق زندگی کے ہر پہلو پر ہونا چاہیے۔ اس میں ایک شخص کی تقریر کے ساتھ ساتھ ان کے دیگر جسمانی اعمال بھی شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان اپنے ایمان کو کامل کرنا چاہتا ہے اسے ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے، قول و فعل کے ذریعے، جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس کے بجائے وہ خود کو ان کاموں میں مشغول رکھیں جو کرتے ہیں۔ انسان کو ان باتوں کو بہت سنجیدگی سے لینا چاہیے جو ان کے ساتھ ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کی کوشش کریں جو اسلام کی تعلیمات کے مطابق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی سوچ یا خواہشات کے مطابق چیزوں سے گریز کرے تو وہ اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکے گا۔ لیکن جو اپنا ایمان کامل کرتا ہے وہ ان چیزوں سے اجتناب کرتا ہے جن سے بچنے کی اسلام نے نصیحت کی ہے۔ یعنی اپنے تمام فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، تمام گناہوں اور اسلام میں ناپسندیدہ چیزوں سے

بچنا چاہیے اور غیر ضروری حلال چیزوں کے زیادہ استعمال سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ اس فضیلت کو حاصل کرنا ایمان کی فضیلت کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 کی حدیث میں ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتا ہے کہ گویا وہ اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے یا وہ کم از کم اللہ سے پوری طرح واقف ہو جاتا ہے۔ ان کے ہر خیال اور عمل کا مشاہدہ کرنے والا۔ اس الہی نگرانی سے آگاہ ہونا ایک مسلمان کو ہمیشہ گناہوں سے پرہیز کرنے اور اعمال صالحہ کی طرف جلدی کرنے کی ترغیب دے گا۔ جو ان چیزوں سے پرہیز نہیں کرتا جن سے کوئی سروکار نہیں وہ اس درجہ فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔

ان چیزوں سے اجتناب کرنے کا ایک بڑا پہلو جن سے انسان کو کوئی سروکار نہیں ہوتا اس کا تعلق تقریر سے ہے۔ گناہوں کی کثرت اس وقت ہوتی ہے جب انسان ایسے الفاظ کہے جن سے کوئی تعلق نہ ہو، جیسے غیبت اور غیبت۔ فضول گفتگو کی تعریف یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایسے الفاظ کہے جو گناہ کے تو نہ ہوں لیکن بیکار ہوں اور اس لیے ان کی فکر نہ ہو۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ لغو بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ لاتعداد دلائل، لڑائیاں اور یہاں تک کہ جسمانی نقصان بھی صرف اس لیے ہوا ہے کہ کسی نے ایسی بات کی جس سے انہیں کوئی سروکار نہ ہو۔ کئی خاندان تقسیم ہو چکے ہیں۔ بہت سی شادیاں ختم ہو چکی ہیں کیونکہ کسی کو ان کے کاروبار پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مفید کلام کی مختلف اقسام کی نصیحت فرمائی ہے جس سے لوگوں کو فکر مند ہونا چاہیے۔ باب 4 النساء، آیت 114

ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا حکم " دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

درحقیقت ایسے الفاظ کا بولنا جو انسان کے لیے فکرمند نہ ہوں، لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ہو گی۔ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2412 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ تمام تقریریں شمار ہوں گی۔ کسی شخص کے خلاف جب تک کہ اس کا تعلق نیکی کی نصیحت، برائی سے منع کرنے یا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ

تقریر کی دیگر تمام شکلیں کسی شخص کی فکر نہیں ہیں کیونکہ ان سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اچھی نصیحت کرنا ہر اس چیز کو شامل کرتا ہے جو کسی کی دنیاوی اور مذہبی زندگی میں فائدہ مند ہو، جیسے کہ وہ پیشہ۔

لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے قول و فعل کے ذریعے ان باتوں سے بچنے کی کوشش کریں جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے تاکہ وہ اپنے ایمان کو مکمل کر سکیں۔ سیدھے الفاظ میں، جو شخص ان چیزوں کے لیے وقت لگاتا ہے جن سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، وہ ان چیزوں میں ناکام ہو جاتا ہے جو ان سے متعلق ہیں۔ اور جو اپنے آپ کو ان چیزوں میں مشغول رکھتا ہے جو ان سے متعلق ہیں وہ ان چیزوں پر خرچ کرنے کے لئے وقت نہیں پائے گا جو ان سے متعلق نہیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں گے۔

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا دوسرا عمل یہ ہے کہ آپ نے کسی مسلمان کے بارے میں بغض نہیں رکھا۔

سنن ابو داؤد نمبر 4860 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو دوسروں کے بارے میں منفی بات کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس سے لوگوں کے دلوں میں ان کے بارے میں برے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ خاندان خاص طور پر ایشیائی کمیونٹی سے، وقت کے ساتھ ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہ ایک سب سے بڑی شکایات ہے جو خاندان کے ممبران، جیسے والدین کو اکثر ہوتی ہے۔ وہ حیران ہیں کہ ان کے بچے کیوں الگ ہو گئے ہیں حالانکہ وہ کبھی مضبوطی سے ایک ساتھ تھے۔

رشتہ داروں کے درمیان تعلقات کے ٹوٹنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ کسی نے ان کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہے۔ یہ اکثر خاندان کے کسی فرد کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک ماں اپنے دوسرے بچے سے اپنے بیٹے کے بارے میں منفی بات کرے گی۔ یہ دونوں رشتہ داروں کے درمیان دشمنی کا باعث بنتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ دونوں کے درمیان دراڑ پیدا کر دیتا ہے۔ جو کبھی ایک شخص کی طرح تھے وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ بہت کم لوگوں کے علاوہ، جب کسی شخص سے کسی دوسرے کے بارے میں کوئی منفی بات کہی جائے تو وہ اس سے متاثر ہو جائیں گے، خواہ وہ یہ نہ چاہتے ہوں۔ یہ دشمنی تب بھی ہوتی ہے جب کہ ابتدائی شخص جس نے کسی کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہو وہ رشتہ داروں کے درمیان پچر پیدا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ کچھ اکثر عادت سے ہٹ کر اس طرح کام کرتے ہیں اور تعلقات کو خراب کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اکثر یہ عادت اپناتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے بچوں کے رشتے ٹوٹنے یا ٹوٹنے کی خواہش نہیں رکھتے۔

یہ رویہ لوگوں کی ذہنیت پر اتنا گہرا اثر ڈالتا ہے کہ اس سے ان رشتہ داروں پر بھی اثر پڑتا ہے جو ایک دوسرے کو بہت کم دیکھتے یا بات کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک شخص کسی شخص کے رشتہ دار کے بارے میں منفی باتوں کا ذکر کرے گا حالانکہ اس کا رشتہ دار بھی ان جیسے ملک میں نہیں رہتا۔ یہ رویہ ان کے دل میں دشمنی کو پیوست کر دیتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ یہ محسوس کریں گے کہ وہ اپنے دور کے رشتہ دار کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ وہ انہیں بمشکل جانتے ہیں۔

یہ مسئلہ اکثر اس وقت ہوتا ہے جب دو افراد دوسرے لوگوں کے سامنے دوسروں کے بارے میں منفی باتوں پر بحث کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اپنے بچوں کے سامنے اپنے رشتہ داروں کے بارے میں منفی باتیں کر سکتے ہیں۔ اگرچہ، وہ اپنے بچوں کو براہ راست کچھ نہیں بتا رہے ہیں، یہ اب بھی ان کے دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے واقعی غور کرے تو وہ سمجھ جائے گا کہ دوسروں کے تئیں ان کے بیمار جذبات کی اکثریت اس شخص کے کیے یا ان سے

براہ راست کہنے کی وجہ سے نہیں تھی۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ کسی تیسرے فریق کی وجہ سے ہوا ہے جس نے ان سے اس شخص کے بارے میں کسی منفی بات کا ذکر کیا۔

ایسی صورتوں میں جہاں کوئی دوسرے کو کسی خطرے سے خبردار کرنے کی کوشش کر رہا ہو تو کسی دوسرے شخص کا منفی انداز میں ذکر کرنا بالکل قابل قبول ہے۔ اگر کوئی دوسرے کو سبق سکھانے کی کوشش کر رہا ہے مثلاً اگر کوئی ماں اپنے بچوں میں سے کسی کو یہ سکھانا چاہتی ہے کہ وہ اپنے بہن بھائیوں کی طرح برتاؤ نہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں۔ شخص کا نام لیے بغیر منفی بات کا ذکر کریں۔ اس خوبصورت ذہنیت کی ایک مثال صحیح بخاری نمبر 6979 میں موجود حدیث میں موجود ہے۔ کسی شخص کا نام لیے بغیر کسی منفی بات کا ذکر کرنا کسی کو سبق سکھانے کے لیے کافی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کو اپنے رشتہ داروں یا دوسروں کے بارے میں، نجی یا عوامی طور پر منفی بات کرنے سے پہلے گہرائی سے غور کرنا چاہیے۔ بصورت دیگر، وہ اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں جیسے جیسے وقت گزرتا ہے ان کا خاندان الگ ہو جاتا ہے اور جذباتی طور پر ایک دوسرے سے دور ہو جاتا ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ - 1

انس رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ ایک آدمی کو اپنے خادم کے ساتھ گورنر کا انتظار کرتے ہوئے پایا۔ اس نے اس شخص سے سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ اس کے نوکر نے ایک گناہ کیا ہے جس کی قانونی سزا ضروری ہے اور وہ گورنر کو اس کی اطلاع دینے والا ہے تاکہ اس کے نوکر پر قانونی سزا نافذ ہو۔ انس رضی اللہ عنہ نے تاکید کی کہ وہ خادم کے ساتھ گھر لوٹے اور ان کے گناہ کو ظاہر اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، نہ کرے۔ آخر کار آدمی راضی ہو گیا۔ صفحہ 439 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6853 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو دنیا اور آخرت دونوں میں چھپائے گا۔ اگر کوئی اس پر غور کرے تو یہ بات بالکل واضح ہے۔ جو لوگ دوسروں کے عیبوں کو ظاہر کرنے کے عادی ہیں وہی لوگ ہیں جن کے عیوب کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے۔ لیکن دوسروں کے عیب چھپانے والے کو معاشرہ ایسا سمجھتا ہے جس کا کوئی عیب نہ ہو۔

اس نصیحت کے سلسلے میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ پہلے وہ ہیں جن کے غلط کام نجی معنیٰ میں ہوتے ہیں، یہ شخص کھلم کھلا گناہ نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے گناہوں کو فخریہ انداز میں دوسروں پر ظاہر کرتا ہے۔ اگر یہ شخص پھسل جائے اور کوئی ایسا گناہ کرے جو دوسروں کو معلوم ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کی جائے جب تک کہ اس سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچے۔ باب 24 النور، آیت 19

بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیل جائے ان کے لیے دنیا اور ”آخرت میں دردناک عذاب ہے۔“

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4375 میں موجود ایک حدیث میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنے والوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرنے کی نصیحت کی۔

دوسری قسم کا وہ فاسق ہے جو کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ لوگ ان کے بارے میں معلوم کریں۔ درحقیقت، وہ اکثر ان گناہوں پر فخر کرتے ہیں جو انہوں نے دوسروں کے ساتھ کیے ہیں۔ جیسا کہ وہ دوسروں کو برے طریقے سے کام کرنے کی ترغیب دیتے ہیں تاکہ دوسروں کو تنبیہ کرنے کے لیے ان کے عیبوں کا پردہ فاش کرنا اس حدیث کے منافی نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس شخص کے عیوب کو ظاہر کرنے کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کے عیب ظاہر کرے گا، جس کا ذکر سنن ابن ماجہ نمبر 2546 کی حدیث میں ہے، جب تک کہ وہ کسی دوسرے کے عیب کو ظاہر کر رہا ہو۔ صحیح وجہ سے

انس بن مالک رضی اللہ عنہ - 2

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نصیحت کی کہ جب بھی کوئی درخت دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے سفر میں جدا کر دیتا تو جب وہ درخت کے پاس سے گزرتے تو وہ ایک اس پر امام محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حیات صحابہ، دوسرے کو اسلامی سلام سے سلام کرتے۔ جلد 2، صفحہ 505 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 12 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام میں پائے جانے والے ایک اچھے معیار کی نصیحت کی۔ یعنی سلام کا اسلامی سلام ان لوگوں تک پہنچانا جن کو وہ جانتا ہے اور جن کو وہ نہیں جانتے۔

اس اچھی خصوصیت پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ آج کل مسلمان اکثر صرف ان لوگوں کو امن کا اسلامی سلام پھیلاتے ہیں جنہیں وہ جانتے ہیں۔ اسے سب تک پہنچانا ضروری ہے کیونکہ اس سے لوگوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور اسلام مضبوط ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ خصوصیت صحیح مسلم نمبر 194 میں موجود حدیث کے مطابق جنت کی طرف لے جاتی ہے۔

ایک مسلمان کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ دوسروں کو بھیجے جانے والے ہر سلام کے لیے کم از کم دس انعامات حاصل کریں گے چاہے دوسرے ان کا جواب نہ دیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 5195 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں کے نفس اور مال سے دور رکھ کر اپنی دوسری تقریر اور عمل میں اس امن کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلامتی کے اسلامی سلام کو صحیح طریقے سے پورا کرے۔ یہ حقیقت میں سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث کے مطابق سچے مسلمان اور مومن کی تعریف ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ - 3

مسجد میں اذان سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہونے تک چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے لگے۔ اس نے بعد میں تبصرہ کیا کہ وہ اس طرح چلتے رہے جیسے اس کی خواہش تھی کہ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات مسجد تک ان کے قدموں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ صحابہ، جلد 3، صفحہ 146 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی کی حدیث نمبر 3235 میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گناہوں کو مٹانے والے تین کاموں کی تلقین فرمائی۔ ان اعمال میں سے ایک نماز باجماعت کے لیے مساجد کی طرف چلنا ہے۔

نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے مساجد کی طرف بہت سے قدم اٹھانے کا ذکر بہت سی احادیث میں آیا ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 2119 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ جو شخص گھر میں وضو کرتا ہے اور باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے مسجد کی طرف نکلتا ہے تو اس کے ہر قدم کے بدلے اس کا گناہ بخش دیا جاتا ہے یا اس کے درجات میں ایک درجہ اضافہ ہوتا ہے۔ فرشتے اس وقت تک ان کی مغفرت کی دعا کرتے رہیں گے جب تک وہ مسجد کے اندر بغیر وضو کیے رہیں گے اور دوسروں کے لیے پریشانی پیدا کرنے سے باز رہیں گے۔ آخر میں، وہ ایک ایسے شخص کے طور پر ریکارڈ کیا جائے گا جو نماز پڑھ رہا ہے جب تک کہ وہ جماعت کی نماز شروع ہونے کا انتظار کر رہے ہوں۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جماعت کی نماز گھر یا کام پر پڑھنے سے 25 گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2891 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی طرف جو بھی قدم اٹھایا جائے وہ صدقہ ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اندھیرے میں باجماعت نماز کے لیے مساجد کی طرف پیدل چلنے والوں کے لیے قیامت کے دن مکمل روشنی کی بشارت دی۔ اس سے مراد صبح اور شام کی فرض نمازیں ہیں۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 780 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

باجماعت نماز پڑھنا اس قدر ضروری ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس شخص کو جو بغیر کسی وجہ کے باقاعدگی سے ادا نہیں کیا اسے منافق قرار دیا۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 850 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 1

ایک دفعہ لوگوں کے ایک گروہ نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ کبھی کسی ایسے اس شخص کو نہیں جانتے جس نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح شفقت سے تعلیم دی ہو۔ پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 556-557 میں بحث ہوئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمان کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159

پس اللہ کی رحمت سے، [اے محمد]، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل " "میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔"

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ: حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طہ، آیت 44

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے۔“۔”

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے خاندان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 2

علی ابن ابی طالب نے ایک دفعہ کہا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید پڑھا اور جس اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، چیز کو حلال کیا اسے حلال اور حرام کو حرام سمجھا۔ جلد 2، صفحہ 556-557 میں بحث ہوئی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے حقوق ادا کیے تھے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس پر عمل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظر انداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو اسے سمجھنا ہے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے رہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور دنیاوی چیزوں مثلاً شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔

درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82

اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ”ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔“

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک دنیاوی مسائل کا علاج ہونے کے باوجود مسلمان کو صرف اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن مجید کو صرف اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے کہ وہ اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے اس کی تلاوت کریں، قرآن مجید کو ایک آلے کی طرح سمجھیں جو مشکل کے وقت ہٹا کر دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام آخرت کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کر دینا اور اسے صرف اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو ابھی تک بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے، اس کے پاس کوئی انجن نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 3

علی ابن ابو طالب نے ایک دفعہ کہا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایمان کی گہری سمجھ رکھتے اس پر امام محمد تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کا بے پناہ علم رکھتے تھے۔ کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 556-557 میں بحث ہوئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2645 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بھلائی دینا چاہتا ہے تو اسے اسلامی علم عطا کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اپنے ایمان کی مضبوطی سے قطع نظر دونوں جہانوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان یہ غلط سمجھتے ہیں کہ یہ خیر جس کی وہ خواہش کرتے ہیں وہ شہرت، دولت، اختیار، صحبت اور اپنے کیریئر میں مضمحل ہے، یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہی حقیقی دیرپا بھلائی ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ دینی علم کی ایک شاخ مفید دنیاوی علم ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے حلال رزق کماتا ہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ کہاں کہاں بھلائی ہے لیکن یہ شرم کی بات ہے کہ کتنے مسلمان اس کی قدر نہیں کرتے۔ وہ زیادہ تر معاملات میں اپنے واجبات کو پورا کرنے کے لیے صرف اسلامی علم کا کم سے کم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات جیسی مزید چیزوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ دنیاوی چیزوں پر اپنی کوششیں وقف کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ وہاں حقیقی اچھائی پائی جاتی ہے۔ بہت سے مسلمان اس بات کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ نیک پیشروؤں کو صرف ایک آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سیکھنے کے لیے ہفتوں تک سفر کرنا پڑا، جب کہ آج کوئی اپنا گھر چھوڑے بغیر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود، بہت سے لوگ اس نعمت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو جدید دور کے مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نہ صرف یہ بتا دیا ہے کہ سچی بھلائی کہاں ہے بلکہ اس نیکی کو انگلی

كے اشارے پر بھی ركھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان كو بتا دیا ہے كه ایک ابدی دفن خزانہ کہاں ہے جو دونوں جہانوں میں پیش آنے والے تمام مسائل كو حل كر سكتا ہے۔ لیكن مسلمانوں كو یہ بھلائی تبھی ملے گی جب وہ اسے حاصل كرنے اور اس پر عمل كرنے كی جدوجہد كریں گے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 4

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنی زبان کو پکڑا اور اسے حکم دیا کہ اچھی بات کہو تاکہ اس سے ثواب ملے اور برائی سے اجتناب کیا جائے تاکہ امن حاصل ہو اور ندامت سے بچا جا سکے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ انسان کے زیادہ تر گناہ اس کی زبان سے نکلتے ہیں۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 642 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ باب 4 النساء، آیت 114 سے مربوط ہے

ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا حکم " دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ لوگوں کو دوسروں کے ساتھ گفتگو کرتے وقت اپنے آپ کو کیسا برتاؤ کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنے اور دوسروں کے لیے فائدہ اٹھا سکیں۔ پہلا یہ کہ جب مسلمان جمع ہوں تو وہ اس بات پر بحث کریں کہ دوسروں کو کس طرح فائدہ پہنچانا ہے جس میں مال اور جسمانی امداد کی شکل میں صدقہ شامل ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی ضرورت مند کی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو یہ ان کی مدد کرنے کے برابر ثواب حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6800 میں ایک حدیث ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کو نیکی کی طرف ترغیب دیتا ہے اسے اس طرح اجر ملے گا جیسے اس نے خود اچھا عمل کیا۔ اگر کوئی مشکل میں کسی کی مدد نہیں کر سکتا یا دوسرے کو اس کام کو پورا کرنے کی ترغیب نہیں دے سکتا تو وہ کم از کم دوسروں کو ضرورت مند کے لیے دعا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔ غائب شخص کے لیے دعا کرنے سے فرشتے دعا کرنے والے کے لیے دعا کرتے ہیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 1534 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ ذہنیت گروہ کو ضرورت مندوں سے ملنے کی ترغیب

دے سکتی ہے جو انہیں جذباتی مدد فراہم کرتا ہے۔ اس کا ایک طاقتور نفسیاتی اثر پڑتا ہے اور ان کی مشکلات سے نمٹنے کے دوران انہیں طاقت کا ایک نیا انداز فراہم کرتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب کوئی کسی ضرورت مند کی حالت کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کا مقصد اس کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کرنا ہوتا ہے۔ وقت گزرنے اور انہیں طنز کا نشانہ بنانے کی خاطر ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

برکت حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی کسی حلال کے بارے میں بات کرتا ہے جو اس دنیا یا آخرت میں کسی کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اس پہلو میں اپنی زندگی کے ہر پہلو میں دوسروں کو نیکی کرنے اور برائی سے باز رہنے کی تلقین کرنا شامل ہے۔

تیسرا پہلو جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے وہ تعمیری ذہنیت کے ساتھ دوسروں کے ساتھ بات چیت کرنا ہے جو لوگوں کو تباہ کن ذہنیت رکھنے کی بجائے مثبت انداز میں اکٹھا کرتا ہے جو معاشرے میں تفرقہ کا باعث بنتا ہے۔ اگر کوئی شخص محبت بھرے انداز میں لوگوں کو اکٹھا نہیں کر سکتا تو کم از کم وہ کر سکتا ہے کہ ان کے درمیان تفرقہ پیدا نہ ہو۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے تو یہ ایک نیکی کے طور پر درج ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2518 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

درحقیقت سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دو مخالف مسلمانوں کے درمیان صلح کرنا نماز اور روزہ سے افضل ہے۔ معاشرے میں پائی جانے والی ہر اچھی چیز اسی پاکیزہ رویے کا نتیجہ تھی جیسے سکول، ہسپتال اور مساجد کی تعمیر۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اس آیت میں مذکور عظیم اجر تبھی ملے گا جب وہ اللہ نہ صرف ان کے جسمانی عمل کی بنیاد پر شخص تعالیٰ کی رضا کے لیے نیک اعمال انجام دیں گے۔ پر ان کی نیت پر انعام دیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے

لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں ان مسلمان کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ بے ایمان ہوتی ہے۔
جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 3154 میں
موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 5

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ مشورہ دیا کہ لوگوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرنی چاہیے کیونکہ امت مسلمہ میں سے ان کے روحانی دل سب سے زیادہ صالح ہوتے ہیں، ان کا علم سب سے زیادہ گہرا ہوتا ہے، وہ کم از کم دکھاوا کرنے والے ہوتے ہیں۔ مثال میں سب سے زیادہ ثابت قدم ہیں اور ان کی مذہبی حالت بہترین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی بننے اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے منتخب کیا۔ لوگوں کو ان کی قدر و منزلت اس کو تسلیم کرنا چاہیے اور ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے کیونکہ وہ صحیح رہنمائی پر فائز تھے۔ پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 3، صفحہ 289 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو غیر مسلموں کے رسم و رواج کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ مسلمان جتنا زیادہ ایسا کریں گے وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔ یہ اس دور اور دور میں بالکل واضح ہے کیونکہ بہت سے مسلمانوں نے دوسری قوموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، کسی کو صرف جدید مسلم شادی کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ مسلمانوں نے کتنے غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے۔ جو چیز اس سے بدتر بناتی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات اور غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں پر مبنی اسلامی طریقوں میں فرق نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ سے غیر مسلم بھی ان میں تفریق نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے اسلام کے لیے بہت زیادہ مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر غیرت کے نام پر قتل ایک ثقافتی عمل ہے جس کا ابھی تک اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی جہالت اور غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنانے کی ان کی عادت کی وجہ سے جب بھی معاشرے میں غیرت کے نام پر قتل ہوتا ہے تو اسلام کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو متحد کرنے کے لیے ذات پات اور بھائی چارے کی شکل میں سماجی رکاوٹوں کو دور کیا لیکن جاہل مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنا کر انہیں زندہ کیا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، مسلمان جتنے زیادہ ثقافتی طریقوں کو اپنائیں گے، وہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 6

اسلام کے علم اور فہم کا حوالہ دیتے ہوئے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا کہ جب تک ان سے کوئی سوال نہ کرو۔ یہ چراغ (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) ان کے درمیان رہتے تھے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 244 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2645 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بھلائی دینا چاہتا ہے تو اسے اسلامی علم عطا کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اپنے ایمان کی مضبوطی سے قطع نظر دونوں جہانوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان یہ غلط سمجھتے ہیں کہ یہ خیر جس کی وہ خواہش کرتے ہیں وہ شہرت، دولت، اختیار، صحبت اور اپنے کیریئر میں مضمحل ہے، یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہی حقیقی دیرپا بھلائی ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ دینی علم کی ایک شاخ مفید دنیاوی علم ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے حلال رزق کماتا ہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ کہاں کہاں بھلائی ہے لیکن یہ شرم کی بات ہے کہ کتنے مسلمان اس کی قدر نہیں کرتے۔ وہ زیادہ تر معاملات میں اپنے واجبات کو پورا کرنے کے لیے صرف اسلامی علم کا کم سے کم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات جیسی مزید چیزوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ دنیاوی چیزوں پر اپنی کوششیں وقف کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ وہاں حقیقی اچھائی پائی جاتی ہے۔ بہت سے مسلمان اس بات کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ نیک پیشروؤں کو صرف ایک آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سیکھنے کے لیے ہفتوں تک سفر کرنا پڑا، جب کہ آج کوئی اپنا گھر چھوڑے بغیر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود، بہت سے لوگ اس نعمت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو جدید دور کے مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اپنے نبی محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نہ صرف یہ بتا دیا ہے کہ سچی بھلائی کہاں ہے بلکہ اس نیکی کو انگلی کے اشارے پر بھی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بتا دیا ہے کہ ایک ابدی دفن خزانہ کہاں ہے جو دونوں جہانوں میں پیش آنے والے تمام مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ بھلائی تبھی ملے گی جب وہ اسے حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی جدوجہد کریں گے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 7

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ لوگ قرآن پڑھنے والے کو اس وقت پہچان سکتے ہیں جب وہ رات کو عبادت کرتے رہتے ہیں اور دوسرے سو رہے ہوتے ہیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 245 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1145 میں موجود ایک الوبی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر رات اپنی لامحدود شان کے مطابق قریب ترین آسمان پر نزول فرماتا ہے اور لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس سے دعا کریں۔ ان کی ضروریات پوری کریں تاکہ وہ ان کو پورا کر سکے۔

رات کی رضاکارانہ عبادت اللہ تعالیٰ کے تنہیں انسان کے اخلاص کو ثابت کرتی ہے کیونکہ کوئی دوسری آنکھ انہیں نہیں دیکھ رہی ہوتی۔ اسے پیش کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مباشرت کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور یہ اس کی بندگی کی علامت ہے۔ اس کے بے شمار فضائل ہیں مثال کے طور پر سنن نسائی نمبر 1614 میں موجود ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ یہ سب سے افضل نماز ہے۔

قیامت کے دن یا جنت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہو گا اور یہ درجہ براہ راست رات کی نماز سے مربوط ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ رات کو نفلی نماز قائم کرتے ہیں انہیں دونوں جہانوں میں اعلیٰ درجات سے نوازا جائے گا۔ باب 17
:الاسراء، آیت 79

اور رات کے کچھ حصے سے، اس کے ساتھ نماز پڑھو [یعنی قرآن کی تلاوت] اپنے لیے اضافی " [عبادت] کے طور پر۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو ایک قابل تعریف مقام پر اٹھائے گا۔

جامع ترمذی نمبر 3579 میں ایک حدیث ہے کہ مسلمان رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لہذا اگر اس وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے تو بے شمار نعمتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

تمام مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کی دعائیں قبول ہوں اور ان کی حاجتیں پوری ہوں۔ لہذا انہیں رات کی نماز نفلی ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 1770 میں موجود حدیث ہے کہ ہر رات میں ایک خاص گھڑی ہوتی ہے جب اچھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

نفلی رات کی نماز کا قیام گناہوں سے بچنے کا ایک بہترین طریقہ ہے، یہ انسان کو فضول اجتماعات سے دور رہنے میں مدد دیتا ہے اور یہ انسان کو بہت سی جسمانی بیماریوں سے بچاتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3549 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

رات کی نماز کے لیے تیاری کرنی چاہیے، خاص طور پر سونے سے پہلے زیادہ کھانے پینے سے نہیں، کیونکہ یہ سستی کو جنم دیتی ہے۔ کسی کو دن میں غیر ضروری طور پر خود کو تھکانا نہیں چاہئے۔ دن میں ایک مختصر جھپکی اس میں مدد کر سکتی ہے۔ آخر میں گناہوں سے بچنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرنی چاہیے، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ صبر کے ساتھ کرنا چاہیے کیونکہ فرمانبرداروں کو شب قدر کی نماز ادا کرنا آسان ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 8

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ لوگ قرآن پڑھنے والے کو اس وقت پہچان سکتے ہیں جب وہ نفلی روزے رکھتے ہیں جبکہ دوسرے عید کرتے ہیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 245 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن نسائی نمبر 2219 میں موجود الہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ تمام اعمال صالحہ جو لوگ انجام دیتے ہیں وہ ان کے لیے ہیں سوائے روزے کے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اسے براہ راست انعام دیں

یہ حدیث روزے کی انفرادیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے اس انداز میں بیان ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ باقی تمام اعمال صالحہ لوگوں کو نظر آتے ہیں، جیسے نماز، یا وہ لوگوں کے درمیان ہیں، جیسے خفیہ صدقہ۔ جبکہ، روزہ ایک منفرد نیک عمل ہے کیونکہ دوسرے یہ نہیں جان سکتے کہ کوئی شخص صرف روزہ رکھنے سے روزہ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ، روزہ ایک نیک عمل ہے جو اپنے آپ کے ہر پہلو پر قفل لگاتا ہے۔ یعنی جو شخص صحیح طریقے سے روزہ رکھتا ہے اسے زبانی اور جسمانی گناہوں سے روک دیا جائے گا جیسے کہ حرام چیزوں کو دیکھنا اور سننا۔ یہ بھی نماز کے ذریعے حاصل ہوتا ہے لیکن نماز صرف تھوڑی دیر کے لیے ادا کی جاتی ہے اور دوسروں کو دکھائی دیتی ہے جبکہ روزہ دن بھر ہوتا ہے اور دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ باب 29 العنکیوت، آیت 45

“...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے”

مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص بغیر کسی جواز کے فرض روزے پورے نہیں کرتا وہ مومن نہیں ہو گا کیونکہ دونوں کا براہ راست تعلق ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 183

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے "تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ"

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 723 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر کوئی مسلمان ایک فرض روزہ بغیر کسی شرعی عذر کے پورا نہ کرے تو اس کی قضا نہیں ہو سکتی۔ ثواب اور برکت ضائع ہو جاتی ہے خواہ وہ ساری زندگی روزے رکھے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ اس آیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزہ صحیح طریقے سے تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ یعنی صرف دن کو بھوکا رہنے سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا بلکہ روزے کی حالت میں گناہوں سے بچنے اور اعمال صالحہ کی طرف زیادہ توجہ دینے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 707 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے پرہیز نہ کرے تو روزہ اہم نہیں ہوگا۔ اسی طرح کی ایک حدیث سنن ابن ماجہ نمبر 1690 میں ہے کہ بعض روزہ داروں کو بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جب کوئی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ ہوشیار اور محتاط ہو جاتا ہے، جب کہ وہ روزے کی حالت میں ہوتے ہیں، یہ عادت بالآخر ان پر اثر انداز ہوتی ہے، اس لیے وہ روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اسی طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ دراصل حقیقی تقویٰ ہے۔

اس آیت میں جس نیکی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اس کا تعلق روزے سے ہے کیونکہ روزہ انسان کی بری خواہشات اور شہوتوں کو کم کرتا ہے۔ یہ غرور اور گناہوں کی ترغیب سے روکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ پیٹ کی بھوک اور نفسانی خواہشات کو روکتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں بہت سے گناہوں کو جنم دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں چیزوں کی خواہش دیگر حرام چیزوں کی خواہش سے زیادہ ہے۔ پس جو شخص روزے کے ذریعے ان پر قابو پالے گا اس کے لیے کمزور خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔ یہ حقیقی راستبازی کی طرف جاتا ہے۔

جیسا کہ مختصراً پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزے کے مختلف درجات ہیں۔ روزہ کا پہلا اور ادنیٰ درجہ وہ ہے جب کوئی ایسی چیزوں سے پرہیز کرے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے کہ کھانا۔ اگلا درجہ گناہوں سے پرہیز کرنا ہے جو روزہ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور اس کے روزے کے ثواب کو کم کر دیتے ہیں، جیسے جھوٹ بولنا۔ سنن نسائی نمبر 2235 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ روزہ جس میں جسم کے ہر عضو کو شامل کیا جائے اگلا درجہ ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب جسم کا ہر عضو گناہوں سے بچتا ہے، مثلاً آنکھ حرام کو دیکھنے سے، کان حرام کو سننے سے، وغیرہ۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اس طرح کا برتاؤ کرے۔ آخر میں روزہ کا اعلیٰ درجہ ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مربوط نہیں ہیں۔

ایک مسلمان کو باطنی طور پر بھی روزہ رکھنا چاہئے جیسا کہ ان کا جسم گناہ یا لغو خیالات سے پرہیز کرتے ہوئے ظاہری طور پر روزہ رکھتا ہے۔ انہیں اپنی خواہشات کے حوالے سے اپنے منصوبوں پر قائم رہنے سے روزہ رکھنا چاہئے اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر توجہ دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ، انہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو باطنی طور پر چیلنج کرنے سے روزہ رکھنا چاہیے، اور اس کے بجائے تقدیر کے علاوہ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے، وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین انتخاب کرتا ہے، چاہے وہ ان:

انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے روزے کو پوشیدہ رکھ کر اور دوسروں کو مطلع نہ کر کے سب سے زیادہ ثواب حاصل کرنا چاہیے اگر یہ گریز کیا جا سکتا ہے کیونکہ غیر ضروری طور پر دوسروں کو بتانے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دکھاوے کا ایک پہلو ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 9

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ لوگ قرآن پڑھنے والے کو اس طرح پہچان سکتے ہیں جیسے وہ ہیں زیادہ تر بھاری دل۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 245 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2315 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنے والے پر تین بار لعنت فرمائی ہے۔

حق پر قائم رہتے ہوئے مذاق کرنا گناہ نہیں ہے لیکن مستقل مزاجی سے کرنا مشکل ہے۔ حد سے زیادہ مذاق کرنے والا بالآخر پھسل جائے گا اور ایسے الفاظ کہے گا جو گناہ کے ہیں، جیسے جھوٹ، غیبت یا دوسروں کا مذاق اڑانا۔ لہذا حد سے زیادہ مذاق کرنے سے بچنا زیادہ محفوظ ہے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 1995 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ حد سے زیادہ مذاق کرنے والا خواہ وہ ہمیشہ سچ بولنے اور کسی کی دل آزاری نہ کرنے کا انتظام کرے تو اس کا سامنا روحانی سے ہوگا۔ وہ بیماری جس کے بارے میں سنن ابن ماجہ نمبر 4193 کی حدیث میں وارد ہوا ہے، یعنی روحانی طور پر مردہ دل۔ یہ اس شخص کے ساتھ ہوتا ہے جو بہت زیادہ مذاق کرتا ہے اور ہنستا ہے کیونکہ یہ ذہنیت اس سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ ہمیشہ مضحکہ خیز معاملات پر سوچیں اور ان پر گفتگو کریں اور سنگین مسائل سے گریز کریں۔ موت اور آخرت کی تیاری کا معاملہ سنگین مسائل ہیں اور اگر کوئی ان کے بارے میں سوچنے اور بحث کرنے سے گریز کرے تو وہ ان کے لیے کبھی بھی صحیح طریقے سے تیاری نہیں کرے گا۔ تیاری کی یہ کمی ان کے روحانی دل کی موت کا سبب بنے گی۔ درحقیقت جو شخص آخرت کے بارے میں جتنی سنجیدگی سے غور کرے گا اتنا ہی کم ہنسے گا اور مذاق کرے گا۔ صحیح بخاری نمبر 6486 کی ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

اکثر مذاق کرنا بھی دوسروں کو ان کے لیے احترام سے محروم کرنے کا سبب بنتا ہے۔ یہ بہت سے مسائل کا سبب بن سکتا ہے، جیسے کہ جب وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں تو اس کو سنجیدگی سے نہ لینا چاہیے وہ ان کے اپنے بچوں کو ہی کیوں نہ ہو۔

ضرورت سے زیادہ مذاق اکثر لوگوں کے درمیان دشمنی کا باعث بنتا ہے کیونکہ کوئی آسانی سے چیزوں کو سنجیدگی سے لے سکتا ہے۔ یہ ٹوٹے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کی طرف جاتا ہے۔ درحقیقت، بہت سے لوگ لطیفوں کی وجہ سے جسمانی اور جذباتی طور پر زخمی بھی ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ مذاق کرتے وقت اونچی آواز میں یا بھرے منہ سے ہنسنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ اسلام میں یہ ناپسندیدہ ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6092 میں موجود حدیث کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی مسکراہٹ تھی۔

ایک مسلمان کو ہر قیمت پر جھوٹ بولنے سے گریز کرنا چاہیے یہاں تک کہ مذاق کرتے ہوئے بھی اس سے وہ جنت کے بیچ میں گھر حاصل کر لے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4800 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان کو بالکل بھی مذاق نہیں کرنا چاہیے۔ دوسرے گناہوں سے بچتے ہوئے وقتاً فوقتاً مذاق کرنا، جیسے جھوٹ بولنا، جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کبھار مذاق کیا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1990 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ حد سے زیادہ مذاق ہے جو کہ اگر گناہ سے متعلق ہو تو ناپسندیدہ اور گناہ ہے۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے جان بوجھ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی روایت کی غلط تشریح کرنا گناہ ہے۔ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منسلک کوئی گناہ کیے بغیر شاذ و نادر ہی مذاق کیا ہے تو مسلمانوں کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، لوگوں کے ساتھ خوش مزاج رہنے میں بھی بڑا فرق ہے، جیسے کہ مسکرانا، اور حد سے زیادہ مذاق کرنا۔ امام بخاری کی ادب المفرد نمبر 301 میں موجود ایک حدیث کے مطابق خوش مزاج ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، یہاں تک کہ دوسروں کو راحت کا احساس دلانے کے لیے مسکرانا بھی صدقہ ہے، جامع ترمذی کی ایک حدیث کے مطابق، نمبر 1970۔ لہذا کسی کو یقین نہیں کرنا چاہیے کہ زیادہ مذاق کرنے سے گریز کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو ہمیشہ اداس اور افسردہ موڈ میں رہنا چاہیے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 10

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ لوگ قرآن پڑھنے والے کو اس وقت پہچان سکتے ہیں جب وہ خاموش رہتے ہیں جب دوسرے لوگ حق کو باطل کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 245 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2501 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بے ہودہ یا بری بات سے خاموش رہے اور صرف اچھی بات کہے اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں محفوظ رکھے گا۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کیونکہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ان کی تقریر ہے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ درحقیقت یہ صرف ایک ہی برے لفظ کا استعمال کرتا ہے کہ وہ قیامت کے دن جہنم میں ڈوب جائے جس کی تصدیق جامع ترمذی کی ایک حدیث میں ہوئی ہے۔ نمبر 2314

تقریر تین طرح کی ہو سکتی ہے۔ پہلی بری بات ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ دوسری فضول گفتگو ہے جس سے صرف وقت ضائع ہوتا ہے جس سے قیامت کے دن بڑی پشیمانی ہوگی۔ مزید برآں، گنہگار تقریر کا پہلا قدم اکثر بیہودہ تقریر ہے۔ لہذا اس قسم کی تقریر سے بچنا زیادہ محفوظ ہے۔ آخری قسم اچھی تقریر ہے جسے ہمیشہ اپنانا چاہیے۔ ان پہلوؤں کی بنیاد پر تقریر کا دو تہائی حصہ زندگی سے نکال دینا چاہیے۔

اس کے علاوہ جو زیادہ بولتا ہے وہ صرف اپنے اعمال اور آخرت پر تھوڑا سا غور کرے گا کیونکہ اس کے لیے خاموشی ضروری ہے۔ یہ ان کے اعمال کا اندازہ لگانے سے روک دے گا جو کسی کو مزید نیک اعمال کرنے اور اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس شخص کو پھر بہتر کے لیے تبدیل کرنے سے روکا جائے گا۔

آخر میں، جو لوگ بہت زیادہ بولتے ہیں وہ اکثر دنیاوی چیزوں اور ایسی چیزوں پر بحث کرتے ہیں جو دل لگی اور تفریحی ہیں۔ اس سے وہ ایک ایسی ذہنیت اختیار کریں گے جس کے تحت وہ موت اور آخرت جیسے سنگین مسائل پر بحث کرنا یا سننا پسند نہیں کرتے۔ یہ انہیں آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کرنے سے روک دے گا جس کی وجہ سے وہ ایک بڑے پشیمانی اور ممکنہ عذاب کا باعث بنیں گے۔

ان سب سے بچا جا سکتا ہے اگر کوئی گناہ اور لغو باتوں سے خاموش رہے اور اس کے بجائے صرف اچھی باتیں کہے۔ لہذا اس طرح خاموش رہنے والا دنیا میں مصیبت اور آخرت میں عذاب سے بچ جائے گا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 11

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ لوگ قرآن پڑھنے والے کو اس طرح پہچان سکتے ہیں جب وہ عاجزی اور تکبر کے ساتھ گھومتے پھرتے ہیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 245 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کے ساتھ زندگی بسر کرے گا تو اس کے درجات بلند ہوں گے۔ ایسا ہوتا ہے کیونکہ عاجزی اللہ کی بندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔ عاجزی کا مخالف جو کہ فخر ہے صرف مالک یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ ہر چیز جو لوگوں کے پاس ہے وہ اسی کی طرف سے پیدا اور عطا کی گئی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنا اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ انسان غرور سے بچتا ہے اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے عاجزی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی ہے اور دونوں جہانوں میں حقیقی عظمت کی طرف لے جاتی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 12

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ لوگ قرآن پڑھنے والے کو پہچان سکتے ہیں کیونکہ وہ اونچی آواز میں نہیں بولتا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 245 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2018 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کی قسموں کا تذکرہ کیا ہے جن کو وہ ناپسند کرتے ہیں اور قیامت کے دن ان سے کون دور ہوں گے۔

ان میں سے ایک وہ اونچے منہ والے ہیں جو اپنی تقریر کے ذریعے فخر اور دکھاوے کے لیے ضرورت سے زیادہ اور مصنوعی طور پر بولتے ہیں۔ یہ شخص دوسروں کو دکھانا چاہتا ہے کہ اس کے پاس کتنا علم ہے اس طرح وہ اپنی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہ شخص اکثر اللہ تعالیٰ کی بجائے اپنے اعمال سے لوگوں کو خوش کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ اپنے نیک اعمال کا اجر کھو دیں گے۔ درحقیقت، انہیں قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لئے انہوں نے عمل کیا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 13

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ لوگ قرآن پڑھنے والے کو پہچان سکتے ہیں کیونکہ وہ حجت نہیں ہوتا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 245 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک سچے مسلمان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی اور اپنی رائے کو فروغ دینے کے لیے دوسروں سے بحث یا بحث نہ کرے۔ اس کے بجائے انہیں سچائی کو فروغ دینے کے لیے معلومات پیش کرنی چاہیے۔ اس کا اطلاق دنیاوی اور دینی دونوں معاملات پر ہوتا ہے۔ جس کا مقصد حق کو فروغ دینا ہو وہ بحث نہیں کرے گا۔ صرف وہی جو خود کو فروغ دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے برعکس جو بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ دلائل جیتنے سے کسی کے درجے میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ دونوں جہانوں میں انسان کا رتبہ صرف اس وقت بڑھتا ہے جب کوئی بحث کرنے سے گریز کرتا ہے اور اس کے بجائے سچ کو پیش کرتا ہے یا جب اسے پیش کیا جاتا ہے تو اسے قبول کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ بات چیت کرتے وقت دوسروں کے ساتھ بار بار جانے سے گریز کرے کیونکہ یہ بحث کرنے کی خصوصیت ہے۔ جھگڑے سے بچنا ضروری ہے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے لیے جنت کے بیچوں بیچ ایک گھر کا وعدہ کیا ہے جو حق کے ہوتے ہوئے بھی جھگڑا چھوڑ دیتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 1993 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی صحیح ذہنیت ہے جس کی طرف باب 16 النحل آیت 125 میں اشارہ کیا گیا ہے:

اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے اس طریقے ” سے بحث کرو جو بہترین ہو۔“

ایک مسلمان کو سمجھنا چاہیے کہ ان کا فرض یہ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو کسی چیز کو قبول کرنے پر مجبور کریں۔ ان کا فرض صرف سچ کو پیش کرنا ہے کیونکہ زبردستی بحث کرنے کی خصوصیت ہے۔ باب 88 الغاشیہ، آیات 21-22

تو یاد دلاؤ، [اے محمد]؛ تم صرف ایک یاد دہانی ہو۔ آپ ان پر کنٹرولر نہیں ہیں۔"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 14

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جو گھرانہ قرآن پاک حفظ نہیں کرتا اور اس پر زندگی بسر نہیں کرتا وہ برباد بربادی کی مانند ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 250 میں بحث کی گئی ہے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس پر عمل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظر انداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو اسے سمجھنا ہے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے رہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور دنیاوی چیزوں مثلاً شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82

اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ”ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔“

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک دنیاوی مسائل کا علاج ہونے کے باوجود مسلمان کو صرف اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن مجید کو صرف اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے کہ وہ اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے اس کی تلاوت کریں، قرآن مجید کو ایک آلے کی طرح سمجھیں جو مشکل کے وقت ہٹا کر دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام آخرت کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کر دینا اور اسے صرف اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو ابھی تک بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے، اس کے پاس کوئی انجن نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 15

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ حقیقی علم کا اندازہ اس بات سے نہیں ہوتا کہ آدمی کتنا یاد کرتا ہے اور پھر بیان کرتا ہے، بلکہ حقیقی علم تقویٰ کا اظہار ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 252 میں بحث کی گئی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی علم میں مفید علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا شامل ہے۔

ایک مسلمان کو اپنے علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ عمل کے بغیر علم کی کوئی قیمت یا فائدہ نہیں۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس حفاظت کے راستے کا علم ہے لیکن اسے اختیار نہیں کرتا اور اس کے بجائے خطرات سے بھرے علاقے میں رہتا ہے۔ اس لیے علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی اپنے علم پر عمل کرتا ہے جس سے تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس قسم سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، درحقیقت یہ ان کے تکبر میں اضافہ کرے گا کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں، حالانکہ وہ گدھے کی طرح ہیں جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہیں جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5

اور پھر اس پر عمل نہیں کیا (اپنے علم پر عمل نہیں کیا) اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے۔“

مزید برآں، کفر اسلام کا لفظی انکار یا اعمال کے ذریعے ہو سکتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شامل ہے، حالانکہ کوئی اس پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کو ایک مثال سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر کسی لاعلم شخص کو کسی دوسرے قریب آنے والے شیر کی طرف سے خبردار کیا جاتا ہے اور لاعلم شخص حفاظت کے حصول کے لیے عملی اقدامات کرتا ہے تو وہ ایسا شخص سمجھا جائے گا جس نے انہیں دی گئی وارننگ پر یقین کیا ہو کیونکہ اس نے انتباہ کی بنیاد پر اپنے طرز عمل کو ڈھال لیا تھا۔ جبکہ اگر لاعلم شخص تنبیہ کے بعد اپنے رویے کو عملی طور پر تبدیل نہیں کرتا ہے تو لوگ شک کریں گے کہ وہ ان کو دی گئی وارننگ پر یقین نہیں کرتے خواہ بے خبر شخص زبانی طور پر ان کو دی گئی وارننگ پر یقین کا دعویٰ کرے۔

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا عقیدہ اور اپنے خدا کی اطاعت ان کے دلوں میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اس کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بدقسمتی سے، اس احمقانہ ذہنیت نے بہت سے مسلمانوں کو متاثر کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک خالص وفادار دل کے مالک ہیں حالانکہ وہ اسلام کے واجبات کو ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر اعلان فرمایا ہے کہ جب کسی کا دل پاک ہوتا ہے تو جسم بھی پاک ہوتا ہے یعنی اس کے اعمال درست ہوجاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کا دل فاسد ہو تو جسم فاسد ہو جاتا ہے یعنی اس کے اعمال فاسد اور غلط ہوں گے۔ لہذا جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنے فرائض کو عملی طور پر ادا نہیں کرتا وہ کبھی بھی پاک دل نہیں ہوسکتا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا عملی طور پر مظاہرہ کرنا ان کا ثبوت اور شہادت ہے جو قیامت کے دن جنت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس عملی ثبوت کا نہ ہونا اتنا ہی احمقانہ ہے جتنا ایک طالب علم جو اپنے استاد کو خالی امتحانی پرچہ واپس دے دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ ان کا علم ان کے ذہن میں ہے اس لیے انہیں امتحان کے سوالات کے جوابات دے کر اسے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ طالب علم جس طرح ناکام ہو گا اسی طرح وہ شخص جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے قیامت تک پہنچے گا، خواہ وہ اس پر ایمان رکھتا ہو۔ ان کا دل

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 16

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک بار تبصرہ کیا کہ انہیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس زندگی میں ان پر کس آزمائش کا اثر پڑا، کیونکہ یہ امیری تھی یا غربت۔ دولت ملی تو شفقت کا اظہار کرے گا۔ غربت کا سامنا ہوتا تو صبر سے کام لیتے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 259 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مومن کے لیے ہر حالت مبارک ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے ہر صورت حال کا جواب دینے کی ضرورت ہے، خاص طور پر مشکلات میں صبر اور آسانی کے وقت شکرگزاری۔

زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو وہ حالات ہیں جن میں لوگ خود کو پاتے ہیں چاہے وہ آسانی کے وقت ہوں یا مشکلات۔ کسی شخص کو کس صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا کنٹرول ان کے ہاتھ سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے اور ان سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس لیے جن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان پر زور دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ وہ مقدر ہیں اور اس لیے ناگزیر ہیں۔ دوسرا پہلو ہر صورت حال پر ایک شخص کا ردعمل ہے۔ یہ ہر شخص کے اختیار میں ہے اور یہ وہی ہے جس پر ان کا فیصلہ کیا جاتا ہے، مثال کے طور پر، کسی مشکل صورتحال میں صبر یا بے صبری کا مظاہرہ کرنا۔ اس لیے ایک مسلمان کو ہر حال میں اپنے رویے اور رد عمل پر توجہ دینی چاہیے، بجائے اس کے کہ کسی صورت حال میں ہونے پر زور دیا جائے کیونکہ یہ ناگزیر ہے۔ اگر کوئی مسلمان دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے ہر حال کا اندازہ لگانا چاہیے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رہنا چاہیے۔ مثال کے طور پر، آسانی کے وقت ان کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو ان کے پاس ہیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ " کروں گا۔

اور مشکل کے وقت انہیں صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے چاہے وہ انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2
:البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند "ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 17

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ جو اچھا ہوتا ہے وہ جلد اپنی خواہشات کاٹتا ہے اور جو برائی ہوتا ہے وہ جلد پشیمان ہوتا ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 266 میں بحث کی گئی ہے۔

اچھی ہونے میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں۔

حقیقت میں، زیادہ تر معاملات میں اس مادی دنیا میں کوئی بھی چیز بذات خود اچھی یا بری نہیں ہے، جیسے کہ دولت۔ جو چیز کسی چیز کو اچھی یا بری بناتی ہے وہ اس کے استعمال کا طریقہ ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اس کا اصل مقصد یہی تھا کہ اس کا صحیح استعمال اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ جب کسی چیز کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو وہ حقیقت میں بیکار ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، دولت دونوں جہانوں میں مفید ہے جب اس کا صحیح استعمال کیا جائے جیسے کہ کسی شخص اور اس کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔ لیکن اگر اسے صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جائے، مثلاً ذخیرہ اندوزی یا گناہ کی چیزوں پر خرچ کرنا، تو یہ بیکار اور اس کے اٹھانے والے کے لیے لعنت بھی بن سکتا ہے۔ محض دولت جمع کرنے سے دولت کی قدر و قیمت ختم ہو جاتی ہے۔ کاغذ اور دھاتی سکے ایک ٹک کے فاصلے پر کیسے کارآمد ہو سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں، کاغذ کے ایک ٹکڑے اور پیسے کے نوٹ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ تب ہی مفید ہے جب اسے صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے۔

لہذا اگر کوئی مسلمان یہ چاہتا ہے کہ ان کے تمام دنیاوی اموال دونوں جہانوں میں اس کے لیے نعمت بن جائیں تو اسے صرف یہ کرنا ہے کہ وہ قرآن پاک میں موجود تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ان کا صحیح استعمال کریں۔ اسے لیکن اگر وہ ان کا غلط استعمال

کریں گے تو وہی نعمت ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ اور لعنت بن جائے گی۔ یہ اتنا ہی آسان ہے۔

جب کوئی شخص ان نعمتوں کا مقصد سمجھ لے تو صحیح رویہ اختیار کر سکتا ہے۔

مسلمان کے پاس ہر دنیوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے جو اسے آخرت تک پہنچنے میں مدد فراہم کرے۔ یہ اپنے آپ میں ایک اختتام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، دولت ایک ایسا ذریعہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے استعمال کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنا چاہیے۔ یہ اپنے آپ میں کوئی حتمی یا حتمی مقصد نہیں ہے۔

اس سے نہ صرف ایک مسلمان کو آخرت پر توجہ مرکوز رکھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ جب بھی وہ دنیاوی نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں تو یہ ان کی مدد کرتا ہے۔ جب ایک مسلمان ہر دنیوی نعمت کو، جیسے کہ بچہ، کو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتا ہے تو اس کے ضائع ہونے سے ان پر اتنا نقصان دہ اثر نہیں پڑے گا۔ وہ اداس ہو سکتے ہیں، جو ایک قابل قبول جذبہ ہے، لیکن وہ غمگین نہیں ہوں گے جو بے صبری اور دیگر ذہنی مسائل، جیسے ڈپریشن کا باعث بنتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے پاس موجود دنیاوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے اس لیے اسے کھونے سے حتمی مقصد یعنی جنت میں نقصان نہیں ہوتا، جس کا نقصان تباہ کن ہے۔ لہذا، اب بھی حتمی مقصد پر توجہ مرکوز رکھنا انہیں غمگین ہونے سے روکے گا۔

اس کے علاوہ، وہ یہ سمجھیں گے کہ جس چیز کو انہوں نے کھویا وہ صرف ایک ذریعہ تھا، وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے حتمی مقصد تک پہنچنے اور اسے پورا کرنے کے لیے ایک اور ذریعہ فراہم کیا جائے گا۔ اس سے وہ غم سے بھی بچیں گے۔ جبکہ جو شخص اپنی

دنیوی نعمتوں کو کسی وسیلہ کے بجائے خاتمہ سمجھتا ہے وہ اسے کھونے پر شدید غم کا سامنا کرے گا کیونکہ اس کا پورا مقصد اور مقصد ضائع ہو گیا ہے۔ یہ غم ڈپریشن اور دیگر ذہنی مسائل کا باعث بنے گا۔

آخر میں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ہر نعمت کو آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھیں نہ کہ اپنے آپ میں خاتمہ۔ اس طرح کوئی بھی چیزوں کو ان کے قبضے میں رکھے بغیر حاصل کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ دنیاوی چیزوں کو اپنے ہاتھ میں رکھ سکتے ہیں دلوں میں نہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 18

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ لوگ اس دنیا میں صرف مہمان ہیں، آخرکار مہمان چلے جائیں گے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 267 میں بحث کی گئی ہے۔

جب لوگ، خواہ ان کے عقیدے سے تعلق رکھتے ہوں، چھٹی پر جاتے ہیں تو وہ صرف اپنی ضرورت کی چیزیں پیک کرتے ہیں اور شاید تھوڑا سا اضافی لیکن وہ اوور پیکنگ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ساتھ جو رقم بھی لے جاتے ہیں وہ اپنے بیرون ملک قیام کے حوالے سے محدود کرتے ہیں۔ جب وہ آتے ہیں تو وہ اکثر ایسے ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں جس میں عام طور پر چند ایکسٹرا کے ساتھ رہنے کی بنیادی ضروریات ہوتی ہیں۔ اگر انہیں یقین ہے کہ وہ مستقبل میں کبھی بھی اسی منزل پر واپس نہیں آئیں گے تو وہ کبھی گھر نہیں خریدیں گے کیونکہ وہ دعویٰ کریں گے کہ ان کا قیام مختصر ہے اور وہ واپس نہیں آئیں گے۔ انہیں چھٹیوں کے دوران یہ دعویٰ کرتے ہوئے کوئی نوکری نہیں ملتی کہ ان کا قیام مختصر ہے لہذا انہیں زیادہ پیسے کمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ شادی نہیں کرتے اور نہ ہی بچوں کا دعویٰ کرتے ہیں کہ چھٹیوں کی منزل ان کا وطن نہیں ہے جہاں وہ شادی کریں گے اور بچے ہوں گے۔ عام طور پر، یہ چھٹی بنانے والوں کا رویہ اور ذہن سازی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان واقعی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ جلد ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں رہنا بھی عارضی ہے جیسا کہ چھٹیوں پر ہوتا ہے، اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کا آخرت میں قیام ہمیشہ کے لیے ہے، لیکن وہ اس کے لیے مناسب تیاری نہیں کرتے۔ اگر انہیں واقعی یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کے پاس کم وقت ہے، اسی طرح چھٹی کی طرح، تو وہ اپنے گھروں پر زیادہ محنت نہیں کریں گے اور اس کے بجائے ایک سادہ گھر پر مطمئن رہیں گے جیسا کہ مسافر جو ایک سادہ ہوٹل سے مطمئن ہے۔ تو حقیقت میں، یہ دنیا مثال کے طور پر ابھی تک چھٹیوں کی منزل کی طرح ہے، مسلمان اسے ایک جیسا نہیں سمجھتے۔ اس کے بجائے، وہ ابدی آخرت کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی دنیا کو سنوارنے میں اپنی زیادہ تر کوششیں وقف کر دیتے

ہیں۔ بعض اوقات یہ یقین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کچھ مسلمان درحقیقت دائمی آخرت پر یقین رکھتے ہیں جب کوئی دیکھتا ہے کہ وہ دنیاوی دنیا کے لیے کتنی کوششیں کرتے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور دنیا کی ضروریات کے حصول اور اس سے استفادہ کرنے پر راضی رہتے ہوئے صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے آخرت کی تیاری کی کوشش کریں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری کی حدیث نمبر 6416 میں مسلمانوں کو اس دنیا میں مسافروں کی طرح زندگی گزارنے کی تلقین فرمائی ہے۔ چھٹی کی منزل

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 19

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ لوگ اس دنیا میں صرف مہمان ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے وہ صرف ادھار امانت ہے۔ آخر کار مہمان روانہ ہو جائے گا اور مستعار امانت اس کے حقدار کو واپس کر دی جائے گی۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 267 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں انہیں عطا کی ہیں وہ تحفہ نہیں بلکہ قرض ہیں۔ تحفہ ملکیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جبکہ قرض کا مطلب ہے کہ نعمت کو اس کے حقیقی مالک یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جانا چاہیے۔ اس مادی دنیا کی نعمتیں جو لوگوں کو قرض کے طور پر دی گئی ہیں واپس کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کیا جائے۔ جیسا کہ اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے، یہ اس سے ڈرنے کا ایک پہلو ہے۔ یہ سچی شکرگزاری کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں دونوں جہانوں میں برکتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ باب: ابراہیم، آیت 147

“...اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تمہارے حق میں ضرور اضافہ کروں گا”

دنیاوی نعمتیں جو قرض کے طور پر لوگوں کو عطا کی گئی ہیں، ان کو اس کے حقیقی مالک یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف، اپنی مرضی سے یا زبردستی واپس کرنا چاہیے۔ اگر خوشی سے لوٹا دیا جائے تو انہیں بہت زیادہ اجر ملے گا لیکن اگر زبردستی واپس کیا جائے جیسا کہ ان کی موت سے تو یہ نعمتیں ان کے لیے آخرت میں بوجھ بن جائیں گی۔

دوسری طرف، ایک مسلمان جنت کے معنی کا وارث ہوگا، انہیں اس کی ملکیت بطور تحفہ دی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان جنت میں جو چاہیں کرنے میں آزاد ہوں گے کیونکہ انہیں اس کی ملکیت دی جائے گی۔

مسلمانوں کے لیے تحفہ/ ملکیت اور قرض کے درمیان فرق کو سمجھنا بہت ضروری ہے تاکہ وہ اس مادی دنیا میں نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی ترغیب دیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 20

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نصیحت کی کہ انسان کو حق اور انصاف کو قبول کرنا چاہیے، خواہ وہ کسی اجنبی سے ہی کیوں نہ ہو یا کسی ایسے شخص سے بھی ہو جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔ اور انہیں جھوٹ کو رد کرنا چاہئے خواہ وہ کسی ایسے بھائی کی طرف سے آئے جس سے وہ پیار کرتے ہیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 268 میں بحث کی گئی ہے۔

صالح پیشروؤں کے گزرنے کے بعد سے مسلم قوم کی طاقت ڈرامائی طور پر کمزور ہوئی ہے۔ یہ منطقی بات ہے کہ جتنے زیادہ لوگوں کی تعداد ایک گروہ میں ہوگی اتنا ہی وہ گروہ مضبوط ہوگا لیکن مسلمانوں نے کسی نہ کسی طرح اس منطقی کی نفی کی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے کے ساتھ ہی مسلم قوم کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ اس کے پیش آنے کی ایک اہم وجہ قرآن کریم کی سورہ 5 المائدہ، آیت 2 سے مربوط ہے

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔“

اللہ تعالیٰ واضح طور پر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ کسی بھی اچھے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور کسی برے معاملے میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیں۔ اس پر نیک پیشواؤں نے عمل کیا لیکن بہت سے مسلمان ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان اب اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اس کا مشاہدہ کرنے کے بجائے کون عمل کر رہا ہے۔ اگر وہ شخص ان سے جڑا ہوا ہے، مثال کے طور پر، کوئی رشتہ دار، تو وہ ان کا ساتھ دیتے ہیں چاہے بات اچھی نہ ہو۔ اسی طرح اگر اس شخص کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو وہ ان کی حمایت سے منہ موڑ لیتے ہیں خواہ بات اچھی ہو۔ یہ رویہ صالح پیشواؤں کی روایات کے بالکل خلاف ہے۔ وہ بھلائی میں دوسروں کی حمایت کریں گے قطع نظر اس کے کہ کون کر رہا ہے۔ درحقیقت وہ قرآن

کریم کی اس آیت پر عمل کرتے ہوئے اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ وہ ان کی حمایت بھی کریں گے جب تک کہ یہ اچھی بات نہ ہو۔

اس سے جڑی دوسری چیز یہ ہے کہ بہت سے مسلمان ایک دوسرے کی اچھی مدد کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہے کہ جس شخص کی وہ حمایت کر رہے ہیں وہ ان سے زیادہ اہمیت حاصل کرے گا۔ اس صورتحال نے علماء اور اسلامی تعلیمی اداروں کو بھی متاثر کیا ہے۔ وہ دوسروں کی بھلائی میں مدد نہ کرنے کے لیے لنگڑے بہانے بناتے ہیں کیونکہ ان کا ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے اور انہیں ڈر ہے کہ ان کا اپنا ادارہ بھلا دیا جائے گا اور وہ جن کی مدد کریں گے وہ معاشرے میں مزید عزت حاصل کریں گے۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے کیونکہ حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے لیے صرف تاریخ کے اوراق پلٹتے پڑتے ہیں۔ جب تک کسی کی نیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو، دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے سے معاشرے میں اس کی عزت بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ کرے گا خواہ ان کا تعاون کسی اور ادارے، ادارے یا شخص کے لیے ہو۔ مثال کے طور پر جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آسانی سے خلافت کو چیلنج کر سکتے تھے اور ان کے حق میں کافی حمایت حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ صحیح کام یہ تھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ نامزد کیا جائے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اگر وہ کسی دوسرے شخص کا ساتھ دیں تو معاشرہ اسے بھول جائے گا۔ اس کے بجائے اس نے پہلے بیان کی گئی آیت میں حکم کی تعمیل کی اور جو صحیح تھا اس کی تائید کی۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 میں موجود احادیث سے ہوتی ہے۔ اس عمل سے معاشرے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم میں اضافہ ہی ہوا۔ یہ بات ان لوگوں پر واضح ہے جو اسلامی تاریخ سے واقف ہیں۔

مسلمانوں کو اس پر گہرائی سے غور کرنا چاہیے، اپنی ذہنیت کو بدلنا چاہیے اور دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، قطع نظر اس کے کہ یہ کام کون کر رہا ہے اور اس خوف سے پیچھے نہیں ہٹیں گے کہ ان کی حمایت انہیں معاشرے میں بھلا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ درحقیقت ان کی عزت و تکریم دونوں جہانوں میں ہی بڑھے گی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 21

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے صحابہ سے کہا کہ اگرچہ وہ روزہ رکھتے، نمازیں پڑھتے اور (کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ پڑھتے، پھر بھی وہ ان سے افضل تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کے مقابلے میں دنیا سے کم اور آخرت کے ان سے زیادہ چاہنے والے تھے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 278 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ رویہ اس وقت اختیار کرے گا جب وہ دنیا اور آخرت کے بارے میں صحیح فہم و ادراک اختیار کرے گا۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تمثیل اس لیے دی گئی تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے جبکہ آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے کاٹ دے گی۔ دوسری طرف آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے۔ جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ لہذا کسی کی ریٹائرمنٹ جیسے دن کے لیے کوشش کرنا بے وقوفی ہے، جس تک وہ آخرت کے لیے کوشش کرتے ہوئے کبھی نہ پہنچ سکے جس تک پہنچنے کی ان کی ضمانت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اس مادی دنیا سے اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرنا چاہیے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کریں۔

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 22

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ تنبیہ کی کہ قیامت کے دن ندامت کا سب سے بڑا غم ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 289 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب بھی انہیں کسی بھی قسم کی دنیاوی ناکامی یا پشیمانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ اپنے آپ کو آخرت کے پچھتاوے کی یاد دلائیں جو کچھ لوگوں کو بہوں گے، جیسا کہ باب 89 الفجر، آیت 24 میں مذکور ہے

"وہ کہے گا، "کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔"

اس دنیا میں کسی کے پچھتاوے کے بعد ہمیشہ ایک اور موقع یا دوسرے آپشنز ہوتے ہیں جنہیں وہ ایک بار پھر کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنا سکتا ہے۔ لیکن آخرت کی پشیمانی اور ناکامی ایسی چیز ہے جس کی اصلاح نہیں ہو سکتی، آخرت میں اس کا کوئی دوسرا امکان نہیں۔ کسی کو بھی مختلف طریقے سے کام کرنے کے لیے زمین پر واپس آنے کا موقع نہیں ملے گا۔

اس لیے ہر مسلمان کو دنیا کی ناکامیوں اور پشیمانیوں کے مقابلے میں آخرت میں ہونے والی ناکامیوں کی زیادہ فکر کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس دنیا میں حلال کامیابی حاصل کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ ہمیشہ دنیا کی کامیابی پر آخرت کی کامیابی کو ترجیح دیں۔ یہ ایک اہم ذہنیت ہے جو مسلمانوں کو اس دن تک پہنچنے سے پہلے اپنائی چاہیے جہاں ان کی ناکامیوں اور پشیمانیوں پر غور کرنے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ باب 89 الفجر، آیت 23

"اور لایا گیا، وہ دن جہنم ہے، اس دن آدمی یاد رکھے گا، لیکن اس کے لیے کیا فائدہ ہوگا؟"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 23

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ آخرت کا بہترین سامان تقویٰ ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 289 میں بحث کی گئی ہے۔

تقویٰ/اللہ سے ڈرنا، اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کیے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہو سکے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کیا جا سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر سکے۔ السلام علیکم باب: فاطر، آیت 28 35

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں۔“

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ کسی چیز کی طرف لے جائے۔ جو کہ نقصان دہ ہے۔ پس تقویٰ کا ایک پہلو یہ ہے کہ ان چیزوں سے بچنا جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام سے ایک قدم اور قریب لے جاتی ہیں اور جتنا حرام کے قریب ہوتا ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1205 میں ایک حدیث ہے کہ جو حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ اگر معاشرے میں گمراہ ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول اور فضول گفتگو جس کو اسلام نے گناہ کی درجہ بندی نہیں کی ہے،

اکثر بد کلامی کا باعث بنتی ہے، جیسے غیبت، جھوٹ اور غیبت۔ اگر کوئی شخص فضول باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بلاشبہ بد کلامی سے بچ جائے گا۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 24

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ دل کو پکڑنے کے لیے سب سے اچھی چیز یقین ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 289 میں بحث کی گئی ہے۔

تمام مسلمان اسلام پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کے ایمان کی مضبوطی ہر شخص میں مختلف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، وہ جو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے کیونکہ ان کے خاندان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اس جیسا نہیں ہے جو ثبوت کے ذریعے اس پر یقین رکھتا ہے۔ جس شخص نے کسی چیز کے بارے میں سنا ہے وہ اس پر اس طرح یقین نہیں کرے گا جس طرح وہ اپنی آنکھوں سے اس چیز کو دیکھ چکا ہے۔

جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ ایک بہترین طریقہ ہے کہ ایک مسلمان اسلام پر اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتا ہے۔ اس کا تعاقب کرنا ضروری ہے کیونکہ جس کے ایمان پر یقین جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اس کے صحیح راستے پر ثابت قدم رہنے کا موقع اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، خاص طور پر جب مشکلات کا سامنا ہو۔ اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر 3849 میں یقین کا یقین رکھنے کو بہترین چیزوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔ یہ علم قرآن پاک اور حدیث نبوی کا مطالعہ کر کے حاصل کیا جانا چاہیے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک معتبر ذریعہ سے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہ صرف ایک حقیقت کا اعلان کیا بلکہ مثالوں کے ذریعے اس کا ثبوت بھی دیا۔ نہ صرف وہ مثالیں جو ماضی کی قوموں میں پائی جاتی ہیں بلکہ ایسی مثالیں جو کسی کی اپنی زندگی میں رکھی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت کی ہے کہ بعض اوقات انسان کسی چیز سے محبت کرتا ہے حالانکہ اگر وہ اسے حاصل کر لیتا ہے تو وہ اسے

پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح وہ کسی چیز سے نفرت کر سکتے ہیں جبکہ اس میں ان کے لیے بہت سی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند "ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تاریخ میں اس سچائی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے معاہدہ حدیبیہ۔ کچھ مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہ معاہدہ، جو مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا گیا تھا، مؤخر الذکر گروہ کی مکمل حمایت کرے گا۔ اس کے باوجود تاریخ صاف بتاتی ہے کہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 2731 اور 2732 میں موجود احادیث میں مذکور ہے۔

اگر کوئی اپنی زندگی پر غور کرے تو انہیں بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی جب وہ یقین کرتے تھے کہ کوئی چیز اچھی تھی جب وہ ان کے لیے بری تھی اور اس کے برعکس۔ یہ مثالیں اس آیت کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں اور ایمان کو مضبوط کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

:ایک اور مثال باب 79 عن نازیات، آیت 46 میں ملتی ہے

”جس دن وہ (قیامت کے دن) کو دیکھیں گے کہ گویا وہ اس دنیا میں ایک دوپہر یا صبح کے سوا باقی“
”نہیں رہے تھے۔“

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو صاف نظر آئے گا کہ کتنی بڑی سلطنتیں آئیں اور گئیں۔ لیکن جب وہ چلے گئے تو ان کا اس طرح انتقال ہو گیا گویا وہ ایک لمحے کے لیے زمین پر ہیں۔ ان کی چند نشانیوں کے علاوہ باقی سب ایسے مٹ گئے ہیں جیسے وہ زمین پر پہلے کبھی موجود ہی نہیں تھے۔ اسی طرح، جب کوئی اپنی زندگی پر غور کرے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ چاہے وہ کتنے ہی بوڑھے کیوں نہ ہوں اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ان کی مجموعی زندگی کتنی ہی سست محسوس ہوئی ہو گی۔ اس آیت کی سچائی کو سمجھنا انسان کے یقین کو مضبوط کرتا ہے اور اس سے انہیں تحریک ملتی ہے کہ وہ وقت ختم ہونے سے پہلے آخرت کی تیاری کریں۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ لہذا انسان کو ان الہی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ یقین کو اپنا سکے۔ جو اس کو حاصل کر لے گا وہ کسی بھی مشکل سے متزلزل نہیں ہوگا اور اس راستے پر ثابت قدم رہے گا جو جنت کے دروازوں کی طرف جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ ” حق ہے۔“

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 25

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ سب سے بڑا اندھا پن (روحانی دل کا ہے)۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 289 میں بحث کی گئی ہے۔

روحانی قلب کی خرابی اور سختی ایک انتہائی اہم معاملہ ہے جس پر صحیح بخاری نمبر 52 میں موجود حدیث میں بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جب روحانی قلب فاسد ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ یہ بدعنوانی پھر کسی کے قول و فعل سے ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم نے یہ نصیحت کرتے ہوئے ایک نرم و توانا دل کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے کہ کوئی شخص قیامت کے دن اپنے مال یا رشتہ داروں سے اس وقت تک فائدہ نہیں اٹھا سکے گا جب تک کہ وہ روحانی قلب کے مالک نہ ہوں۔ باب 26 اشعرا، آیات 88-89

”جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس سچے دل کے ”ساتھ آتا ہے۔“

سخت روحانی دل والے کو ایک ایسے شخص کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے جو سچائی کو اس وقت مسترد کر دیتا ہے جب یہ ان کے سامنے یہ مانتے ہوئے پیش کیا جاتا ہے کہ وہ علم میں برتر ہیں۔ ان میں تواضع اور خوفِ الہی کا فقدان ہے، جو نیک اعمال کو ترک کرنے، گناہوں کے ارتکاب، حد سے زیادہ محبت اور مادی دنیا کے لیے جدوجہد کرنے کا باعث بنتا ہے اور ابدی آخرت کی تیاری سے غافل رہتے ہیں۔ سخت دل لوگ آسانی سے شیطان سے گناہوں کے ارتکاب اور اچھے کاموں کو رد کرنے کے لیے متاثر ہو جاتے ہیں۔ باب 22 الحج، آیت 53

اس لیے جو شیطان ڈالتا ہے اس کو وہ ان لوگوں کے لیے آزمائش بنا دے جن کے دلوں میں بیماری ”
“... ہے اور سخت دل

سخت روحانی دل رکھنے والے میں دو خاص قابل ملامت خصلتیں اختیار کی جاتی ہیں۔ وہ شہرت حاصل کرنے جیسی اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے جان بوجھ کر آسمانی صحیفوں کی غلط تشریح کرتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جو قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی سوچ کی پیروی کریں اور مادی دنیا سے محبت کریں۔ دوسرا یہ کہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق آیات اور احادیث کو چنتے ہیں۔ وہ تمام آیات اور احادیث کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنے والوں کو انتہا پسند قرار دیتے ہیں جس سے ان کا اپنا رویہ دوسروں کے لیے خوشنما معلوم ہوتا ہے۔
:باب 5 المائدة، آیت 13

پس ہم نے ان کے عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ الفاظ " کو اپنی جگہوں سے توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں اور اس کا ایک حصہ بھول جاتے ہیں جس کی انہیں یاد دلائی گئی تھی۔ اور تم اب بھی ان کے درمیان دھوکہ دہی کو دیکھو گے، سوائے ان میں سے "چند کے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیے بغیر حد سے زیادہ باتیں کرتے ہیں وہ روحانی سخت دل اختیار کرنے کا شکار ہوتے ہیں۔ سخت روحانی دل کا مالک اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2411 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ دیتے ہیں، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے پرہیز اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے، سخت دل کے ساتھ ملعون ہوں گے۔ باب 5 المائدة، آیت 13

”پس ہم نے ان کے عہد شکنی کے سبب ان پر لعنت بھیجی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔“

جامع ترمذی نمبر 2305 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ زیادہ ہنسنے والا سخت دل ہو جائے گا۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی مسکرا نہیں سکتا کیونکہ اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ کے طور پر درجہ بندی کیا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1970 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ کثرت سے ہنسنے سے انسان ایسی ذہنیت اختیار کر لیتا ہے جس میں وہ صرف مضحکہ خیز مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔ یہ موت اور قیامت جیسے سنگین مسائل سے بچنے کا سبب بنتا ہے۔ اگر کوئی ان اہم مسائل سے گریز کرتا ہے تو وہ ان کے لیے کیسے تیاری کر سکتا ہے؟ تیاری کی کمی کسی کے روحانی دل کو سخت کرنے کا باعث بنے گی۔

کچھ کہتے ہیں کہ زیادہ کھانا روحانی دل کی سختی کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ کھانے سے انسان سست ہو جاتا ہے۔ سستی نیکیوں میں کمی کا باعث بنتی ہے جس کی وجہ سے روحانی دل سخت ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متنبہ کیا ہے، جامع ترمذی نمبر 3334 میں موجود حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو اس کے روحانی قلب پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ گناہوں کی تعداد بڑھ جائے تو یہ سیاہی بڑھ جاتی ہے جو سخت روحانی دل کی طرف لے جاتی ہے۔ باب 83 المطفین، آیت 14

"نہیں! بلکہ داغ ان کے دلوں پر چھا گیا ہے جو وہ کما رہے تھے۔"

یہی وجہ ہے کہ یہ کہا گیا ہے کہ مسلسل گناہ کرنا روحانی دل کی موت کا سبب بن سکتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل کو نرم کرنے کی کوشش کریں کیونکہ یہ اس کی تزکیہ کا باعث بنتا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 4094 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوجاتا ہے تو جسم کے تمام اعضاء بھی پاک ہوجاتے ہیں۔ یہ تزکیہ نفس کو نیک اعمال کرنے اور اللہ تعالیٰ کے لیے گناہوں کو ترک کرنے کی ترغیب دے گا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 26

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ نشہ ہر برائی کا ذریعہ ہے۔ میں اس پر بحث امام اصفہانی، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 289- کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3371 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مسلمان ہرگز شراب نہ پیئے کیونکہ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے۔

تمام برائیوں کی یہ - بدقسمتی سے مسلمانوں میں یہ کبیرہ گناہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا ہے دوسرے گناہوں کو جنم دیتا ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ شرابی اپنی زبان جیسا کہ یہ کنجی ہے۔ اور جسمانی افعال پر قابو کھو دیتا ہے۔ صرف اس خبر کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شراب پینے سے کتنا جرم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ اعتدال سے پیتے ہیں وہ صرف اپنے جسم کو نقصان پہنچاتے ہیں جو سائنس نے ثابت کیا ہے۔ الکحل سے منسلک جسمانی اور ذہنی بیماریاں بے شمار ہیں۔ یہ تمام برائیوں کی کلید اور نیشنل ہیلتھ سروس اور ٹیکس دہندگان پر بھاری بوجھ کا باعث بنتی ہیں۔ باب 5 ہے کیونکہ یہ انسان کے تینوں پہلوؤں یعنی ان کے جسم، دماغ اور روح پر منفی اثر ڈالتی ہے۔ المائدۃ، آیت 90

اے ایمان والو، بے شک نشہ، جوا، پتھروں پر قربانی کرنا، اور طاغوت کے تیر شیطان کے کام سے ”ناپاک ہیں، لہذا اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

حقیقت یہ ہے کہ شراب پینے کو اس آیت میں ان چیزوں کے ساتھ رکھا گیا ہے جن کا تعلق شرک سے ہے اس سے بچنا کتنا ضروری ہے۔

یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ شراب باقاعدگی سے پینے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

پہیلانا جنت کے حدیث کے مطابق سلامتی کے اسلامی سلام کو سنن ابن ماجہ نمبر 68 میں موجود اس کے باوجود، امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 1017 میں پائی جانے والی - حصول کی کلید ہے ایک حدیث مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ ایسے شخص کو سلام نہ کریں جو باقاعدگی سے شراب پیتا ہو۔

شراب ایک انوکھا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ سنن ابن ماجہ نمبر 3380 میں موجود ایک حدیث میں دس مختلف زاویوں سے اس پر لعنت کی گئی ہے۔ اس میں شراب خود بھی شامل ہے، اس کو پیدا کرنے والا، اس کے پیدا کرنے والا، جس کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اسے بیچنے والا، اسے خریدنے والا، اسے اٹھانے والا، جس تک پہنچایا جائے، وہ جو اسے بیچ کر حاصل کردہ مال کو استعمال کرے، اسے پینے والا اور اس کو ڈالنے والا۔ جو شخص ایسی لعنت کا معاملہ کرے گا وہ اس وقت تک جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حقیقی کامیابی حاصل نہیں کرے گا

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 27

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ نوحہ کرنا مشرکانہ فعل ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 289 میں بحث کی گئی ہے۔

اونچی آواز میں آہ و زاری کرنا، کپڑے پہاڑنا اور مشکل کے وقت ایسے ہی کام کرنا، جیسے محبوب کی موت پر۔

میں جس اس کو ثابت کرنے والی بہت سی احادیث ہیں جیسے سنن ابوداؤد نمبر 3128 میں موجود ہے مصیبت کے وقت رونے والے پر لعنت کی گئی ہے۔ بدقسمتی سے، کچھ مسلم کمیونٹیز کا خیال ہے کہ انہوں نے میت اور ان کے رشتہ داروں کے لیے اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا جب تک کہ وہ عوامی طور پر ان پر ماتم نہ کریں۔ یہ درحقیقت ایک دوبرا گناہ ہے کیونکہ وہ مصیبت کے وقت روتے ہیں جو ایک بڑا گناہ ہے لیکن وہ دوسروں کو دکھاوے کے لیے بھی کرتے ہیں جو ایک اور گناہ ہے۔

جیسے کسی عزیز ، کا خیال ہے کہ مشکل کے وقت رونے کی اجازت نہیں ہے بدقسمتی سے، کچھ - یہ غلط ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی موقعوں پر جب کسی کا کو کھونا انتقال ہوا تو روئے تھے۔ مثال کے طور پر جب ان کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو وہ نمبر 3126 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ سنن ابوداؤد رو پڑے۔ اس کی تصدیق

درحقیقت کسی کی موت پر رونا رحمت کی نشانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں جگہ دی ہے۔ اور صرف وہی لوگ جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں اللہ کی طرف سے رحم کیا جائے گا۔ صحیح بخاری نمبر 1284 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اسی حدیث

میں واضح طور پر نکر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے پر روئے جو فوت ہو گیا۔

کہ کسی شخص کو کسی کی موت پر بتایا گیا ہے صحیح مسلم نمبر 2137 میں موجود ایک حدیث میں رونے یا اپنے دل میں ہونے والے غم پر عذاب نہیں دیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ انتخاب کے ساتھ اپنی اللہ بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے الفاظ بولتے ہیں تو انہیں سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ عزوجل۔

واضح رہے کہ دل میں غم محسوس کرنا یا آنسو بہانا اسلام میں منع نہیں ہے۔ جن چیزوں سے منع کیا سر گیا ہے وہ ہیں رونا، قول و فعل سے بے صبری کا اظہار کرنا، جیسے کپڑے پہاڑنا یا غم میں وہ اس طرح کام کرنے والوں کے خلاف سخت انتباہ ہیں۔ اس لیے ان کاموں سے ہر حال میں منڈوانا۔ اجتناب کرنا چاہیے۔ اس طرح کے کام کرنے پر نہ صرف کسی شخص کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے بلکہ اگر مرنے والے نے چاہا اور دوسروں کو اس طرح کرنے کا حکم دیا جب وہ مر گیا تو ان کا بھی جوابدہ ہو گا۔ لیکن اگر مرحوم نے یہ خواہش نہ کی ہو تو وہ کسی قسم کے احتساب سے پاک ہیں۔ میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ سمجھنا عام فہم ہے 1006 جامع ترمذی نمبر اس کی تصدیق کہ اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کے فعل کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا جب کہ سابقہ نے اسے اس طرح عمل کرنے کی نصیحت نہیں کی۔ باب 35 فاطر، آیت 18

"... اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 28

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مومن کے مال کی حرمت اس کی جان کی طرح مقدس ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 289 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 67 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اسلام میں مسلمان کا خون، مال اور عزت حرمت ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، مسلمانوں کو سکھاتی ہے کہ کامیابی صرف اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے حقوق، جیسے فرض نماز، اور لوگوں کے حقوق کو ادا کرے۔ ایک کے بغیر دوسرا کافی اچھا نہیں ہے۔

سچا مومن اور مسلمان وہ ہے جو دوسروں کے نفس اور مال سے ان کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عمل یا الفاظ سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچائیں۔

ایک مسلمان کو دوسروں کے مال کا احترام کرنا چاہیے اور انہیں غلط طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، مثال کے طور پر، قانونی معاملے میں۔ صحیح مسلم نمبر 353 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اگرچہ اس نے حاصل کی ہوئی چیز درخت کی ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں

کے مال کو صرف ان کی خواہش کے مطابق استعمال کریں اور انہیں اس طریقے سے واپس کریں کہ اس کے مالک کی خوشنودی ہو۔

غیبت یا غیبت جیسے فعل یا تقریر سے کسی مسلمان کی عزت کو پامال نہیں کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کی عزت کا دفاع کرے خواہ ان کی موجودگی میں ہو یا غیر موجودگی میں کیونکہ یہ جہنم کی آگ سے ان کی حفاظت کا باعث بنے گا۔ جامع ترمذی نمبر 1931 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہوئے اپنے نفس، مال یا عزت پر ظلم کرنے سے گریز کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ جس طرح کوئی اسے اپنے لیے پسند کرتا ہے اسے دوسروں کے لیے بھی پسند کرنا چاہیے اور اسے اپنے عمل اور تقریر سے ثابت کرنا چاہیے۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق یہ مومن کی نشانی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 29

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ جو دوسروں کے گناہوں کو معاف کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 289 میں بحث کی گئی ہے۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطقی اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ ..."

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 30

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جو کوئی ان کے غصے کو نگل لے اللہ تعالیٰ اس کو اجر دے گا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 289 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6116 کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو غصہ نہ کرنے کی نصیحت کی۔

درحقیقت اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی کبھی غصہ نہ کرے کیونکہ غصہ ایک فطری صفت ہے جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ درحقیقت، بعض غیر معمولی معاملات میں غصہ مفید ہو سکتا ہے، مثال کے طور پر، اپنے دفاع میں۔ اس حدیث کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے غصے کو قابو میں رکھے تاکہ یہ اسے گناہوں کی طرف نہ لے جائے۔ اس کے علاوہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غصہ بہت سی برائیوں کو جنم دیتا ہے اور اس پر قابو رکھنا بہت سی بھلائیوں کا باعث بنتا ہے۔

سب سے پہلے یہ نصیحت ان تمام اچھی خصوصیات کو اپنانے کا حکم ہے جو غصے پر قابو پانے کی ترغیب دیں، جیسے صبر۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ آدمی اپنے غصے کے مطابق کام نہ کرے۔ اس کے بجائے، انہیں اس پر قابو پانے کے لئے اپنے آپ سے جدوجہد کرنی چاہئے تاکہ یہ انہیں گناہوں کی طرف نہ لے جائے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے غصے پر قابو پانا ایک عظیم عمل ہے اور محبت الہی کی طرف لے جاتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 134

جو غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ نیکي کرنے والوں کو پسند کرتا ” ہے۔“

اسلام کے اندر بہت سی تعليمات ہیں جو مسلمانوں کو اپنے غصے پر قابو پانے کی ترغيب ديتی ہیں۔ مثال کے طور پر، جيسا کہ غصہ شیطان سے منسلک اور متاثر ہوتا ہے، صحیح بخاری نمبر 3282 میں ایک حدیث پائی جاتی ہے، جس میں مشورہ دیا گیا ہے کہ غصے والے شخص کو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 2191 میں موجود حدیث میں ناراض مسلمان کو زمین سے چمٹنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب تک وہ پرسکون نہ ہو جائیں زمین پر سجدہ کریں۔ درحقیقت، جتنا زیادہ کوئی غير فعال جسمانی پوزیشن لیتا ہے، اتنا ہی کم موقع ہوتا ہے کہ وہ غصے میں مارے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4782 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس نصیحت پر عمل کرنے سے انسان اپنے غصے کو اپنے اندر قید کر لیتا ہے یہاں تک کہ وہ گزر جاتا ہے تاکہ دوسروں پر اس کا منفی اثر نہ پڑے۔

ایک مسلمان جو غصے میں ہو اسے سنن ابو داؤد نمبر 4784 میں موجود حدیث میں دی گئی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراض مسلمان کو وضو کرنے کی نصیحت کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی غصے کی فطری خصوصیت یعنی گرمی کا مقابلہ کرتا ہے۔ اگر کوئی اس کے بعد نماز پڑھتا ہے تو اس سے انہیں اپنے غصے پر مزید قابو پانے میں مدد ملے گی اور ایک عظیم اجر ملے گا۔

اب تک زیر بحث مشورے سے ناراض مسلمان کو اپنی جسمانی حرکات پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے۔ اپنی بات پر قابو پانے کے لیے غصے کی حالت میں بولنے سے گریز کرنا ہی بہتر ہے۔ بدقسمتی سے، الفاظ اکثر جسمانی اعمال کے مقابلے میں دوسروں پر زیادہ دیرپا اثر ڈال سکتے ہیں۔ غصے میں

کہے گئے الفاظ کی وجہ سے لاتعداد رشتے ٹوٹ چکے ہیں اور ٹوٹ چکے ہیں۔ یہ رویہ اکثر دوسرے گناہوں اور جرائم کی طرف بھی جاتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے سنن ابن ماجہ نمبر 3970 میں موجود حدیث کو نوٹ کرنا ضروری ہے جس میں متنبہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کو جہنم میں ڈالنے کے لیے صرف ایک برے لفظ کی ضرورت ہے۔

غصے پر قابو پانا ایک بہت بڑی نیکی ہے اور اس پر قابو پانے والے کو صحیح بخاری نمبر 6114 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مضبوط انسان قرار دیا ہے۔ درحقیقت ننگنے والا اللہ تعالیٰ کے لیے ان کا غصہ، یعنی وہ اپنے غصے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں کرتے، ان کا دل سکون اور سچے ایمان سے بھر جائے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4778 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ صحیح دل کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ یہ واحد دل ہے جسے قیامت کے دن حفاظت ملے گی۔ باب 26 اشعرا، آیات 88 اور 89

جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس سچے دل کے ”ساتھ آتا ہے۔“

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، حد کے اندر غصہ مفید ہو سکتا ہے۔ اسے اپنے نفس، ایمان اور مال کو پہنچنے والے نقصان کو دور کرنے کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے جو کہ اگر صحیح طریقے سے کیا جائے تو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے غضب میں شمار ہوتا ہے۔ یہ حال تھا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو اپنی خواہشات کی خاطر کبھی ناراض نہیں ہوئے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ناراض ہوا، جس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6050 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت قرآن پاک تھی، جو صحیح مسلم نمبر 1739 میں ایک حدیث میں نصیحت کی گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اس پر راضی ہو گا جس سے وہ راضی ہو گا اور جس سے ناراض ہو گا اس پر ناراض ہو گا۔

غور طلب ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غصہ کرنا قابل تعریف ہے لیکن اگر یہ غصہ حد سے بڑھ جائے تو وہ قابل ملامت ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے غصے پر قابو رکھنا انتہائی ضروری ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر غصہ میں ہی کیوں نہ ہو۔ سنن ابو داؤد نمبر 4901 میں موجود ایک حدیث ایک ایسے نمازی کو خبردار کرتی ہے جو غصے میں اللہ تعالیٰ کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ کسی خاص گنہگار کو معاف نہیں کرے گا۔ اس کے نتیجے میں اس نمازی کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا جبکہ گناہ گار کو قیامت کے دن معاف کر دیا جائے گا۔

برائی کی ابتداء چار چیزوں سے ہوتی ہے: خواہش پر قابو نہ پانا، خوف، بُری بھوک اور غصہ۔ لہذا جو شخص اس حدیث کی نصیحت کو قبول کرے گا اس کے کردار اور زندگی سے ایک چوتھائی برائی دور ہو جائے گی۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کے لیے اپنے غصے کو قابو میں رکھنا بہت ضروری ہے، اس لیے یہ ان کے لیے ایسی حرکت یا بات کرنے کا سبب نہ بنے جس سے انہیں دنیا اور آخرت دونوں میں بڑی پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 31

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ سب سے بری کمائی سود سے حاصل ہونے والا مال ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 289 میں بحث کی گئی ہے۔

مالیاتی سود اس رقم کی نشاندہی کرتا ہے جو قرض دہندہ قرض لینے والے سے سود کی ایک مقررہ شرح پر وصول کرتا ہے۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت سودی لین دین کی کئی صورتیں رائج تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ فروش نے ایک مضمون فروخت کیا اور قیمت کی ادائیگی کے لیے ایک وقت کی حد مقرر کی، یہ شرط رکھی کہ اگر خریدار مقررہ مدت کے اندر ادائیگی کرنے میں ناکام رہا تو وہ وقت کی حد کو بڑھا دے گا لیکن مضمون کی قیمت میں اضافہ کر دے گا۔ دوسرا یہ تھا کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو ایک رقم ادھار دی اور یہ شرط رکھی کہ قرض لینے والے کو ایک مقررہ مدت کے اندر قرض کی رقم سے زائد رقم واپس کرنی چاہیے۔ سود کے لین دین کی ایک تیسری شکل یہ تھی کہ قرض لینے والے اور وینڈر نے اس بات پر اتفاق کیا کہ سابقہ قرض ایک مقررہ حد کے اندر ایک مقررہ شرح سود پر ادا کرے گا، اور یہ کہ اگر وہ اس حد کے اندر ایسا کرنے میں ناکام رہے تو قرض دہندہ وقت کی حد بڑھا دے گا لیکن ایک ہی وقت میں سود کی شرح میں اضافہ کرے گا۔ یہ ایسے لین دین ہیں جن پر یہاں مذکور احکام لاگو ہوتے ہیں۔

جو لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں وہ حلال سرمایہ کاری اور مالی مفاد سے حاصل ہونے والے منافع میں فرق کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس الجھن کے نتیجے میں بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر کسی کاروبار میں لگائی گئی رقم سے منافع حلال ہے تو قرض سے حاصل ہونے والے منافع کو کیوں حرام قرار دیا جائے؟ وہ دلیل دیتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی دولت کی سرمایہ کاری کرنے کے بجائے اسے کسی ایسے شخص کو قرض دیتا ہے جو بدلے میں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ایسے حالات میں قرض خواہ قرض خواہ کو منافع کا حصہ کیوں ادا نہ کرے؟ وہ یہ تسلیم کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ کوئی بھی کاروباری منصوبہ خطرے سے محفوظ نہیں ہے۔ کوئی بھی منصوبہ منافع کی مطلق ضمانت نہیں رکھتا۔ لہذا یہ مناسب نہیں ہے کہ اکیلے فنائسنگ کو ہر حال میں ایک مقررہ شرح پر منافع کا حقدار سمجھا جائے اور اسے نقصان کے کسی بھی امکان سے محفوظ رکھا جائے۔ یہ انصاف کا

حصہ نہیں ہے کہ جو لوگ اپنے وسائل وقف کرتے ہیں انہیں کسی بھی مقررہ شرح پر منافع کی ضمانت نہیں دی جاتی جبکہ جو لوگ اپنی دولت کو قرض دیتے ہیں وہ نقصان کے تمام خطرات سے مکمل طور پر محفوظ ہوتے ہیں اور ایک مقررہ شرح پر منافع کی ضمانت دی جاتی ہے۔

ایک عام حلال لین دین میں خریدار اس چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے جسے وہ بیچنے والے سے خریدتا ہے۔ بیچنے والے کو شے بنانے میں لگائی گئی محنت اور وقت کا معاوضہ ملتا ہے۔ دوسری طرف سود سے متعلق لین دین میں، فوائد کا تبادلہ منصفانہ طور پر نہیں ہوتا ہے۔ سود وصول کرنے والے فریق کو اپنے دیئے گئے قرض کی ادائیگی کے طور پر ایک مقررہ رقم ملتی ہے اور اس طرح ان کا فائدہ محفوظ ہوجاتا ہے۔ دوسرا فریق قرضے میں دیئے گئے فنڈز کا استعمال کر سکتا ہے لیکن یہ ہمیشہ منافع نہیں دے سکتا۔ اگر ایسا شخص ادھار کی رقم کسی ضرورت پر خرچ کرے تو کوئی نفع نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر فنڈز کی سرمایہ کاری کی جاتی ہے تب بھی کسی کو نفع یا نقصان دونوں کا موقع ملتا ہے۔ اس لیے سود سے متعلق لین دین ایک طرف نقصان اور دوسری طرف منافع یا ایک طرف یقینی اور مقررہ منافع اور دوسری طرف غیر یقینی منافع کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے حلال تجارت مالی سود کے برابر نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، سود کا بوجھ قرض لینے والوں کے لیے قرض کی واپسی کو انتہائی مشکل بنا دیتا ہے۔ اصل قرض اور سود کی ادائیگی کے لیے انہیں کسی اور ذریعے سے قرض بھی لینا پڑ سکتا ہے۔ سود کے کام کرنے کے طریقے کی وجہ سے ان پر واجب الادا رقم اکثر قرض کی ادائیگی کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ یہ مالی دباؤ لوگوں کو اپنے اور اپنے خاندان کے لیے ضروریات زندگی حاصل کرنے سے روک سکتا ہے۔ یہ تناؤ بہت سے جسمانی اور ذہنی مسائل کا باعث بن سکتا ہے۔

بالآخر، اس قسم کے نظام میں صرف امیر امیر تر ہوتے ہیں جبکہ غریب غریب تر ہوتے جاتے ہیں۔

اگرچہ مالی مفادات سے نمٹنا ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے کہ کسی شخص کو دولت حاصل ہوتی ہے لیکن حقیقت میں اس سے ان کا مجموعی نقصان ہی ہوتا ہے۔ یہ نقصان کئی شکلیں لے سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، یہ انہیں اچھے اور حلال کاروباری معاملات کو کھونے کا باعث بن سکتا ہے جو وہ حاصل کر سکتے تھے اگر وہ مالی مفاد سے نمٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مال کو ایسے طریقوں سے استعمال کرنے پر مجبور کر سکتا ہے جو ان کو پسند نہ ہوں۔ مثال کے طور پر، ان کو جسمانی بیماریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی قیمتی غیر قانونی دولت کو اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ اس کو ان طریقوں سے استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو انہیں خوش کرتے ہیں۔ مجموعی نقصان کا ایک روحانی پہلو بھی ہے۔ وہ جتنا زیادہ مالی سود کا سودا کرتے ہیں ان کا لالچ اتنا ہی زیادہ معنی خیز ہوتا جاتا ہے، ان کی دنیاوی چیزوں کی حرص کبھی پوری نہیں ہوتی جو تعریف کے اعتبار سے انہیں غریب بنا دیتی ہے خواہ ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ یہ لوگ دن بھر ایک دنیاوی مسئلے سے دوسرے مسئلے میں جائیں گے اور فحاشی حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ وہ اس فضل سے محروم رہیں گے جو حلال کاروبار اور دولت کے ساتھ ہے۔ یہ انہیں مالی مفاد اور دیگر ذرائع سے مزید غیر قانونی دولت حاصل کرنے کی طرف دھکیل سکتا ہے۔ آخرت کا نقصان زیادہ واضح ہے۔ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ چھوڑے جائیں گے کیونکہ کوئی نیک عمل جو حرام سے جڑا ہوا ہو مثلاً حرام مال سے صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔ یہ طے کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ اس شخص کا قیامت کے دن کہاں تک پہنچنے کا امکان ہے۔

حلال کاروباری لین دین اور سود سے متعلق لین دین میں بہت فرق ہے۔ سابقہ معاشرہ میں فائدہ مند کردار ادا کرتا ہے جبکہ بعد والا اس کے زوال کا باعث بنتا ہے۔ اپنی فطرت کے مطابق مفاد لالچ، خود غرضی، بے حسی اور دوسروں کے ساتھ ظلم کو جنم دیتا ہے۔ یہ دولت کی عبادت کی طرف لے جاتا ہے اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور اتحاد کو ختم کرتا ہے۔ اس طرح یہ معاشرے کو معاشی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے تباہ کر سکتا ہے۔

دوسری طرف صدقہ، سخاوت اور ہمدردی کا نتیجہ ہے۔ باہمی تعاون اور خیرسگالی سے معاشرہ مثبت طور پر ترقی کرے گا جس سے سب کو فائدہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی ایسا معاشرہ ہو جس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ معاملات میں خود غرض ہوں، جس میں امیروں کے مفادات عام لوگوں کے مفادات کے بالواسطہ مخالف ہوں تو وہ معاشرہ مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں رہتا۔ ایسے معاشرے میں محبت اور ہمدردی کی بجائے باہمی رنجش اور تلخی بڑھنے لگتی ہے۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب لوگ اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کریں گے اور پھر اپنی زائد دولت سے خیراتی طریقوں سے خرچ کریں گے یا باہمی طور پر حلال کاروبار میں حصہ لیں گے تو ایسے معاشرے میں تجارت، صنعت اور زراعت میں بہتری آئے گی۔ معاشرے کے اندر زندگی کا معیار بلند ہو گا اور اس میں پیداوار ان معاشروں کی نسبت بہت زیادہ ہو گی جہاں معاشی سرگرمیاں مالی مفاد کی وجہ سے محدود ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 32

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ خوش نصیب ترین وہ ہے جو دوسروں کی بدحالی کی وجہ پر توجہ کرے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 289 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں محتاط رہے اور اپنے دنیوی معاملات میں بہت زیادہ مشغول ہونے سے گریز کرے تاکہ وہ اپنے اردگرد ہونے والی چیزوں سے اور ان چیزوں سے غافل ہو جائے جو پہلے ہو چکی ہیں۔ یہ ایک اہم خوبی ہے کیونکہ یہ کسی کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے جس کے نتیجے میں انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مدد ملتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب کوئی مسلمان کسی بیمار کو دیکھتا ہے تو اسے نہ صرف اس کی مدد کرنی چاہیے، چاہے وہ صرف ایک دعا ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اسے اپنی صحت پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ بھی آخر کار اپنی صحت سے محروم ہو جائیں گے۔ بیماری، بڑھاپے یا موت سے بھی۔ اس سے انہیں اپنی اچھی صحت کے لیے شکر گزار ہونے کی ترغیب دینی چاہیے اور دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ان کی اچھی صحت سے فائدہ اٹھا کر اپنے عمل سے یہ ظاہر کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔

جب وہ کسی امیر کی موت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو انہیں نہ صرف میت اور اس کے گھر والوں کے لیے غمگین ہونا چاہیے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک دن وہ بھی مر جائے گا جو ان کے لیے نامعلوم ہے۔ انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح امیر کو ان کی قبر پر دولت، شہرت اور خاندان چھوڑ دیا گیا تھا، اسی طرح وہ بھی قبر میں صرف ان کے اعمال کے ساتھ رہ جائیں گے۔ اس سے انہیں اپنی قبر اور آخرت کی تیاری کا حوصلہ ملے گا۔

یہ رویہ ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیے ایک مسلمان کو اپنے اردگرد کی ہر چیز سے سبق سیکھنا چاہیے جس کی نصیحت قرآن پاک میں کی گئی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 191:

اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں سوچو، "اے ہمارے رب، تو نے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا، تو بہت بلند ہے، تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔"

جو لوگ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں ان کا ایمان روزانہ کی بنیاد پر مضبوط ہوتا جائے گا جبکہ جو لوگ اپنی دنیاوی زندگی میں بہت زیادہ مشغول ہیں وہ غافل رہیں گے جو ان کی تباہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 33

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ جو مصیبت کی قدر جانتا ہے وہ ان کو برداشت کرے گا اور جو نہیں سمجھتا وہ ان کے پیچھے کی وجہ پر سوال کرے گا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 289 میں بحث کی گئی ہے۔

مسند احمد نمبر 2803 میں ایک حدیث ہے کہ ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کرنا اجر عظیم کا باعث ہے۔
باب 39 از زمر، آیت 10

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا [یعنی حد]۔..."

ایمان کے تین پہلوؤں کی تکمیل کے لیے صبر ایک کلیدی عنصر ہے: اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا سامنا کرنا۔ لیکن صبر سے زیادہ اعلیٰ اور زیادہ ثواب کا درجہ قناعت ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب ایک مسلمان گہرا یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے اور اس لیے وہ اس کے انتخاب کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ایک صابر مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ جس چیز نے ان پر اثر ڈالا، مثلاً ایک مشکل، اس سے بچا نہیں جا سکتا تھا خواہ ساری مخلوق ان کی مدد کرے۔ اسی طرح جو کچھ بھی ان سے چھوٹ گیا وہ ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ جو شخص اس حقیقت کو صحیح معنوں میں قبول کر لیتا ہے وہ اس چیز پر فخر اور فخر نہیں کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مختص کیا ہے۔ اور نہ ہی وہ کسی ایسی چیز پر غمگین ہوں گے جس کو حاصل کرنے میں وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے میں ناکام رہے، اس نے وہ چیز ان کے لیے مختص نہیں کی اور نہ ہی کوئی چیز اس حقیقت کو بدل سکتی ہے۔ باب: الحديد، آیات 22-23-57

کوئی آفت زمین پر یا آپ کے درمیان نہیں آتی ہے سوائے اس کے کہ ہم اسے وجود میں لانے سے " پہلے ایک رجسٹر 1 میں موجود ہوں۔ - بے شک یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ تاکہ تم اس چیز پر مایوس نہ ہو " جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس پر فخر نہ کرو۔

اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 79 کی ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ جب کوئی چیز واقع ہو تو مسلمان کو یقین رکھنا چاہیے کہ وہ مقدر تھی اور کوئی چیز اس کا نتیجہ نہیں بدل سکتی تھی۔ اور ایک مسلمان کو یہ خیال کرتے ہوئے پچھتاوا نہیں ہونا چاہیے کہ اگر وہ کسی نہ کسی طرح مختلف طریقے سے برتاؤ کرتے تو وہ نتائج کو روک سکتے تھے کیونکہ یہ رویہ صرف شیطان کو بے صبری اور تقدیر کے بارے میں شکایت کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ایک صابر مسلمان صحیح معنوں میں یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی منتخب کیا ہے وہ ان کے لیے بہترین ہے خواہ وہ اس کے پیچھے موجود حکمت کو نہ دیکھیں۔ صبر کرنے والا اپنے حالات میں تبدیلی کا خواہاں ہوتا ہے اور اس کے لیے دعا بھی کرتا ہے لیکن جو کچھ ہوا اس کی شکایت نہیں کرتا۔ ثابت قدم رہنا ایک مسلمان کو بڑے درجے پر لے جا سکتا ہے یعنی قناعت۔

قناعت کرنے والا حالات میں تبدیلی کی خواہش نہیں رکھتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ان کی پسند سے بہتر ہے۔ یہ مسلمان صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود حدیث پر پختہ یقین رکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ یہ مشورہ دیتا ہے کہ مومن کے لیے ہر حالت بہترین ہے۔ اگر انہیں

کوئی مسئلہ درپیش ہو تو انہیں صبر کا مظاہرہ کرنا چاہئے جس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر وہ آسانی کے وقت کا تجربہ کرتے ہیں تو انہیں شکر ادا کرنا چاہئے جو برکتوں کا باعث بنتا ہے

یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو آزماتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ اگر وہ صبر کا مظاہرہ کریں گے تو انہیں اجر ملے گا لیکن اگر وہ ناراض ہیں تو یہ ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی کا ثبوت ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2396 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ایک مسلمان کو آسانی اور مشکل دونوں وقتوں میں صبر کرنا چاہیے یا اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور فیصلے پر راضی رہنا چاہیے۔ اس سے کسی کی پریشانی میں کمی آئے گی اور اسے دونوں جہانوں میں بہت سی نعمتیں ملیں گی۔ جبکہ، بے صبری صرف اس انعام کو ختم کر دے گی جو وہ حاصل کر سکتے تھے۔ کسی بھی صورت میں ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ صورت حال سے گزرے گا، لیکن یہ ان کا اختیار ہے کہ وہ اجر چاہتے ہیں یا نہیں۔

ایک مسلمان اس وقت تک مکمل قناعت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ مشکل اور آسانی کے وقت اس کا رویہ برابر نہ ہو۔ ایک سچا بندہ فیصلہ کے لیے مالک یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس کیسے جا سکتا ہے اور پھر ناخوش کیسے ہو سکتا ہے جب انتخاب ان کی خواہش کے مطابق نہ ہو۔ اس بات کا ایک حقیقی امکان ہے کہ اگر کسی شخص کو وہ حاصل ہو جائے جس کی وہ خواہش کرتا ہے تو وہ اسے تباہ کر دے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ایک مسلمان کو کنارے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ یعنی جب حکم الہی ان کی خواہشات کے مطابق ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ غضب ناک ہو جاتے ہیں گویا وہ اللہ تعالیٰ سے بہتر جانتے ہیں۔ باب 22 الحج، آیت 11

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی " ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا "اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہیے جیسا کہ وہ کسی قابل اعتماد ڈاکٹر کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان ڈاکٹر کی تجویز کردہ کڑوی دوا لینے کی شکایت نہیں کرے گا یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے اسے یہ جانتے ہوئے کہ دنیا میں ان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسے قبول کرنا چاہیے۔ درحقیقت ایک سمجھدار شخص کڑوی دوا کے لیے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرے گا اور اسی طرح ایک ذہین مسلمان کسی بھی صورت حال کا سامنا کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کی بہت سی آیات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کا جائزہ لیں، جن میں صبر کرنے والے اور مطمئن مسلمان کو دیے جانے والے اجر کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس پر گہرا غور و فکر ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے ثابت قدم رہنے کی ترغیب دے گا۔ مثال کے طور پر، باب 39 از زمر، آیت 10

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا [یعنی حد]۔..."

ایک اور مثال جامع ترمذی نمبر 2402 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ اس میں یہ نصیحت ہے کہ جب صبر کے ساتھ دنیا میں آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنے والوں کو ان کا اجر ملے گا جن لوگوں نے ایسی آزمائشوں کا سامنا نہیں کیا وہ کاش صبر کے ساتھ ایسی مشکلات کا مقابلہ کرتے۔ جیسا کہ ان کی جلد قینچی سے کاٹ دی جاتی ہے۔

صبر اور قناعت حاصل کرنے کے لیے جس چیز کو اللہ تعالیٰ کسی شخص کے لیے چنتا ہے وہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پائے جانے والے علم کی تلاش اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ وہ ایمان کی بلندی تک پہنچ جاتے ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ ایمان کی فضیلت اس وقت ہوتی ہے جب ایک مسلمان عمل کرتا ہے جیسے کہ نماز، گویا وہ اللہ تعالیٰ کی گواہی دے سکتا ہے۔ جو اس درجے پر پہنچ جائے گا وہ مشکلات اور آزمائشوں کا درد محسوس نہیں کرے گا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت میں پوری طرح غرق ہو جائے گا۔ یہ ان عورتوں کا حال ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹتے وقت درد محسوس نہیں کرتی تھیں۔ باب 12 یوسف، آیت 31

اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دی اور کہا، "ان کے سامنے نکل آ۔" اور جب انہوں نے اسے ... دیکھا تو اس کی بہت تعریف کی اور اپنے ہاتھ کاٹ کر کہنے لگے کہ اللہ کامل ہے یہ کوئی آدمی نہیں ہے، یہ کوئی اور نہیں بلکہ ایک بزرگ فرشتہ ہے۔

اگر کوئی مسلمان ایمان کے اس اعلیٰ درجے تک نہیں پہنچ سکتا تو اسے کم از کم اس نچلی سطح تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے جس کا ذکر پہلے حدیث میں ہے۔ یہ وہ درجہ ہے جہاں انسان کو مسلسل معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھے جا رہے ہیں۔ اسی طرح ایک شخص کسی مستند شخصیت کے سامنے شکایت نہیں کرے گا جس سے وہ ڈرتا ہے، جیسے کہ آجر، ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی موجودگی سے مسلسل آگاہ ہے، اس کے انتخاب کے بارے میں شکایت نہیں کرے گا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 34

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ دین کا بہترین حصہ وہ ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کبھی خالی نہ ہو۔ اس کا تذکرہ امام بیہقی کی، زہد الکبیر، 826 میں کیا گیا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6407 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے اور نہ کرنے والے کے درمیان فرق زندہ آدمی جیسا ہے۔ ایک مردہ شخص۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک مضبوط تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ دنیا اور آخرت کی تمام مشکلات پر کامیابی سے کامیابی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ سے زیادہ یاد کریں۔ سادہ الفاظ میں، وہ جتنا زیادہ اسے یاد کریں گے، اتنا ہی وہ اس اہم مقصد کو حاصل کریں گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے تین درجوں پر عملاً عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ پہلا درجہ اللہ تعالیٰ کو اندرونی اور خاموشی سے یاد کرنا ہے۔ اس میں اپنی نیت کو درست کرنا بھی شامل ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرے۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کو زبان سے یاد کرنا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کرنے کا سب سے اعلیٰ اور مؤثر طریقہ عملاً اسے اعضاء کے ساتھ یاد کرنا ہے۔ یہ اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لیے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے جو کہ دونوں جہانوں میں تمام بھلائیوں اور کامیابیوں کی جڑ ہے۔

پہلے دو درجوں پر رہنے والوں کو ان کی نیت کے اعتبار سے ثواب ملے گا لیکن ان کے ایمان اور تقویٰ میں اس وقت تک اضافہ ہونے کا امکان نہیں ہے جب تک کہ وہ ذکر الہی کے تیسرے اور اعلیٰ درجے تک نہ پہنچ جائیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 35

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر کوئی شخص جنت کا خواہاں ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں کی تنقید سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ اس کا تذکرہ امام بیہقی کی، زبد الکبیر، 826 میں کیا گیا ہے۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے صحیح طریقے سے رہنمائی کرتے ہیں کیونکہ دوسروں پر ان کی تنقید کی بنیاد قرآن پاک میں موجود تنقید اور نصیحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ہوتی ہے۔ یہ قسم ہمیشہ تعمیری رہے گی اور دونوں جہانوں میں نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف رہنمائی کرے گی۔ یہ لوگ دوسروں کی زیادہ یا کم تعریف کرنے سے بھی گریز کریں گے۔ دوسروں کی زیادہ تعریف کرنا انہیں مغرور اور تکبر کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں کی تعریف کرنے سے وہ کابل بن سکتے ہیں اور انہیں اچھے کام کرنے سے روک سکتے ہیں۔ یہ ردعمل اکثر بچوں میں دیکھا جاتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق تعریف کرنے سے دوسروں کو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں زیادہ محنت کرنے کی ترغیب ملے گی اور یہ انہیں تکبر کرنے سے روکے گا۔ اس لیے اس شخص کی تعریف اور تعمیری تنقید کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے خواہ وہ کسی اجنبی کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری قسم کے لوگ اپنی خواہشات کی بنیاد پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ تنقید زیادہ تر غیر تعمیری ہے اور صرف کسی کے خراب مزاج اور رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ لوگ اکثر دوسروں کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ ان دونوں کے منفی اثرات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ لہذا اس شخص کی تنقید اور تعریف کو اکثر صورتوں میں نظر انداز کر دینا چاہیے خواہ وہ کسی عزیز کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ تنقید کے معاملے میں غیر ضروری طور پر اداس اور تعریف کے معاملے میں تکبر کا باعث بنتا ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو شخص دوسروں کی زیادہ تعریف کرتا ہے وہ اکثر ان پر بھی تنقید کرتا ہے۔ جس اصول پر عمل کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ صرف اسلام کی تعلیمات پر مبنی تنقید اور تعریف قبول کریں۔ باقی تمام چیزوں کو نظر انداز کرنا چاہیے اور ذاتی طور پر نہیں لینا چاہیے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 36

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ جنت کی طرف لے جانے والی خوبی یہ ہے کہ جب کسی کے نیک اعمال عوام میں وہی ہوں جیسے وہ رازداری میں ہوتے ہیں۔ اس کا تذکرہ امام بیہقی کی، زہد الکبیر، 826 میں کیا گیا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2347 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اس کا حقیقی دوست وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، اس کے احکام کو بجا لائے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق عوامی اور نجی طور پر تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا۔ تنہائی میں ایسا کرنا کسی شخص کے اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کی نشاندہی کرتا ہے، یعنی وہ صرف اس کی خاطر اعمال صالحہ کرتے ہیں۔ یہ وہ ہے جو مضبوطی سے یاد رکھتا ہے کہ ان کی ذات کے باطنی اور ظاہری پہلو کہیں بھی ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی اس عقیدہ پر قائم رہے تو وہ ایمان کی فضیلت اختیار کرے گا جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود حدیث میں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ عمل کرتے ہیں، جیسے نماز پڑھنا، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں، ان کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ عمل صالح کی ترغیب دیتا ہے اور گناہوں سے روکتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 37

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ لوگوں کو دلوں کی بغض سے بچو۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، 2/207 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4860 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو دوسروں کے بارے میں منفی بات کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس سے لوگوں کے دلوں میں ان کے بارے میں برے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ خاندان خاص طور پر ایشیائی کمیونٹی سے، وقت کے ساتھ ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہ ایک سب سے بڑی شکایات ہے جو خاندان کے ممبران، جیسے والدین کو اکثر ہوتی ہے۔ وہ حیران ہیں کہ ان کے بچے کیوں الگ ہو گئے ہیں حالانکہ وہ کبھی مضبوطی سے ایک ساتھ تھے۔

رشتہ داروں کے درمیان تعلقات کے ٹوٹنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ کسی نے ان کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہے۔ یہ اکثر خاندان کے کسی فرد کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک ماں اپنے دوسرے بچے سے اپنے بیٹے کے بارے میں منفی بات کرے گی۔ یہ دونوں رشتہ داروں کے درمیان دشمنی کا باعث بنتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ دونوں کے درمیان دراڑ پیدا کر دیتا ہے۔ جو کبھی ایک شخص کی طرح تھے وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ بہت کم لوگوں کے علاوہ، جب کسی شخص سے کسی دوسرے کے بارے میں کوئی منفی بات کہی جائے تو وہ اس سے متاثر ہو جائیں گے، خواہ وہ یہ

نہ چاہتے ہوں۔ یہ دشمنی تب بھی ہوتی ہے جب کہ ابتدائی شخص جس نے کسی کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہو وہ رشتہ داروں کے درمیان پچر پیدا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ کچھ اکثر عادت سے ہٹ کر اس طرح کام کرتے ہیں اور تعلقات کو خراب کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اکثر یہ عادت اپناتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے بچوں کے رشتے ٹوٹنے یا ٹوٹنے کی خواہش نہیں رکھتے۔

یہ رویہ لوگوں کی ذہنیت پر اتنا گہرا اثر ڈالتا ہے کہ اس سے ان رشتہ داروں پر بھی اثر پڑتا ہے جو ایک دوسرے کو بہت کم دیکھتے یا بات کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک شخص کسی شخص کے رشتہ دار کے بارے میں منفی باتوں کا ذکر کرے گا حالانکہ اس کا رشتہ دار بھی ان جیسے ملک میں نہیں رہتا۔ یہ رویہ ان کے دل میں دشمنی کو پیوست کر دیتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ یہ محسوس کریں گے کہ وہ اپنے دور کے رشتہ دار کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ وہ انہیں بمشکل جانتے ہیں۔

یہ مسئلہ اکثر اس وقت ہوتا ہے جب دو افراد دوسرے لوگوں کے سامنے دوسروں کے بارے میں منفی باتوں پر بحث کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اپنے بچوں کے سامنے اپنے رشتہ داروں کے بارے میں منفی باتیں کر سکتے ہیں۔ اگرچہ، وہ اپنے بچوں کو براہ راست کچھ نہیں بتا رہے ہیں، یہ اب بھی ان کے دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے واقعی غور کرے تو وہ سمجھ جائے گا کہ دوسروں کے تئیں ان کے بیمار جذبات کی اکثریت اس شخص کے کیے یا ان سے براہ راست کہنے کی وجہ سے نہیں تھی۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ کسی تیسرے فریق کی وجہ سے ہوا ہے جس نے ان سے اس شخص کے بارے میں کسی منفی بات کا ذکر کیا۔

ایسی صورتوں میں جہاں کوئی دوسرے کو کسی خطرے سے خبردار کرنے کی کوشش کر رہا ہو تو کسی دوسرے شخص کا منفی انداز میں ذکر کرنا بالکل قابل قبول ہے۔ اگر کوئی دوسرے کو سبق سکھانے کی کوشش کر رہا ہے مثلاً اگر کوئی ماں اپنے بچوں میں سے کسی کو یہ سکھانا چاہتی ہے کہ وہ اپنے بہن بھائیوں کی طرح برتاؤ نہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں۔ شخص کا نام لیے بغیر منفی بات کا ذکر کریں۔ اس خوبصورت ذہنیت کی ایک

مثال صحیح بخاری نمبر 6979 میں موجود حدیث میں موجود ہے۔ کسی شخص کا نام لیے بغیر کسی منفی بات کا ذکر کرنا کسی کو سبق سکھانے کے لیے کافی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کو اپنے رشتہ داروں یا دوسروں کے بارے میں، نجی یا عوامی طور پر منفی بات کرنے سے پہلے گہرائی سے غور کرنا چاہیے۔ بصورت دیگر، وہ اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں جیسے جیسے وقت گزرتا ہے ان کا خاندان الگ ہو جاتا ہے اور جذباتی طور پر ایک دوسرے سے دور ہو جاتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 38

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ یقین میں اللہ تعالیٰ کا غضب کما کر لوگوں کو خوش نہ کرنا شامل ہے۔ اس پر ابن الجوزی کی سیفۃ الصفوة 1/217 میں بحث ہوئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا ”والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخر کار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے بحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں ایک اور کسی خاص طریقے سے اسکارف اتار دیا مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا

ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 39

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ لوگ تقریر کرنے میں اچھے ہیں۔ لیکن جس شخص کی باتیں اس کے عمل کے موافق ہوں وہی نیکی میں حصہ دار ہے۔ اس پر ابن الجوزی کی سیفۃ الصفوة 1/217 میں بحث ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 3267 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص نیکی کا حکم دیتے ہوئے اور برائی سے منع کرتے ہوئے اپنی ہی نصیحت کے خلاف کرے اسے جہنم میں سزا دی جائے گی۔

صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نصیحت کر کے نیک پیشواؤں کے نقش قدم پر چلنے کے بجائے بہت سے لوگ دوسری وجوہات مثلاً مقبولیت اور دنیاوی چیزوں کے لیے نصیحت کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، بعض علماء اکثر اجتماعات اور تقریبات کی روشنی میں رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسی نشست سے راضی نہیں ہوتے جو ایک طرف ہو کیونکہ وہ مرکزی نشست کی خواہش رکھتے ہیں۔ جب ان کا ارادہ ایسا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نصیحت کے مثبت اثر کو دور کر دیا اور اس طرح اب وہ اپنے سنے والوں پر بہت کم مثبت اثر رکھتے ہیں۔ انہیں ایک بات کہنے اور کرنے کی بجائے عملی مثال دکھانی چاہیے تھی۔ جس کی وجہ سے ان کا مشورہ بے اثر ہو گیا۔

مسلمانوں کو دوسروں کو ایسا کرنے کا حکم دینے سے پہلے ہمیشہ اپنی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ اس طرح کا برتاؤ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ باب 61 الصف، آیت 3

”اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔“

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے کسی کو کامل بننا چاہیے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔ اس کے بجائے، وہ اپنی نیت کو درست کریں اور دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے مشورے پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے عمل سے یہ ثابت کریں۔ صرف اسی رویہ سے وہ اس حدیث میں مذکور عذاب سے بچیں گے۔ اس اصول پر عمل کرنے میں ناکامی کی وجہ سے مسلمانوں کی نصیحتیں بے اثر ہو گئی ہیں حالانکہ گذشتہ برسوں میں مشاہیر کی تعداد میں ڈرامائی طور پر اضافہ ہوا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 40

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ صبر آدھا ایمان ہے۔ اس کا تذکرہ امام بیہقی کی، ذہد الکبیر، 985 میں کیا گیا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1302 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مشکل کے وقت حقیقی صبر کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ حقیقی صبر کسی آفت کے دوران ظاہر ہوتا ہے، مشکل کے آغاز سے ہی۔ کسی مشکل کی حقیقت کو قبول کرنا، جیسے کسی عزیز کی موت، آخر کار وقت گزرنے کے ساتھ سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ قبولیت ہے سچا صبر نہیں۔

لہذا مسلمانوں کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے صبر کریں اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا انتخاب کرتا ہے وہ سب سے بہتر ہے خواہ وہ انتخاب کے پیچھے موجود حکمتوں کا مشاہدہ کرنے میں ناکام رہے۔ اس کے بجائے، انہیں ان کئی بار غور کرنا چاہیے جب انہیں یقین تھا کہ ابھی تک کوئی چیز اچھی تھی، وہ بری اور اس کے برعکس ختم ہوئی۔ انتہائی کم نظری اور انسانوں کے محدود علم اور اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم و حکمت کو سمجھنا ایک مسلمان کو مشکل کے آغاز سے ہی صبر کا مظاہرہ کرنے میں مدد فراہم کر سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ،

آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی کے آخر تک صبر کا مظاہرہ کرتے رہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص صبر کا اجر آسانی سے کھو سکتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ شروع سے ہی صبر کر رہا تھا تو اس نے مزید بے صبری کا مظاہرہ کیا۔ یہ شیطان کا ایک انتہائی مہلک جال ہے۔ وہ عشروں تک صبر کے ساتھ صرف ایک مسلمان کا ثواب برباد کرنے کا انتظار کرتا ہے۔ قرآن پاک واضح کرتا ہے کہ ایک مسلمان کو اس کا اجر ملے گا جو وہ قیامت تک لے کر آئیں گے، یعنی جب وہ مر جائیں گے تو اپنے ساتھ لے جائیں گے، یہ اعلان نہیں کرتا کہ وہ صرف ایک عمل کرنے کے بعد ثواب حاصل کریں گے، جیسے کہ شروع ہونے پر صبر کرنا۔ ایک مشکل

:باب 6 الانعام، آیت 160

"...جو شخص [قیامت کے دن] نیک عمل لے کر آئے گا"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 41

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ انسان کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اس کے پاس بہت وقت ہے اور اسے امید نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ اسے غافل کر دیں۔ اس پر ابن الجوزی کی سیفۃ الصفوة 1/215 میں بحث ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ایک بڑی رکاوٹ لمبی عمر کی جھوٹی امید رکھنا ہے۔ یہ ایک انتہائی قابل ملامت خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان کے لیے آخرت کی تیاری پر مادی دنیا کو اکٹھا کرنے کو ترجیح دینے کا بنیادی سبب ہے۔ انسان کو صرف اپنے اوسطاً 24 گھنٹے دن کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے کتنا وقت مادی دنیا کے لیے اور کتنا وقت آخرت کے لیے وقف کرتے ہیں۔ درحقیقت، لمبی زندگی کی جھوٹی امید رکھنا ایک طاقتور ہتھیار ہے جسے شیطان لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ جب ایک شخص کو یقین ہوتا ہے کہ وہ طویل عرصے تک زندہ رہیں گے تو وہ آخرت کی تیاری میں تاخیر کرتے ہیں یہ جھوٹا یقین رکھتے ہوئے کہ وہ مستقبل قریب میں اس کی تیاری کر سکتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ مستقبل قریب کبھی نہیں آتا اور ایک شخص آخرت کے لیے مناسب تیاری کیے بغیر ہی مر جاتا ہے۔

مزید برآں، لمبی عمر کی جھوٹی امید مخلصانہ توبہ اور اپنے کردار کو بہتر سے بہتر کرنے میں تاخیر کا باعث بنتی ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس ایسا کرنے کے لیے کافی وقت باقی ہے۔ یہ ایک شخص کو اس مادی دنیا کی چیزوں کو ذخیرہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جیسے کہ دولت، کیونکہ یہ انہیں یقین دلاتی ہے کہ انہیں زمین پر اپنی طویل زندگی کے دوران ان چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ شیطان لوگوں کو یہ سوچنے پر ڈراتا ہے کہ وہ اپنے بڑھاپے کے لیے دولت جمع کر لیں کیونکہ جب وہ جسمانی طور پر کمزور ہو جاتے ہیں تو انہیں کوئی ان کا سہارا نہ ملے اور اس لیے وہ اپنے لیے مزید کام نہ کر سکیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق کا خیال ان کی چھوٹی عمر میں رکھا تھا اسی طرح بڑھاپے میں بھی ان کا رزق عطا فرمائے گا۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی

تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی کے 40 سال اپنی ریٹائرمنٹ کے لیے کس طرح وقف کر دے گا جو کہ شاذ و نادر ہی 20 سال سے زیادہ عرصہ تک رہتا ہے لیکن اس طرح ابدی کے لیے تیاری کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس کے بعد

اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ دنیا کے لیے کچھ بھی تیار نہ کریں۔ مستقبل قریب کے لیے بچت کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ آخرت کو ترجیح دی جائے۔ اگرچہ، لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ابھی تک کسی بھی وقت مر سکتے ہیں، کچھ ایسے سلوک کرتے ہیں جیسے وہ اس دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر انہیں زمین پر ابدی زندگی کا وعدہ دیا جائے تو وہ دن اور رات کی پابندیوں کی وجہ سے زیادہ مادی دنیا کو جمع کرنے کے لئے زیادہ کوشش نہیں کر سکیں گے۔ کتنے لوگ توقع سے پہلے انتقال کر گئے؟ اور کتنے ہیں جنہوں نے اس سے سبق سیکھا اور اپنا رویہ بدل لیا؟

درحقیقت موت کے وقت یا آخرت کے کسی دوسرے مرحلے پر انسان کو جو سب سے بڑا درد محسوس ہوتا ہے وہ آخرت کی تیاری میں تاخیر پر ندامت ہے۔ باب 63 المنافقون، آیات 10-11

اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہے کہ اے میرے رب کاش تو مجھے تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے تو میں صدقہ کر دوں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں "لیکن اللہ کسی جان کو اس کا وقت آنے پر کبھی تاخیر نہیں کرتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔"

ایک شخص کو احمق قرار دیا جائے گا اگر وہ اس گھر کے لیے زیادہ وقت اور دولت وقف کر دے جس میں وہ صرف ایک مختصر وقت کے لیے رہنے والا تھا اس گھر کے مقابلے میں جس میں وہ

بہت طویل عرصے تک رہنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ یہ دنیاوی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح دینے کی مثال ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کے لیے کام کریں لیکن جان لیں کہ موت کسی شخص کو اس وقت، حالت یا عمر میں نہیں آتی جو ان کو معلوم ہوتی ہے بلکہ اس کا آنا یقینی ہے۔ لہذا اس کی تیاری اور اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کو اس دنیا میں مستقبل کی تیاری پر ترجیح دینی چاہیے جس کا ہونا یقینی نہیں ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 42

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ زبان سے زیادہ لمبی قید کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہوں نے لوگوں کو خبردار کیا کہ وہ اچھی بات اور فائدے کی بات کریں اور برائی سے پرہیز کریں تاکہ وہ محفوظ رہیں۔ اس پر امام غزالی کی کتاب احیاء علم الدین 3/251 میں بحث کی گئی ہے

یہ باب 4 النساء، آیت 114 سے مربوط ہے

ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا حکم " دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ لوگوں کو دوسروں کے ساتھ گفتگو کرتے وقت اپنے آپ کو کیسا برتاؤ کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنے اور دوسروں کے لیے فائدہ اٹھا سکیں۔ پہلا یہ کہ جب مسلمان جمع ہوں تو وہ اس بات پر بحث کریں کہ دوسروں کو کس طرح فائدہ پہنچانا ہے جس میں مال اور جسمانی امداد کی شکل میں صدقہ شامل ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی ضرورت مند کی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو یہ ان کی مدد کرنے کے برابر ثواب حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6800 میں ایک حدیث ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کو نیکی کی طرف ترغیب دیتا ہے اسے اس طرح اجر ملے گا جیسے اس نے خود اچھا عمل کیا۔ اگر کوئی مشکل میں کسی کی مدد نہیں کر سکتا یا دوسرے کو اس کام کو پورا کرنے کی ترغیب نہیں دے سکتا تو وہ کم از کم دوسروں کو ضرورت مند کے لیے دعا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔ غائب شخص کے لیے دعا کرنے سے فرشتے دعا کرنے والے کے لیے دعا کرتے ہیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 1534 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ ذہنیت گروہ کو ضرورت مندوں سے ملنے کی ترغیب

دے سکتی ہے جو انہیں جذباتی مدد فراہم کرتا ہے۔ اس کا ایک طاقتور نفسیاتی اثر پڑتا ہے اور ان کی مشکلات سے نمٹنے کے دوران انہیں طاقت کا ایک نیا انداز فراہم کرتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب کوئی کسی ضرورت مند کی حالت کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کا مقصد اس کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کرنا ہوتا ہے۔ وقت گزرنے اور انہیں طنز کا نشانہ بنانے کی خاطر ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

برکت حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی کسی حلال کے بارے میں بات کرتا ہے جو اس دنیا یا آخرت میں کسی کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اس پہلو میں اپنی زندگی کے ہر پہلو میں دوسروں کو نیکی کرنے اور برائی سے باز رہنے کی تلقین کرنا شامل ہے۔

تیسرا پہلو جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے وہ تعمیری ذہنیت کے ساتھ دوسروں کے ساتھ بات چیت کرنا ہے جو لوگوں کو تباہ کن ذہنیت رکھنے کی بجائے مثبت انداز میں اکٹھا کرتا ہے جو معاشرے میں تفرقہ کا باعث بنتا ہے۔ اگر کوئی شخص محبت بھرے انداز میں لوگوں کو اکٹھا نہیں کر سکتا تو کم از کم وہ کر سکتا ہے کہ ان کے درمیان تفرقہ پیدا نہ ہو۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے تو یہ ایک نیکی کے طور پر درج ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2518 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

درحقیقت سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دو مخالف مسلمانوں کے درمیان صلح کرنا نماز اور روزہ سے افضل ہے۔ معاشرے میں پائی جانے والی ہر اچھی چیز اسی پاکیزہ رویے کا نتیجہ تھی جیسے سکول، ہسپتال اور مساجد کی تعمیر۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اس آیت میں مذکور عظیم اجر تبھی ملے گا جب وہ اللہ نہ صرف ان کے جسمانی عمل کی بنیاد پر شخص تعالیٰ کی رضا کے لیے نیک اعمال انجام دیں گے۔ پر ان کی نیت پر انعام دیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے

لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں ان مسلمان کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ بے ایمان ہوتی ہے۔
جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 3154 میں
موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 43

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جو شخص عاجزی سے اپنے آپ کو پست کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ جو شخص اپنے آپ کو تکبر سے بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پست کر دیتا ہے۔ اس کا تذکرہ امام ابو لیث سمرقندی، تنبیح الغافلین، ص/143 میں ہو چکا ہے۔

اللہ عزوجل، ابسر اور بلند کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی نافرمانی کرنے والوں کو ذلیل کرنے والا ہے۔ اگر کوئی نافرمان کوئی دنیاوی کامیابی حاصل کر بھی لیتا ہے تو وہ بالآخر اس کے لیے لعنت بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو اس کی اطاعت کرنے والوں کو اس کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے سے سرفراز کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک فرمانبردار مسلمان کو دنیا میں آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں جہانوں میں سرفراز ہوگا۔

ایک مسلمان جو اس اسم الہی کو سمجھتا ہے وہ مخلوق کو خوش کرنے یا دنیاوی چیزوں کے ذریعے دنیاوی کامیابی حاصل نہیں کرے گا اگر یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف لے جائے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ راستہ دونوں جہانوں میں ذلت اور رسوائی کا باعث ہے۔

ایک مسلمان کو اس اسم الہی پر عمل کرنا چاہیے ان چیزوں کی تعریف کرتے ہوئے جن کو اللہ تعالیٰ نے بلند کیا ہے اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہے ان کو ناپسند کرتا ہے۔ یہ صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونا چاہیے۔ مثال کے طور پر، انہیں آخرت کے لیے تیاری کرنے کی سرگرمی سے کوشش کر کے اس کی تعریف کرنی چاہیے۔ اور انہیں اس مادی دنیا کی زیادتی کو ناپسند کرنا چاہیے، یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی توہین کی ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان کو آخرت کے لیے مناسب تیاری کرنے سے روکتی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 44

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ ایمان دو حصوں سے بنا ہے۔ ایک آدھا صبر ہے اور دوسرا شکر ہے۔ اس پر امام غزالی کی کتاب احیاء علم الدین 4/316 میں بحث ہوئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مومن کے لیے ہر حالت مبارک ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے ہر صورت حال کا جواب دینے کی ضرورت ہے، خاص طور پر مشکلات میں صبر اور آسانی کے وقت شکرگزاری۔

زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو وہ حالات ہیں جن میں لوگ خود کو پاتے ہیں چاہے وہ آسانی کے وقت ہوں یا مشکلات۔ کسی شخص کو کس صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا کنٹرول ان کے ہاتھ سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے اور ان سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس لیے جن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان پر زور دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ وہ مقدر ہیں اور اس لیے ناگزیر ہیں۔ دوسرا پہلو ہر صورت حال پر ایک شخص کا ردعمل ہے۔ یہ ہر شخص کے اختیار میں ہے اور یہ وہی ہے جس پر ان کا فیصلہ کیا جاتا ہے، مثال کے طور پر، کسی مشکل صورتحال میں صبر یا بے صبری کا مظاہرہ کرنا۔ اس لیے ایک مسلمان کو ہر حال میں اپنے رویے اور رد عمل پر توجہ دینی چاہیے، بجائے اس کے کہ کسی صورت حال میں ہونے پر زور دیا جائے کیونکہ یہ ناگزیر ہے۔ اگر کوئی مسلمان دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے ہر حال کا اندازہ لگانا چاہیے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رہنا چاہیے۔ مثال کے طور پر، آسانی کے وقت ان کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو ان کے پاس ہیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ " کروں گا۔"

اور مشکل کے وقت انہیں صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے چاہے وہ انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2
:البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند "ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 45

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مستقبل میں بہت سے ایسے حجاج ہوں گے جو بغیر کسی وجہ کے حج کریں گے، ان کے لیے سفر آسان ہو جائے گا اور ان کے لیے رزق کا بندوبست کیا جائے گا۔ وہ محروم اور بے گھر ہو کر واپس آئیں گے۔ اس پر امام غزالی کی کتاب احیاء علم الدین 4/225 میں بحث ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1773 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ قبول شدہ حج کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔

حج کا اصل مقصد مسلمانوں کو آخرت کے آخری سفر کے لیے تیار کرنا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان اپنے گھر، کاروبار، دولت، خاندان، دوست احباب اور سماجی حیثیت کو حج مقدس کرنے کے لیے چھوڑتا ہے، یہ اس کی موت کے وقت اس وقت ہو گا جب وہ آخرت کی طرف آخری سفر پر نکلے گا۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ کسی شخص کا اہل و عیال ان کی قبر پر چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے ساتھ صرف اس کے اچھے اور برے اعمال ہی ہوتے ہیں۔

جب کوئی مسلمان اپنے حج کے دوران اس بات کو ذہن میں رکھے گا تو وہ اس فرض کے تمام پہلوؤں کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا۔ یہ مسلمان ایک بدلے ہوئے شخص کے گھر واپس آئے گا کیونکہ وہ اس مادی دنیا کے اضافی پہلوؤں کو جمع کرنے کے بجائے آخرت کے اپنے آخری سفر کی تیاری کو ترجیح دے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں جدو جہد کریں گے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کریں گے، جس میں ان کی تکمیل کے لیے اس دنیا سے لے جانا بھی شامل ہے۔ ضرورتیں اور ان کے زیر کفالت افراد کی ضرورتیں بغیر فضول خرچی یا اسراف کے۔

مسلمانوں کو حج کو تعطیل اور خریداری کی جگہ نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ رویہ اس کے مقصد کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ مسلمانوں کو ان کے آخرت کے آخری سفر کی یاد دلاتا ہے جس کی واپسی اور کوئی دوسرا موقع نہیں ہے۔ صرف اسی سے انسان کو حج کی صحیح تکمیل اور آخرت کے لیے مناسب تیاری کرنے کی ترغیب ملے گی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 46

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید سے محبت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے۔ اگر وہ قرآن پاک سے محبت نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کرتے۔ اس پر امام غزالی کی کتاب احیاء علم الدین 5/227 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ رب العزت کی حقیقی محبت کی نشانی قرآن پاک سے محبت ہے۔ اس کی تعلیمات پر عمل کر کے اسے صرف چومنے، اچھے کپڑے میں لپیٹ کر اور پھر اپنے گھر کے اونچے شیلف پر رکھ کر عمل سے ظاہر کرنا چاہیے۔ قرآن پاک سے اپنی محبت ثابت کرنے کے لیے اس کے پہلوؤں کو پورا کرنا چاہیے۔ سب سے پہلے، انہیں احترام اور ارتکاز کے ساتھ اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا چاہیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے انہیں کسی معتبر ذریعہ سے قرآن پاک کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ آخر میں، انہیں اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ اس کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے نہ کہ صرف اس صورت میں جب یہ ان کی خواہشات کے مطابق ہو یا کسی مخصوص صورت حال یا وقت میں، جیسے کہ رمضان کے مقدس مہینے میں۔

اس کے علاوہ، قرآن پاک سے سچی محبت کا ایک حصہ یہ ہے کہ اسے دنیاوی مسائل کو حل کرنے کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ بدقسمتی سے، بعض نے یہ رویہ اختیار کیا ہے اور قرآن پاک کو صرف اس وقت نکالتے ہیں جب انہیں کوئی دنیاوی مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ اور جس وقت ان کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے وہ اسے دور کر دیتے ہیں کہ ان کی اگلی دنیاوی پریشانی تک اس کی طرف نہ دیکھا جائے۔ وہ اس کے ساتھ ایک ٹول کی طرح برتاؤ کرتے ہیں جو کسی چیز کو ٹھیک کرنے کے لیے صرف ٹول باکس سے نکالا جاتا ہے۔ یوں تو قرآن کریم دنیاوی مسائل کا علاج ہے لیکن یہ اس کا بنیادی کام نہیں ہے۔ اس کا اصل مقصد صحیح رہنمائی ہے تاکہ انسان آخرت تک محفوظ رہے۔ اس کے بنیادی کام کو نظر انداز کرنا اور اسے کسی اور کام کے لیے استعمال کرنا حماقت ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جو ایک مہنگی گاڑی خریدتا ہے جس میں انجن نہیں ہوتا صرف اپنے اندر نصب ٹیلی ویژن دیکھنے کے لیے۔ کیا اس شخص پر بیوقوف کا لیبل نہیں لگایا جائے گا؟ اگر کوئی مسلمان قرآن پاک

كے ساتھ صحیح سلوك كریے تو وہ اسے نہ صرف جنت كی طرف رہنمائی كرتا ہے بلکہ اس سے ان
كے دنیاوی مسائل بھی حل ہوتے ہیں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82

اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل كرتے ہیں جو مومنوں كے لیے شفا اور رحمت ہے، لیكن یہ ”
“ظالموں كے لیے نقصان كے سوا كچھ نہیں بڑھاتا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 47

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جس کے پاس عقل نہیں وہ دنیا کے لیے جمع کرتا ہے۔ اس پر امام غزالی، احیاء علم الدین، ص/200 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6442 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انسان کا اصل مال وہی ہے جو وہ آخرت کے لیے آگے بھیجتا ہے اور جو کچھ وہ پیچھے چھوڑتا ہے وہ درحقیقت اس کا مال ہے۔ وارث

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی دولت جیسی زیادہ سے زیادہ نعمتیں بھیجیں، جتنی کہ وہ آخرت کے لیے ان طریقوں سے استعمال کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ اس میں فضول خرچی، ضرورت سے زیادہ یا اسراف کے بغیر کسی کی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کرنا شامل ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

لیکن اگر کوئی مسلمان ان کی نعمتوں کا صحیح استعمال نہ کرے تو وہ دونوں جہانوں میں اس کے لیے بوجھ بن جائے گا۔ اور اگر وہ ان کو جمع کر کے اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ دین تو ان سے ان کو حاصل کرنے کا حساب ہوگا اگرچہ ان کے جانے کے بعد دوسرے ان سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اگر ان کے وارثان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں گے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا، جب کہ جس نے اسے جمع کیا وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ یا ان کا وارث ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو کہ نعمت کمانے والے اور اس کے وارث دونوں کے لیے بڑی پشیمانی کا باعث بن جائے گی، خاص طور پر اگر انہوں نے اپنے وارث مثلاً اپنے بچے کو نہ سکھایا تو نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا کیوں کہ یہ ایک فرض ہے۔ ان پر اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ اپنی بقیہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کر کے آخرت تک لے جائیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے۔ ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ اور پشیمانوں سے بھرے رہیں گے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - 48

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے اٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے حدیبیہ میں طے پانے والے صلح کے معاہدے کو ایک ایسے قبیلے کی حمایت سے توڑ دیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ فوج نے مکہ پہنچنے سے پہلے کئی رکنے ان میں سے ایک مقام العقبہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آدمیوں کو مقامی درختوں سے پھل لینے رضی اللہ عنہ ایک درخت پر چڑھ کر اس کا پھل مسعود کے لیے روانہ کیا۔ ایک صحابی عبداللہ بن جن رہے تھے کچھ آدمیوں نے ان کی چھوٹی اور پتلی ٹانگیں دیکھ کر ان کا مذاق اڑایا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کی پتلی ٹانگیں قیامت کے ترازو میں احد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہوں گی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 390 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل و صورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ” ہے۔“

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچالے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 1

جابر نے ایک دفعہ کہا کہ معاذ رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ کھلے ہاتھ والے تھے۔ امام محمد کاندھلوی کی حیات صحابہ جلد 2 صفحہ 557 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 2866 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ زندگی میں صدقہ دینا موت کے وقت دینے سے سو گنا افضل ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کیونکہ بہت سے مسلمان احمقانہ طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ یا تو اپنی دولت جمع کر سکتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے بجائے اپنی خواہشات کے مطابق خرچ کر سکتے ہیں، اور جب وہ بستر مرگ پر پہنچ جائیں گے تو بڑی رقم عطیہ کریں گے۔ دولت کی سب سے پہلے، جیسا کہ اس حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ ایک مسلمان اس طرز عمل سے بہت زیادہ اجر کھو دے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جان چکے ہیں کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں اور ان کی قیمتی دولت اب ان کے لیے بے وقعت اور بے کار ہو گئی ہے کیونکہ وہ اسے اپنے ساتھ نہیں لے سکتے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو بے فائدہ چیز دینا درحقیقت ایک سچے مسلمان کی صفت نہیں ہے بلکہ یہ سچے ایمان اور تقویٰ کے منافی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 92

تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے ساتھ حسن سلوک کرے اور ایسے طریقوں سے خرچ کرے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں، جس میں ان کی اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات پر فضول خرچی، اسراف یا اسراف کے بغیر خرچ کرنا شامل ہے۔ انہیں اپنے آخری لمحات کا انتظار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ اچانک آسکتا ہے اور اس وقت خرچ کرنا ان کے لئے اتنا سود مند نہیں ہو گا۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 2

معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ تنبیہ کی کہ انسان جتنا چاہے سیکھ لے لیکن اللہ تعالیٰ اس کے علم میں اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں دے گا جب تک وہ اس پر عمل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 3، صفحہ 285 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کو اپنے علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ عمل کے بغیر علم کی کوئی قیمت یا فائدہ نہیں۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس حفاظت کے راستے کا علم ہے لیکن اسے اختیار نہیں کرتا اور اس کے بجائے خطرات سے بھرے علاقے میں رہتا ہے۔ اس لیے علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی اپنے علم پر عمل کرتا ہے جس سے تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس قسم سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، درحقیقت یہ ان کے تکبر میں اضافہ کرے گا کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں، حالانکہ وہ گدھے کی طرح ہیں جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہیں جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5

اور پھر اس پر عمل نہیں کیا (اپنے علم پر عمل نہیں کیا) (اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے)۔“

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 3

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ لوگوں کو بدعات سے بچتے رہنے کی تلقین کی، کیونکہ بدعات راہ راست سے بھٹک جاتی ہیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 583 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنماؤں کے ذریعہ قائم کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ہی دوسرے رضاکارانہ اعمال صالحہ پر عمل کرنا چاہیے اگر اس کے پاس ایسا کرنے کے لیے وقت اور توانائی ہو۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب

کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 4

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نصیحت کی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند کرتا ہے، امن و امان اور پریشانیوں سے پاک ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی پنجگانہ نمازیں مسجد میں ادا کرے اور جو گھر میں نماز پڑھے گا، اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہو گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے ہٹ گیا اور ایسا کرنے والا یقیناً راہ راست سے بھٹک جائے گا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 593 میں بحث کی گئی ہے۔

قرآن پاک عام طور پر مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 43

”اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔“

درحقیقت اس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر بعض معتبر علماء نے اس کو مسلمان مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابوداؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہیں کریں گے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافق قرار دیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی بھی دی تھی جو بغیر کسی عذر کے باجماعت مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1482 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس اہم عمل کو انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں وہ کریں۔ انہیں یہ دعویٰ کرنے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دوسرے نیک کام انجام دے رہے ہیں جیسے کہ گھر کے کاموں میں اپنے خاندان کی مدد کرنا۔ یوں تو صحیح بخاری نمبر 676 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے، لیکن

ضروری ہے کہ آپ کی روایات کی اہمیت کو اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ اس کی روایات کی پیروی نہیں کر رہا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے خواہ وہ نیک عمل ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ درحقیقت اسی حدیث کا اختتام اس نصیحت سے ہوتا ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی طرف روانہ ہوتے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 5

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک بار کہا کہ ابتدائی آزمائشیں سخت مشکلات اور محدود وسائل پر مشتمل تھیں جن میں صبر اور برداشت کی ضرورت تھی۔ تاہم، مستقبل کی آزمائشیں آرام اور خوشحالی پر مشتمل ہوں گی۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 600 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3997 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ وہ مسلمان قوم کی غربت سے نہیں ڈرتے۔ اس کے بجائے وہ ڈرتا تھا کہ دنیا ان کے لیے آسان اور بہت زیادہ ہو جائے گی۔ اس سے وہ اس کا مقابلہ کریں گے جو ان کی تباہی کا باعث بنے گا کیونکہ اسی مقابلے نے پچھلی قوموں کو تباہ کیا تھا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس کا اطلاق صرف دولت پر نہیں ہوتا۔ لیکن یہ تنبیہ لوگوں کی دنیاوی خواہشات کے ان تمام پہلوؤں پر لاگو ہوتی ہے جن میں شہرت، دولت، اختیار اور کسی کی زندگی کے سماجی پہلوؤں جیسے خاندان، دوست اور کیریئر کی خواہش شامل ہو سکتی ہے۔ جب بھی کوئی ان چیزوں کے حصول سے اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، چاہے وہ حلال ہی کیوں نہ ہوں، اس کی ضرورت سے بڑھ کر اسے آخرت کی تیاری سے غافل کر دے گا۔ یہ انہیں فضول خرچی اور اسراف جیسے برے کردار کی طرف لے جائے گا اور ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے انہیں گناہوں کی طرف بھی لے جا سکتا ہے۔ ان کو حاصل کرنے میں ناکامی بے صبری اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور نافرمانی کے دیگر اعمال کا باعث بن سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان خواہشات نے بہت سے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے کیونکہ وہ مال حاصل کرنے یا چھٹیوں پر جانے کے لیے آدھی رات کو خوشی خوشی اٹھتے ہیں لیکن جب رضاکارانہ طور پر رات گزارنے کا مشورہ دیا جائے تو وہ ایسا کرنے میں ناکام رہیں گے۔ نماز پڑھنا یا صبح کی فرض نماز میں جماعت کے ساتھ شرکت کرنا۔

ان چیزوں کو حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ یہ حلال ہوں اور کسی شخص کی ضروریات اور اس کے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ضروری ہوں۔ لیکن جب کوئی شخص اس سے آگے بڑھ جائے گا تو وہ اپنی آخرت کے نقصان میں مشغول ہو جائیں گے کیونکہ جتنا کوئی اپنی خواہشات کی پیروی کرے گا وہ آخرت کی تیاری میں اتنی ہی کم کوشش کرے گا۔ اس لیے اس حدیث میں جو تنبیہ دی گئی ہے وہ ان پر لاگو ہوگی۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 6

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اہل جنت کو کسی چیز پر افسوس نہیں ہوگا سوائے ان لمحات کے جو انہوں نے (زمین پر اپنی زندگی کے دوران (اللہ تعالیٰ کو یاد کیے بغیر گزرے۔ اس پر امام غزالی کی کتاب احیاء علم الدین 1/392 میں بحث ہوئی ہے۔

بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو اپنا زیادہ وقت، محنت اور مال ان چیزوں پر لگا دیتے ہیں جو نہ اعمال صالحہ ہیں اور نہ گناہ، بلکہ وہ فضول چیزیں ہیں۔ فضول چیزوں میں غیر ضروری چیزوں کا حصول بھی شامل ہو سکتا ہے، جیسے کہ کسی کے گھر کو ان کی ضروریات سے زیادہ خوبصورت بنانا۔ اگرچہ، وہ اپنے اس دعوے میں درست ہو سکتے ہیں کہ وہ گناہ نہیں کر رہے، ایک حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے۔ یعنی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قیمتی تحفہ ہے جو ایک بار چلے جانے کے بعد حاصل نہیں ہو سکتا۔ باقی تمام چیزیں حاصل کی جا سکتی ہیں، جیسے کہ مال، وقت کے علاوہ باقی تمام چیزیں۔ پس جب کوئی اپنے وقت کے ساتھ ساتھ دیگر نعمتوں جیسے مال کو بھی غیر ضروری اور اضافی چیزوں کے لیے وقف کرتا ہے، تو یہ قیامت کے دن بڑی پشیمانی کا باعث بنے گا۔ یہ اس وقت ہو گا جب وہ ان لوگوں کو ملنے والے اجر کو دیکھیں گے جنہوں نے اپنے وقت کا استعمال کیا اور عمل صالح کیا۔ وقت ضائع کرنے والے گناہوں سے بچتے ہیں جو انہیں عذاب سے بچاتے ہیں لیکن جب وہ فضول کاموں میں وقت ضائع کرتے ہیں تو انہیں تنقید کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اور وہ یقیناً اس انعام سے محروم ہو جائیں گے جو وہ حاصل کر سکتے تھے اگر وہ اپنے وقت اور دیگر نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے۔

اس کے علاوہ یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ جتنا زیادہ فضول کاموں میں مشغول ہوتا ہے وہ اسراف اور فضول خرچی میں پڑنے کے اتنا ہی قریب ہوتا ہے جو دونوں ہی قابل ملامت ہیں۔ مثال کے طور پر نعمتوں کو ضائع کرنے والوں کو شیطان کا بہنوئی سمجھا جاتا ہے۔ اور اس پر استدلال کیا جا سکتا ہے جب کوئی اپنا وقت ان فضول کاموں کے لیے وقف کر دے جس نے درحقیقت وقت کی قیمتی نعمت کو ضائع کر دیا ہو۔ باب 17 الاسراء، آیت 27

"...بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں"

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 7

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے دو صوبوں پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے انہیں نصیحت کی کہ نرمی اختیار کریں، سختی نہ کریں اور خوشخبری سنائیں اور لوگوں کو خوفزدہ نہ کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 135-136 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اسلامی علوم کو سیکھ کر اور اس پر عمل کر کے اپنے لیے سب سے پہلے چیزوں کو آسان بنائے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ روایات پر عمل کر سکے، اور اپنی ضروریات کو پورا کر سکے۔ ان کے انحصار کرنے والوں کی ضروریات۔ اس سے انہیں فضول خرچی یا اسراف کے بغیر حلال چیزوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے کافی وقت ملے گا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق عمل صالح کے لیے کرے نہ کہ اپنے اوپر بوجھ ڈالے کیونکہ اسلام میں یہ ناپسندیدہ ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6465 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ متوازن طرز عمل ہمیشہ بہترین ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے خاص طور پر مذہبی معاملات میں آسانیاں پیدا کریں تاکہ لوگ اسلام کو ایک بوجھل مذہب سمجھتے ہوئے اس سے نفرت نہ کریں جب کہ یہ حقیقت میں ایک سادہ اور آسان مذہب ہے۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 287 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ دوسروں کو، خصوصاً بچوں کو سکھانا ضروری ہے۔ اگر بچے غلط طور پر مانتے ہیں کہ اسلام ایک مشکل مذہب ہے تو وہ بڑے ہو کر اس سے منہ موڑ لیں گے۔ بچوں کو یہ سکھایا جائے کہ اسلام میں کچھ ذمہ داریاں ہیں جنہیں پورا کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا اور اچھے طریقے سے تفریح کرنے کے لیے ان کے لیے کافی وقت رہ جاتا ہے۔

لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دینی معاملات میں اپنے لیے یا دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان سست ہو جائے اور دوسروں کو سست ہونا سکھائے کیونکہ کم از کم ذمہ داریوں کو ہر وقت پورا کرنا ضروری ہے جب تک کہ اسلام اس سے مستثنیٰ نہ ہو۔ سستی کرنے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات کو مانتا ہے۔

دوسروں کے لیے چیزوں کو آسان بنانے کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسروں سے اپنے مکمل حقوق کا مطالبہ نہیں کرتا ہے۔ اس کے بجائے، انہیں اپنی جسمانی یا مالی طاقت جیسے ذرائع کو اپنی مدد اور دوسروں کے لیے آسان بنانے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ بعض صورتوں میں دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں ناکامی سزا کا باعث بنتی ہے۔ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کے لیے ایک مسلمان کو صرف بعض صورتوں میں اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرے جن پر ان کے حقوق ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک والدین اپنے بالغ بچے کو گھر کے کسی خاص کام سے معافی دے سکتے ہیں اور اگر ان کے پاس بغیر کسی پریشانی کے ایسا کرنے کا ذریعہ ہے خاص طور پر اگر وہ بچہ کام سے تھک کر گھر لوٹتا ہے۔ یہ نرمی اور رحم نہ صرف اللہ تعالیٰ کو ان پر زیادہ رحم کرنے کا باعث بنے گا بلکہ اس سے لوگوں میں ان کے لیے محبت اور احترام بھی بڑھے گا۔ جو ہمیشہ اپنے پورے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے وہ گنہگار نہیں ہے لیکن اگر وہ اس طرح کا برتاؤ کریں گے تو وہ اس اجر و ثواب سے محروم ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کریں اور امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانیاں پیدا کرے گا۔ لیکن جو لوگ دوسروں کے لیے مشکلیں پیدا کرتے ہیں وہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دونوں جہانوں میں مشکلیں پیدا کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو اپنے آپ کو اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں اور عظیم انعامات کی یاد دلانا چاہیے جو وہ مسلمانوں کو اس دنیا اور آخرت میں عطا کرتا ہے جو اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرتے ہوئے اور تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ یہ طریقہ

زیادہ تر معاملات میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف ترغیب دینے میں زیادہ کارگر ہے۔ صرف بعض صورتوں میں جب کوئی شخص خواہش مندانہ سوچ میں مبتلا ہو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہو، اس امید کے ساتھ کہ وہ کامیاب ہو جائے گا، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ انہیں ان کے اعمال کے نتائج سے خبردار کرے، ان میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرے۔

ایک توازن بہترین ہے جس کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ پر امید رکھتا ہے، اس کی اطاعت اور اس سے ڈرنے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ گناہوں سے بچا جا سکے۔ اور جب بھی کوئی عدم توازن محسوس کرتا ہے یا دوسروں کو دیکھتا ہے جو عدم توازن کا شکار ہو چکے ہیں تو ایک مسلمان کو اپنے آپ کو اور دوسروں کو صحیح درمیانی راستے پر لانے کے لیے مناسب طریقے سے عمل کرنا چاہیے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 8

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے دو صوبوں پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ایک دفعہ معاذ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہوں نے قرآن پاک کی تلاوت جیسے نیک اعمال پر بحث شروع کی۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے رات کے معمولات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ رات کے پہلے حصے میں سوتے تھے پھر اٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ اس معمول سے وہ اپنے سونے اور تلاوت دونوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھتا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 136 میں بحث کی گئی ہے۔

اسے اس انعام کی امید تھی کیونکہ سونے کا مقصد اس کے جسم کو کافی آرام دینا تھا تاکہ وہ بعد میں رات کو جاگ کر قرآن پاک کی تلاوت کر سکے۔ اس نیک نیت نے اسے اپنے سونے اور تلاوت دونوں کا ثواب حاصل کیا۔

حقیقت میں، زیادہ تر معاملات میں اس مادی دنیا میں کوئی بھی چیز بذات خود اچھی یا بری نہیں ہے، جیسے کہ دولت۔ جو چیز کسی چیز کو اچھی یا بری بناتی ہے وہ اس کے استعمال کا طریقہ ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اس کا اصل مقصد یہی تھا کہ اس کا صحیح استعمال اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ جب کسی چیز کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو وہ حقیقت میں بیکار ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، دولت دونوں جہانوں میں مفید ہے جب اس کا صحیح استعمال کیا جائے جیسے کہ کسی شخص اور اس کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔ لیکن اگر اسے صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جائے، مثلاً ذخیرہ اندوزی یا گناہ کی چیزوں پر خرچ کرنا، تو یہ بیکار اور اس کے اٹھانے والے کے لیے لعنت بھی بن سکتا ہے۔ محض دولت جمع کرنے سے دولت کی قدر و قیمت ختم ہو جاتی ہے۔ کاغذ اور دھاتی سکے ایک ٹک کے فاصلے پر کیسے کارآمد ہو سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں، کاغذ کے ایک ٹکڑے اور پیسے کے نوٹ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ تب ہی مفید ہے جب اسے صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے۔

لہذا اگر کوئی مسلمان یہ چاہتا ہے کہ ان کے تمام دنیاوی اموال دونوں جہانوں میں اس کے لیے نعمت بن جائیں تو اسے صرف یہ کرنا ہے کہ وہ قرآن پاک میں موجود تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ان کا صحیح استعمال کریں۔ اسے لیکن اگر وہ ان کا غلط استعمال کریں گے تو وہی نعمت ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ اور لعنت بن جائے گی۔ یہ اتنا ہی آسان ہے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 9

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے دو صوبوں پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کچھ احکام دیے جن میں سے ایک یہ تھا کہ مظلوم کی بددعا سے ڈرو کیونکہ ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 136 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2447 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں میں بدل جائے گا۔

اس سے بچنا بہت ضروری ہے کیونکہ جو لوگ اپنے آپ کو اندھیرے میں ڈوبے ہوئے پاتے ہیں ان کے جنت کا راستہ تلاش کرنے کا امکان نہیں ہے۔ صرف وہی لوگ کامیاب ہوں گے جنہیں رہنمائی کی روشنی فراہم کی جائے گی۔

جبر کئی شکلیں لے سکتا ہے۔ پہلی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے اور اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے۔ اگرچہ اس کا اللہ تعالیٰ کی لامحدود حیثیت پر کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن اس سے انسان دونوں جہانوں میں تاریکی میں ڈوب جائے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4244 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب بھی انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے روحانی قلب پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ جتنا وہ گناہ کریں گے اتنا ہی ان کا دل تاریکی میں گھرے گا۔ یہ انہیں اس دنیا میں حقیقی رہنمائی کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے سے روک دے گا جو آخر کار اگلی دنیا میں اندھیروں کی طرف لے جائے گا۔ باب 83 المطفین، آیت 14

"نہیں! بلکہ داغ ان کے دلوں پر چھا گیا ہے جو وہ کما رہے تھے۔"

ظلم کی اگلی قسم وہ ہے جب کوئی شخص اپنے جسم اور دیگر دنیاوی نعمتوں کی صورت میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی امانت کو پورا نہ کر کے اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ جس میں سب سے بڑا ایمان ہے۔ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے اس کی حفاظت اور مضبوطی ہونی چاہیے۔

ظلم کی آخری قسم وہ ہے جب کوئی دوسرے کے ساتھ بدسلوکی کرے۔ اللہ تعالیٰ ان گناہوں کو اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ مظلوم ان کو پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے مہربان نہیں ہیں ایسا ہونے کا امکان نہیں ہے۔ پھر قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جہاں ظالم کے اعمال صالحہ اس کے مظلوم کو ملیں گے اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ مظلوم کو دیے جائیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ جیسا سلوک کرنا چاہتے ہیں لوگ کریں۔ ایک مسلمان کو ہر قسم کے ظلم سے بچنا چاہیے اگر وہ دنیا اور آخرت میں رہنمائی کا خواہاں ہے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 10

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے باہر نکلتے ہوئے اپنی کوہ طور کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ان کو کچھ الوداعی نصیحتیں کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اعلان کیا کہ جو لوگ آپ کے سب سے زیادہ قریب ہیں وہ متقی ہیں خواہ کوئی بھی ہو اور جہاں بھی ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 137 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل و صورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے

بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔“

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 11

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مندرجہ ذیل باتوں کی نصیحت فرمائی: اللہ تعالیٰ سے ڈرو، وہ جہاں بھی ہو، کسی گناہ کے بعد نیکی کرنا تاکہ اس سے پہلے کا خاتمہ ہو جائے اور آخرکار لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ اچھے کردار کے ساتھ۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 138 میں بحث کی گئی ہے۔

پہلا ذکر تقویٰ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ یہ درحقیقت اسلام کی تمام تعلیمات اور فرائض کا احاطہ کرتا ہے۔ جب کوئی اس طریقے سے کوشش کرتا ہے تو بالآخر وہ ایمان کے اعلیٰ درجے تک پہنچ جاتا ہے جسے فضیلت کہتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی عمل کرتا ہے، جیسے کہ نماز پڑھنا، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، ان کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں کے لیے اپنے فرائض کو پورا کرے۔

دوسری نصیحت یہ دی گئی ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ گناہ کے بعد نیک عمل کرے تاکہ اس سے گناہ مٹ جائے۔ اس سے مراد صرف چھوٹے گناہ ہیں کیونکہ بڑے گناہوں کے لیے سچی توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی اپنے عمل صالح میں سچے دل سے توبہ کا اضافہ کرے تو اس سے چھوٹے یا بڑے تمام گناہ مٹ جائیں گے۔ لیکن عمل صالح کا ایک حصہ یہ ہے کہ اس گناہ کو دوبارہ نہ دہرانے کی کوشش کی جائے کیونکہ عمل صالح کی نیت سے گناہ کرنا ایک خطرناک گمراہ کن ذہنیت ہے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ گناہ نہ کیے جائیں اور جب وہ سرزد ہوں تو سچے دل سے توبہ کرے۔

آخر میں، آخری چیز جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں سے اچھے کردار کے ساتھ پیش آئیں۔ یہ بہت ضروری ہے کیونکہ حسن کردار قیامت کے ترازو میں سب سے بھاری چیز ہو گی۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس کو سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنانا چاہیے۔ وہ لوگ جو دوسروں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے فرائض کو ادا کرتے ہوں، وہ قیامت کے دن پائیں گے کہ ان کی نیکیاں ان کے مظلوموں کو دی جائیں گی اور اگر ضرورت پڑی تو ان کے شکار کے گناہ ان کو دے دیے جائیں گے۔ یہ ان کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ سادہ لفظوں میں ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا وہ چاہتا ہے کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 12

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ جب وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عیش و عشرت سے بچتے رہنے کی تلقین فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بندے عیش و عشرت کی تلاش نہیں کرتے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 138 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں جیسے کہ ان کی خوراک، لباس، رہائش اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ انہیں فارغ وقت فراہم کریں۔ آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اسی لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا کیونکہ

دنیاوی چیزوں سے ان کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 13

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رخصت کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ اگر آپ پر مقدمہ پیش کیا جائے تو آپ کیا کریں گے؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں قرآن کریم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر قرآن پاک میں مقدمہ اور اس کا فیصلہ نہ ملے تو کیا ہو گا۔ اس کے بعد انہوں نے جواب دیا کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر یہ مقدمہ اور اس کا فیصلہ اپنی روایات میں نہ ملے تو کیا ہو گا۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے آخر میں جواب دیا کہ وہ آزاد استدلال کے معنی استعمال کریں گے، ایک ایسا فیصلہ جو قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ہو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی کہ اس نے انہیں ایک ایسا نمائندہ دیا جس سے وہ خوش ہوں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 140-141 میں بحث کی گئی ہے۔

جب بھی کوئی عالم اسلام کے مختلف علوم پر عبور حاصل کرتا ہے تو وہ آزاد استدلال کہلانے والی سطح تک پہنچ سکتا ہے۔ اس سے وہ اسلام کے اندر حکم حاصل کرنے کے لیے اپنے پیشہ ورانہ غیر جانبدارانہ فیصلے کے ساتھ قرآن پاک کی تعلیمات، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو لاگو کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 4487 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب یہ عالم غلط حکم دے گا تو ان کو ان کی کوشش کا ایک ہی مرتبہ اجر ملے گا۔ اگر وہ صحیح فیصلہ کرتے ہیں تو انہیں دوگنا اجر ملے گا۔

اس کے علاوہ صحیح نیت کے ساتھ علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں حدیث ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جو شخص علمائے کرام کو دکھائے، دوسروں سے بحث کرنے یا اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے دینی علم حاصل کرتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ نرک میں

حالانکہ دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں تمام بھلائیوں کی بنیاد علم ہے مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ علم ان کو تب ہی فائدہ دے گا جب وہ سب سے پہلے اپنی نیت درست کریں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باقی تمام وجوہات صرف اس صورت میں ثواب اور سزا کے نقصان کا باعث بنیں گی جب کوئی مسلمان سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام ہو جائے۔

حقیقت میں علم بارش کے پانی کی طرح ہے جو مختلف قسم کے درختوں پر گرتا ہے۔ کچھ درخت اس پانی سے اگتے ہیں تاکہ دوسروں کو فائدہ پہنچے جیسے کہ پھل کا درخت۔ جبکہ اس پانی سے دوسرے درخت اگتے ہیں اور دوسروں کے لیے مصیبت بن جاتے ہیں جیسے کانٹے دار درخت۔ اگرچہ بارش کا پانی دونوں صورتوں میں ایک جیسا ہے لیکن نتیجہ بہت مختلف ہے۔ اسی طرح دینی علم بھی لوگوں کے لیے یکساں ہے لیکن اگر کوئی غلط نیت اختیار کرے تو وہ ان کی تباہی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی صحیح نیت اختیار کرے تو یہ ان کی نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔

لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ تمام معاملات میں اپنی نیت درست کریں کیونکہ اس پر ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اور انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ جہنم میں داخل ہونے والے پہلے لوگوں میں سے ایک ایسا عالم ہوگا جس نے علم صرف دوسروں کو دکھانے کے لیے حاصل کیا ہو۔ صحیح مسلم نمبر 4923 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنا، صحیح نیت کے ساتھ مفید علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہی حقیقی فائدہ مند علم ہے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 14

۱۷ ویں سال ایک بڑی طاعون پھوٹ پڑی اور پورے ملک بالخصوص شام میں پھیل گئی۔ بہت سے بزرگ صحابہ جیسے ابو عبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ان سب نے صبر و تحمل سے کام لیا اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کیا تھا اسے بخوشی قبول کیا۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بستر مرگ پر کچھ نصیحتیں کیں۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ وہ اس وقت تک پہنچنے سے پہلے جس وقت وہ نیک اعمال کرنا چاہیں گے لیکن انہیں ان سے روکا گیا تھا، اس سے پہلے کہ انہیں موقع ملے بھرپور کوشش کریں۔ اس نے ان کو تنبیہ کی کہ ان سے کسی چیز کی توقع نہیں ہے کہ انہوں نے جو کچھ کھایا، پیا، پہنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کیا، جب کہ باقی تمام دولت دوسروں کے لطف اندوز ہونے کے لیے چھوڑ دی جائے گی۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ صرف اس لیے دنیا میں رہنا چاہتے ہیں کہ لمبی راتیں عبادت میں گزاریں، دن میں طویل گھنٹے روزے میں گزاریں اور علماء کی مجالس میں شرکت کریں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 424-430 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6442 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انسان کا اصل مال وہی ہے جو وہ آخرت کے لیے آگے بھیجتا ہے اور جو کچھ وہ پیچھے چھوڑتا ہے وہ درحقیقت اس کا مال ہے۔ وارث

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی دولت جیسی زیادہ سے زیادہ نعمتیں بھیجیں، جتنی کہ وہ آخرت کے لیے ان طریقوں سے استعمال کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ اس میں فضول خرچی، ضرورت سے زیادہ یا اسراف کے بغیر کسی کی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات

پر خرچ کرنا شامل ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

لیکن اگر کوئی مسلمان ان کی نعمتوں کا صحیح استعمال نہ کرے تو وہ دونوں جہانوں میں اس کے لیے بوجھ بن جائے گا۔ اور اگر وہ ان کو جمع کر کے اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ دیں تو ان سے ان کو حاصل کرنے کا حساب ہوگا اگرچہ ان کے جانے کے بعد دوسرے ان سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اگر ان کے وارثان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں گے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا، جب کہ جس نے اسے جمع کیا وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ یا ان کا وارث ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو کہ نعمت کمانے والے اور اس کے وارث دونوں کے لیے بڑی پشیمانی کا باعث بن جائے گی، خاص طور پر اگر انہوں نے اپنے وارث مثلاً اپنے بچے کو نہ سکھایا تو نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا کیوں کہ یہ ایک فرض ہے۔ ان پر اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ اپنی بقیہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کر کے آخرت تک لے جائیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے۔ ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ اور پشیمانوں سے بھرے رہیں گے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ - 15

خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک بار یہ تبصرہ کیا کہ اگر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان سے زندہ رہے تو وہ انہیں اگلا خلیفہ مقرر کریں گے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو وہ جواب دیتا کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب معاذ رضی اللہ عنہ اس دن اٹھائے جائیں گے۔ قیامت کے دن وہ علماء اور علمائے کرام کی رہنمائی کرے گا اور وہ ان کے آگے پتھر پھینکنے کے فاصلے پر کھڑا ہوگا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 573 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2645 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بھلائی دینا چاہتا ہے تو اسے اسلامی علم عطا کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اپنے ایمان کی مضبوطی سے قطع نظر دونوں جہانوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان یہ غلط سمجھتے ہیں کہ یہ خیر جس کی وہ خواہش کرتے ہیں وہ شہرت، دولت، اختیار، صحبت اور اپنے کیریئر میں مضمحل ہے، یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہی حقیقی دیرپا بھلائی ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ دینی علم کی ایک شاخ مفید دنیاوی علم ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے حلال رزق کماتا ہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ کہاں کہاں بھلائی ہے لیکن یہ شرم کی بات ہے کہ کتنے مسلمان اس کی قدر نہیں کرتے۔ وہ زیادہ تر معاملات میں اپنے واجبات کو پورا کرنے کے لیے صرف اسلامی علم کا کم سے کم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات جیسی مزید چیزوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ دنیاوی چیزوں پر اپنی کوششیں وقف کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ وہاں حقیقی اچھائی پائی جاتی ہے۔ بہت سے مسلمان اس بات کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ نیک پیشروؤں کو صرف ایک آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سیکھنے کے لیے ہفتوں تک سفر کرنا پڑا، جب کہ آج کوئی اپنا گھر چھوڑے بغیر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر سکتا

ہے۔ اس کے باوجود، بہت سے لوگ اس نعمت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو جدید دور کے مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نہ صرف یہ بتا دیا ہے کہ سچی بھلائی کہاں ہے بلکہ اس نیکی کو انگلی کے اشارے پر بھی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بتا دیا ہے کہ ایک ابدی دفن خزانہ کہاں ہے جو دونوں جہانوں میں پیش آنے والے تمام مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ بھلائی تبھی ملے گی جب وہ اسے حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی جدوجہد کریں گے۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ - 1

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اندھیرے والے کمرے میں غسل کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور شرم و حیا کے بغیر کپڑے اتار کر سیدھے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 568 میں بحث کی گئی ہے۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ایمان کی فضیلت اختیار کی۔

صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک طویل حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احسان کا مفہوم بیان فرمایا ہے جس کا ترجمہ فضیلت سے کیا جا سکتا ہے۔ اس فضیلت سے مراد اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ سلوک اور برتاؤ ہے۔ فضیلت کے ساتھ عمل کرنے کا تذکرہ پورے قرآن میں کیا گیا ہے، جیسے کہ باب 10 یونس، آیت 26

"...جن لوگوں نے بہترین کام کیے ہیں ان کے لیے بہترین [اجر] ہے - اور اضافی "

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 449 اور 450 میں موجود احادیث میں اس آیت کی وضاحت فرمائی ہے۔ اس آیت میں اضافی لفظ سے مراد یہ ہے کہ جب اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو گا، ، عالی۔ یہ اجر اس مسلمان کے لیے موزوں ہے جو بہترین کام کرتا ہے۔ جیسا کہ فضیلت کا مطلب ہے اپنی زندگی گزارنا گویا وہ اللہ تعالیٰ کی گواہی دے سکتا ہے، ہر وقت اپنے ظاہری اور باطن کا مشاہدہ کرتا ہے۔ ایک ایسا شخص جو ایک طاقتور اتھارٹی کو دیکھ سکتا ہے کہ وہ ان کے خوف سے کبھی بدتمیزی نہیں کرے گا۔ درحقیقت، حضور نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار کسی کو نصیحت کی کہ وہ ہمیشہ ایسا برتاؤ کرے جیسے کہ وہ ایک نیک آدمی جس کا وہ احترام کرتا ہے، اسے مسلسل دیکھ رہا ہو۔ امام طبرانی کی المعجم الکبیر نمبر 5539 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

جو بھی اس طریقے پر عمل کرتا ہے وہ بہت کم گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے اور ہمیشہ نیکیوں کی طرف دوڑتا رہتا ہے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرتا ہے اور دنیا میں آزمائش کی آگ اور آخرت میں جہنم کی آگ سے ڈھال کا کام کرتا ہے۔ یہ چوکسی اس بات کو یقینی بنائے گی کہ انسان نہ صرف اللہ تعالیٰ کے نئیں اپنے تمام فرائض کو پورا کرتا ہے بلکہ یہ مخلوق کے نئیں اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ جس کی چوٹی خلوص دل سے دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔ یہ شخص جامع ترمذی نمبر 251 میں موجود حدیث کو پورا کرے گا جس میں یہ نصیحت ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

فضیلت کا یہ درجہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ صحیح نیت کے ساتھ عمل کیا جائے جو کہ صحیح بخاری کی حدیث نمبر 1 کے مطابق ایمان کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے۔ انسان جتنا اچھا عمل کرتا ہے اس کا ایمان اتنا ہی مضبوط ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جاتا ہے جو غفلت سے دور رہتا ہے اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی آخرت اور دنیاوی زندگی کو سنوارنے کے لیے ہمیشہ جدوجہد کرتا رہتا ہے۔

اندیشہ ہے کہ اس انعام کے برعکس ان لوگوں کو ملے گا جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی۔ چونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر نگاہوں سے بے خوف زندگی گزاری، اس لیے وہ آخرت میں اس کے دیدار سے پردے میں رہیں گے۔ باب 83 المطفین، آیت 15

”نہیں یقیناً اس دن ان کے رب کی طرف سے وہ الگ الگ ہو جائیں گے۔“

جو لوگ عمل کرنے کے درجے تک پہنچنے میں ناکام رہتے ہیں گویا وہ اللہ تعالیٰ کی گواہی دے رہے ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ نصیحت کے دوسرے حصے پر عمل کریں جو شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں دی گئی ہے۔ اس شخص کو سچے دل سے یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو مسلسل دیکھ رہا ہے۔ اگرچہ یہ حالت درجے میں اس شخص کے مقابلے میں کم ہے جو اس طرح عمل کرتا ہے جیسے وہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے، کوئی بھی کم نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے سچے خوف کو اپنانے کا بہترین طریقہ ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ رویہ کسی کو گناہوں سے روکے گا اور نیک کاموں کی طرف ترغیب دے گا۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام طبرانی کی کتاب المعجم الکبیر نمبر 7935 میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اس ذہنیت کو اپنانے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے سایہ عطا فرمائے گا۔ سر بلند

اللہ تعالیٰ کی الوہی موجودگی کا تذکرہ پورے قرآن میں موجود ہے، جیسے کہ باب 57 الحديد، آیت 4

”تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔...“

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سی احادیث میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ الہی کے حقیقی شعور کو اپنانے کی تلقین فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک الہی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ ہے جو اسے یاد کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہلیۃ الاولیاء جلد 1 صفحہ 84 اور 85 میں امیر المومنین علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ شان و شوکت سے کنارہ کش ہو گئے۔ مادی دنیا کی اور تنہا رات میں سکون ملا۔ یعنی لوگوں کی صحبت کے بجائے اللہ تعالیٰ کی صحبت طلب کی۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ الہی کی بیداری کو اپنانا نہ صرف گناہوں سے روکتا ہے اور نیک اعمال کی ترغیب دیتا ہے بلکہ یہ تنہائی اور افسردگی سے بھی بچاتا ہے۔ ایک شخص ذہنی صحت کے مسائل سے بہت کم متاثر ہوتا ہے جب وہ مسلسل کسی ایسے شخص سے گہرا رہتا ہے جو ان سے پیار کرتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر مخلوق سے کوئی محبت نہیں کرتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہر طرح کی مدد کا ذریعہ ہے۔ لہذا، فضیلت کے ساتھ کام کرنے سے کسی کے ایمان، اعمال، جذباتی کیفیت اور وسیع تر معاشرے کو فائدہ ہوتا ہے۔

ایک مسلمان کو ان لوگوں کی طرح بننے سے گریز کرنا چاہیے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ان کے مشاہدہ کرنے والوں میں سب سے زیادہ حقیر سمجھتے ہیں۔ یہ ایک شدید روحانی بیماری ہے جو اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ ہر قسم کے گناہوں اور برے سلوک کی طرف لے جاتی ہے۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ - 2

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ لوگ آخرت سے غافل ہو گئے ہیں کیونکہ دنیا ان کے سامنے ہے اور آخرت پوشیدہ ہے۔ اگر لوگ آخرت کو دیکھتے تو کبھی اس سے منہ نہ موڑتے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 3، صفحہ 79-80 میں بحث کی گئی ہے۔

انسان کو اس مادی دنیا اور آخرت کے بارے میں صحیح ادراک اختیار کرنا چاہیے تاکہ وہ بعد والے کو سابقہ پر ترجیح دے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ صحیح ادراک پیدا کریں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کر سکیں، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ وہی چیز ہے جو نیک پیشرووں کے پاس تھی اور اس نے انہیں مادی دنیا کی اضافی آسائشوں سے بچنے اور آخرت کی تیاری کرنے کی ترغیب دی۔ یہ ایک اہم خصوصیت ہے اور اسے دنیاوی مثال سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ دو لوگ بہت پیاسے ہیں اور ایک کپ گدلا پانی کے پاس آتے ہیں۔ وہ دونوں اسے پینا چاہتے ہیں اگرچہ وہ پاک نہ ہو اور خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اس پر جھگڑنا پڑے۔ جیسے جیسے ان کی پیاس گندے پانی کے پیالے پر زیادہ مرکوز ہوتی ہے وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر توجہ کھو دیتے ہیں۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی اپنی توجہ ہٹاتا ہے اور صاف پانی کے ایک دریا کو دیکھتا ہے جو کچھ ہی فاصلے پر تھا وہ فوری طور پر پانی کے پیالے پر توجہ اس مقام پر کھو دیتا ہے کہ وہ اب اس کی پرواہ نہیں کرے گا اور اس پر مزید بحث نہیں کرے گا۔ اور اس کے بجائے وہ اپنی پیاس کو صبر سے برداشت کریں گے یہ جانتے ہوئے کہ خالص پانی کا ایک دریا قریب ہے۔ جو شخص دریا سے ناواقف ہے وہ شاید اس کے رویے میں تبدیلی کو دیکھ کر یقین کرے گا کہ دوسرا پاگل ہے۔ یہی حال اس دنیا میں دو طرح کے لوگوں کا ہے۔ ایک گروہ لالچ سے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ دوسرے گروہ نے اپنی توجہ آخرت اور اس کی پاکیزہ اور ابدی نعمتوں پر مرکوز کر دی ہے۔ جب کوئی اپنی توجہ آخرت کی سعادت کی طرف مبذول کر لے تو دنیاوی مسائل اتنی بڑی بات نہیں لگتے۔ اس لیے صبر کو اپنانا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس دنیا پر اپنی توجہ مرکوز رکھے تو یہ ان کو سب کچھ لگتا ہے۔

وہ اس کے لیے بحث کریں گے، لڑیں گے، محبت کریں گے اور نفرت کریں گے۔ بالکل اسی طرح جیسے پہلے ذکر کی گئی مثال میں وہ شخص جو صرف گندے پانی کے پیالے پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

یہ صحیح ادراک صرف قرآن پاک میں موجود اسلامی علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پایا جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ ”حق ہے“۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ - 3

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نصیحت کی کہ قرآن پاک یا تو کسی شخص کے لیے باعثِ ثواب ہو گا یا بوجھ لہذا قرآن کریم کے احکام پر عمل کرنا چاہیے اور اسے (غلط تشریح کر کے) اپنی خواہشات کی پیروی پر مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ جو اس کی پیروی کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو قرآن پاک کو ان پر عمل کرنے پر مجبور کرے گا وہ اس کے ذریعہ جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 3، صفحہ 278 میں بحث کی گئی ہے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس پر عمل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظر انداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو اسے سمجھنا ہے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے رہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور دنیاوی چیزوں مثلاً شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔

درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82

اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ”ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔“

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک دنیاوی مسائل کا علاج ہونے کے باوجود مسلمان کو صرف اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن مجید کو صرف اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے کہ وہ اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے اس کی تلاوت کریں، قرآن مجید کو ایک آلے کی طرح سمجھیں جو مشکل کے وقت ہٹا کر دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام آخرت کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کر دینا اور اسے صرف اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو ابھی تک بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے، اس کے پاس کوئی انجن نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ - 4

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بحری مہم کے دوران ایک بحری جہاز پر سفر کر رہے تھے۔ رات کے وقت آپ نے غیب سے ایک آواز سنی جس میں اعلان کیا گیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے گرم دن میں پیاسا رہے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پیاس بجھائے گا۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ پھر سال کے گرم ترین دنوں میں روزہ رکھتے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حیات صحابہ، جلد 3، صفحہ 567 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن نسائی نمبر 2219 میں موجود الہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ تمام اعمال صالحہ جو لوگ انجام دیتے ہیں وہ ان کے لیے ہیں سوائے روزے کے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اسے براہ راست انعام دیں

یہ حدیث روزے کی انفرادیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے اس انداز میں بیان ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ باقی تمام اعمال صالحہ لوگوں کو نظر آتے ہیں، جیسے نماز، یا وہ لوگوں کے درمیان ہیں، جیسے خفیہ صدقہ۔ جبکہ، روزہ ایک منفرد نیک عمل ہے کیونکہ دوسرے یہ نہیں جان سکتے کہ کوئی شخص صرف روزہ رکھنے سے روزہ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ، روزہ ایک نیک عمل ہے جو اپنے آپ کے ہر پہلو پر قفل لگاتا ہے۔ یعنی جو شخص صحیح طریقے سے روزہ رکھتا ہے اسے زبانی اور جسمانی گناہوں سے روک دیا جائے گا جیسے کہ حرام چیزوں کو دیکھنا اور سننا۔ یہ بھی نماز کے ذریعے حاصل ہوتا ہے لیکن نماز صرف تھوڑی دیر کے لیے ادا کی جاتی ہے اور دوسروں کو دکھائی دیتی ہے جبکہ روزہ دن بھر ہوتا ہے اور دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45

“...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے”

مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص بغیر کسی جواز کے فرض روزے پورے نہیں کرتا وہ مومن نہیں ہو گا کیونکہ دونوں کا براہ راست تعلق ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 183

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے "تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ"

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 723 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر کوئی مسلمان ایک فرض روزہ بغیر کسی شرعی عذر کے پورا نہ کرے تو اس کی قضا نہیں ہو سکتی۔ ثواب اور برکت ضائع ہو جاتی ہے خواہ وہ ساری زندگی روزے رکھے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ اس آیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزہ صحیح طریقے سے تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ یعنی صرف دن کو بھوکا رہنے سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا بلکہ روزے کی حالت میں گناہوں سے بچنے اور اعمال صالحہ کی طرف زیادہ توجہ دینے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 707 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے پرہیز نہ کرے تو روزہ اہم نہیں ہوگا۔ اسی طرح کی ایک حدیث سنن ابن ماجہ نمبر 1690 میں ہے کہ بعض روزہ داروں کو بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جب کوئی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ ہوشیار اور محتاط ہو جاتا ہے، جب کہ وہ روزے کی حالت میں ہوتے ہیں، یہ عادت بالآخر ان پر اثر انداز ہوتی ہے، اس لیے وہ روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اسی طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ دراصل حقیقی تقویٰ ہے۔

اس آیت میں جس نیکی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اس کا تعلق روزے سے ہے کیونکہ روزہ انسان کی بری خواہشات اور شہوتوں کو کم کرتا ہے۔ یہ غرور اور گناہوں کی ترغیب سے روکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ پیٹ کی بھوک اور نفسانی خواہشات کو روکتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں بہت سے گناہوں کو جنم دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں چیزوں کی خواہش دیگر حرام چیزوں کی خواہش سے زیادہ ہے۔ پس جو شخص روزے کے ذریعے ان پر قابو پالے گا اس کے لیے کمزور خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔ یہ حقیقی راستبازی کی طرف جاتا ہے۔

جیسا کہ مختصراً پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزے کے مختلف درجات ہیں۔ روزہ کا پہلا اور ادنیٰ درجہ وہ ہے جب کوئی ایسی چیزوں سے پرہیز کرے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے کہ کھانا۔ اگلا درجہ گناہوں سے پرہیز کرنا ہے جو روزہ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور اس کے روزے کے ثواب کو کم کر دیتے ہیں، جیسے جھوٹ بولنا۔ سنن نسائی نمبر 2235 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ روزہ جس میں جسم کے ہر عضو کو شامل کیا جائے اگلا درجہ ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب جسم کا ہر عضو گناہوں سے بچتا ہے، مثلاً آنکھ حرام کو دیکھنے سے، کان حرام کو سننے سے، وغیرہ۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اس طرح کا برتاؤ کرے۔ آخر میں روزہ کا اعلیٰ درجہ ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مربوط نہیں ہیں۔

ایک مسلمان کو باطنی طور پر بھی روزہ رکھنا چاہئے جیسا کہ ان کا جسم گناہ یا لغو خیالات سے پرہیز کرتے ہوئے ظاہری طور پر روزہ رکھتا ہے۔ انہیں اپنی خواہشات کے حوالے سے اپنے منصوبوں پر قائم رہنے سے روزہ رکھنا چاہئے اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر توجہ دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ، انہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو باطنی طور پر چیلنج کرنے سے روزہ رکھنا چاہیے، اور اس کے بجائے تقدیر کے علاوہ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے، وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین انتخاب کرتا ہے، چاہے وہ ان:

انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے روزے کو پوشیدہ رکھ کر اور دوسروں کو مطلع نہ کر کے سب سے زیادہ ثواب حاصل کرنا چاہیے اگر یہ گریز کیا جا سکتا ہے کیونکہ غیر ضروری طور پر دوسروں کو بتانے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دکھاوے کا ایک پہلو ہے۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ - 5

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ قیامت کے دن سورج لوگوں کے سروں کے اوپر لایا جائے گا اور ان کے اعمال ان پر سایہ ڈالیں گے یا انہیں اس کی شدید گرمی میں بے نقاب کریں گے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 667 میں بحث کی گئی ہے۔

قیامت کے دن سورج کو مخلوق سے دو میل کے فاصلے پر لایا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 2864 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

اس سے لوگوں کو ان اعمال کے مطابق پسیںہ آنے گا جو انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران کیے تھے۔ بعض کا پسیںہ ان کے ٹخنوں تک، بعض کا گھٹنوں تک اور بعض کا منہ تک پہنچے گا۔

کسی کو صرف اس وقت پر غور کرنے کی ضرورت ہے جب وہ شدید گرمی کے موسم کا شکار ہوئے اور گرمی نے ان کے رویے اور رویے کو کیسے متاثر کیا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب سورج کو ان کے اتنا قریب لایا جائے گا تو قیامت کے دن کتنی مشکل ہو گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کوشش کرتے ہیں۔ اسے قیامت کے دن نرمی ملے گی۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران سست اور آرام دہ تھے وہ قیامت کے دن بہت زیادہ دباؤ کا شکار ہوں گے۔ سیدھے الفاظ میں جو یہاں کوشش کرے گا وہ وہاں آرام کرے گا لیکن جو یہاں آرام کرے گا وہ وہاں مشکل میں پڑے گا۔

جس طرح لوگ اس مادی دنیا میں سخت محنت کرتے ہیں تاکہ وہ ایک آرام دہ زندگی حاصل کریں اور آرام دہ ریٹائرمنٹ بھی حاصل کریں، اگرچہ ریٹائرمنٹ کی اس عمر تک پہنچنا یقینی نہیں ہے، مسلمانوں کو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے اس سے بھی زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ ان کی زندگی کے پہلوؤں کو تاکہ وہ ایک ایسے دن پر سکون اور راحت حاصل کر سکیں جو یقینی ہے۔ ایک ایسے دن کے لیے کوشش کرنا بڑی جہالت کی علامت ہے جو کبھی نہ پہنچ سکے، یعنی ریٹائرمنٹ کے دن، اور اس دن کے لیے کوشش نہ کرنا جس تک پہنچنے اور تجربہ کرنے کی ضمانت دی گئی ہو، یعنی یوم حشر۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ - 6

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگ اس دور میں زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نیک عمل کرنے والے کو ایک اجر ملے گا۔ لیکن وہ وقت آئے گا جب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی نیک عمل کرے گا اور اسے دو اجر ملے گا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 672 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7400 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص بڑے فتنوں اور فتنوں کے دوران اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے ہجرت کی ہو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہجرت کا ثواب بہت بڑا عمل تھا۔ درحقیقت، صحیح مسلم نمبر 321 میں موجود حدیث کے مطابق اس سے پچھلے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے رہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرتے رہیں۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں جس وقت کا ذکر ہے وہ آچکا ہے۔ اسلام کی تعلیمات سے گمراہ ہونا بہت آسان ہو گیا ہے کیونکہ مسلمان قوم پر دنیاوی خواہشات کے دروازے کھل گئے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کو

چاہیے کہ وہ ان سے غافل نہ ہوں اور متنازعہ مسائل اور لوگوں سے اجتناب کریں اور اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں اگر وہ اس حدیث میں مذکور ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ - 7

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ جب کوئی اچھی چیز سیکھتا ہے تو اسے دوسروں کو سکھانا چاہیے۔ اس پر ابن سعد کی کتاب الطبقات الکبیر، 4/373 میں بحث ہوئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ان سے ایسا حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت احتیاط برتیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کے کاموں میں صرف اس لیے نصیحت کرے کہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ ایک شخص قیامت کے دن محض یہ دعویٰ کر کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کریں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان کاموں کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ خود اسباب کی کمی کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ - 8

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ جن چیزوں کے بارے میں اسے علم نہیں ہے ان کے بارے میں بات نہ کرے ورنہ وہ ڈھونگ کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے اور دین سے خارج ہو جائیں گے۔ اس پر ابن سعد کی کتاب الطبقات الکبیر، 4/373 میں بحث ہوئی ہے۔

بعض نے عجیب رویہ اختیار کیا ہے۔ جب ان سے ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے جس سے وہ بے خبر ہوتے ہیں تو وہ سچائی کو تسلیم کرنے کے بجائے ایسا جواب دیتے ہیں جس کی سچائی میں کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ یہ خاص طور پر اسلام سے جڑے معاملات میں ایک سنگین مسئلہ بن سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو غلط معلومات دینے پر سزا مل سکتی ہے جس پر دوسرے عمل کرتے ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نادانی سے چیزوں کو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا۔ ان لوگوں کی وجہ سے اسلام کے ساتھ عجیب و غریب عقائد و رسوم وابستہ ہو گئے ہیں جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے حق سے بہت بڑا انحراف ہے۔ درحقیقت مسلمانوں نے بہت سی ثقافتی رسومات کو اپنایا ہے اور انہیں اسلام کا حصہ ماننا اسی جاہلانہ ذہنیت کی وجہ سے رونما ہوا ہے۔

یہ لوگ یقین رکھتے ہیں کہ اگر وہ محض اعتراف کرتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں جانتے ہیں تو وہ دوسروں کو بے وقوف دکھائی دیں گے۔ یہ ذہنیت اپنے آپ میں انتہائی احمقانہ ہے کیونکہ نیک پیشرو اپنی جہالت کو تسلیم کرنے کی اہمیت پر زور دیتے تھے تاکہ دوسرے گمراہ نہ ہوں۔ درحقیقت، صالح پیش رو صرف اس شخص کو شمار کرتے جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہو اور عقلمندوں میں شمار ہوتا تھا اور ان کے ہر سوال کا جواب دینے والے کو احمق شمار کیا جاتا تھا۔

یہ رویہ اکثر ان بزرگوں میں دیکھنے میں آتا ہے جو اکثر اپنے بچوں کو دنیا اور دین سے متعلق مسائل پر نصیحت کرتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ اپنی لاعلمی کا اعتراف کریں اور انہیں کسی ایسے شخص کی طرف لے جائیں جو سچائی سے واقف ہو۔ جب بزرگ اس طرح سے کام کرتے ہیں تو وہ اپنے زیر کفالت افراد کی صحیح رہنمائی کرنے میں اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کرتے ہیں جس کا اشارہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے صحیح علم حاصل کریں خواہ دنیوی ہو یا دینی، اور اگر وہ کسی چیز سے ناواقف ہوں تو اسے تسلیم کر لیں کیونکہ اس سے ان کے درجات میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اگر کچھ بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اور لوگ ان کی ایمانداری کی قدر کریں گے۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ - 9

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے دو صوبوں پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے انہیں نصیحت کی کہ نرمی اختیار کریں، سختی نہ کریں اور خوشخبری سنائیں اور لوگوں کو خوفزدہ نہ کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 135-136 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اسلامی علوم کو سیکھ کر اور اس پر عمل کر کے اپنے لیے سب سے پہلے چیزوں کو آسان بنائے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ روایات پر عمل کر سکے، اور اپنی ضروریات کو پورا کر سکے۔ ان کے انحصار کرنے والوں کی ضروریات۔ اس سے انہیں فضول خرچی یا اسراف کے بغیر حلال چیزوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے کافی وقت ملے گا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق عمل صالح کے لیے کرے نہ کہ اپنے اوپر بوجھ ڈالے کیونکہ اسلام میں یہ ناپسندیدہ ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6465 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ متوازن طرز عمل ہمیشہ بہترین ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے خاص طور پر مذہبی معاملات میں آسانیاں پیدا کریں تاکہ لوگ اسلام کو ایک بوجھل مذہب سمجھتے ہوئے اس سے نفرت نہ کریں جب کہ یہ حقیقت میں ایک سادہ اور آسان مذہب ہے۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 287 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ دوسروں کو، خصوصاً بچوں کو سکھانا ضروری ہے۔ اگر بچے غلط طور پر مانتے ہیں کہ اسلام ایک مشکل مذہب ہے تو وہ بڑے ہو کر اس سے منہ موڑ لیں گے۔ بچوں کو یہ سکھایا جائے کہ اسلام میں کچھ ذمہ داریاں ہیں جنہیں پورا کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا اور اچھے طریقے سے تفریح کرنے کے لیے ان کے لیے کافی وقت رہ جاتا ہے۔

لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دینی معاملات میں اپنے لیے یا دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان سست ہو جائے اور دوسروں کو سست ہونا سکھائے کیونکہ کم از کم ذمہ داریوں کو ہر وقت پورا کرنا ضروری ہے جب تک کہ اسلام اس سے مستثنیٰ نہ ہو۔ سستی کرنے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات کو مانتا ہے۔

دوسروں کے لیے چیزوں کو آسان بنانے کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسروں سے اپنے مکمل حقوق کا مطالبہ نہیں کرتا ہے۔ اس کے بجائے، انہیں اپنی جسمانی یا مالی طاقت جیسے ذرائع کو اپنی مدد اور دوسروں کے لیے آسان بنانے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ بعض صورتوں میں دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں ناکامی سزا کا باعث بنتی ہے۔ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کے لیے ایک مسلمان کو صرف بعض صورتوں میں اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرے جن پر ان کے حقوق ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک والدین اپنے بالغ بچے کو گھر کے کسی خاص کام سے معافی دے سکتے ہیں اور اگر ان کے پاس بغیر کسی پریشانی کے ایسا کرنے کا ذریعہ ہے خاص طور پر اگر وہ بچہ کام سے تھک کر گھر لوٹتا ہے۔ یہ نرمی اور رحم نہ صرف اللہ تعالیٰ کو ان پر زیادہ رحم کرنے کا باعث بنے گا بلکہ اس سے لوگوں میں ان کے لیے محبت اور احترام بھی بڑھے گا۔ جو ہمیشہ اپنے پورے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے وہ گنہگار نہیں ہے لیکن اگر وہ اس طرح کا برتاؤ کریں گے تو وہ اس اجر و ثواب سے محروم ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کریں اور امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانیاں پیدا کرے گا۔ لیکن جو لوگ دوسروں کے لیے مشکلیں پیدا کرتے ہیں وہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دونوں جہانوں میں مشکلیں پیدا کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو اپنے آپ کو اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں اور عظیم انعامات کی یاد دلانا چاہیے جو وہ مسلمانوں کو اس دنیا اور آخرت میں عطا کرتا ہے جو اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرتے ہوئے اور تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ یہ طریقہ

زیادہ تر معاملات میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف ترغیب دینے میں زیادہ کارگر ہے۔ صرف بعض صورتوں میں جب کوئی شخص خواہش مندانہ سوچ میں مبتلا ہو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہو، اس امید کے ساتھ کہ وہ کامیاب ہو جائے گا، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ انہیں ان کے اعمال کے نتائج سے خبردار کرے، ان میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرے۔

ایک توازن بہترین ہے جس کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ پر امید رکھتا ہے، اس کی اطاعت اور اس سے ڈرنے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ گناہوں سے بچا جا سکے۔ اور جب بھی کوئی عدم توازن محسوس کرتا ہے یا دوسروں کو دیکھتا ہے جو عدم توازن کا شکار ہو چکے ہیں تو ایک مسلمان کو اپنے آپ کو اور دوسروں کو صحیح درمیانی راستے پر لانے کے لیے مناسب طریقے سے عمل کرنا چاہیے۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ - 10

اپنی خلافت کے دوران، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کو یقینی بنانے کے لیے بہت بڑے اقدامات کیے تھے۔ اس کی ایک شاخ اس بات کو یقینی بنانا تھا کہ حاصل کردہ علم درست اور درست ہو۔ لوگوں کو اس اہم اصول کی تعلیم دینے کے لیے جب بھی کوئی شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کرتا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذاتی طور پر نہیں سنا تو گواہوں کی صورت میں ثبوت طلب کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کا برتاؤ نہیں کیا جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت پر شک کیا جاتا تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اس لیے کیا تھا تاکہ دوسروں اور آنے والی نسلوں کے لیے اس علم کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے جو انہوں نے سیکھا اور اس پر عمل کیا۔ درست اور درست

مثلاً ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک بار، تین بار خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے کی اجازت طلب کی، لیکن اجازت نہیں دی گئی۔ اس کے بعد وہ چلا گیا یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں واپس بلایا جب انہوں نے کاروبار ختم کر دیا جس نے انہیں مصروف رکھا۔ جب انہوں نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کیوں چلے گئے تو انہوں نے بتایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے کہ ایک شخص کو تین مرتبہ کسی دوسرے شخص کے پاس جانے کی اجازت مانگنی چاہئے لیکن اگر انہیں اجازت نہیں دی گئی کہ وہ جگہ چھوڑ دیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اس بات کی دلیل لاؤ۔ ابو موسیٰ پھر ایک اور صحابی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو لائے جنہوں نے گواہی دی کہ انہوں نے بھی یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6245 کی ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اس سے کسی کو معلومات پر عمل کرنے یا دوسروں کے ساتھ شیئر کرنے سے پہلے اس کی تصدیق کرنے کا اہم اصول سیکھنا چاہیے۔

کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ سوشل میڈیا کے اس دور میں غیر مستند خبروں کے پھیلاؤ پر قابو پانا کتنا مشکل ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن پاک کی درج ذیل آیت پر عمل کریں اور معلومات کو دوسروں تک نہ پہنچائیں چاہے وہ یہ سمجھتے ہوں کہ وہ پہلے معلومات کی تصدیق کیے بغیر ایسا کر کے دوسروں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ مطلب، انہیں یہ یقینی بنانا چاہیے کہ یہ قابل اعتماد ذریعہ سے آیا ہے اور درست ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 6

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، ایسا نہ ”
“ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور اپنے کیے پر پشیمان ہو جاؤ۔

حالانکہ یہ آیت ایک بدکار شخص کی طرف اشارہ کرتی ہے جو خبریں پھیلاتا ہے اس کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو دوسروں کے ساتھ معلومات بانٹتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص کو یقین ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کی مدد کر رہے ہیں لیکن غیر تصدیق شدہ معلومات پھیلانے سے وہ دوسروں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، جیسے کہ جذباتی نقصان۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اس سے غافل ہیں اور انہیں محض ٹیکسٹ میسجز اور سوشل میڈیا ایپلی کیشنز کے ذریعے معلومات کو بغیر تصدیق کیے آگے بھیجنے کی عادت ہے۔ ایسے معاملات میں جہاں معلومات مذہبی معاملات سے جڑی ہوئی ہیں، معلومات کو پھیلانے سے پہلے اس کی تصدیق کرنا اور بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ کسی کو دوسروں کے اعمال کی سزا ان کی فراہم کردہ غلط معلومات کی بنیاد پر مل سکتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ، دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور اس کا مسلمانوں پر کیا اثر ہو رہا ہے اس کے ساتھ معلومات کی تصدیق کرنا اور بھی اہم ہے کیونکہ جو کچھ نہیں ہوا اس پر دوسروں کو خبردار کرنا نہ صرف معاشرے میں انتشار پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں اور دیگر کمیونٹیز کے درمیان دراڑ کو بڑھاتا ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سوال نہیں کرے گا کہ انہوں نے قیامت کے دن غیر تصدیق شدہ معلومات دوسروں کے ساتھ کیوں شیئر نہیں کیں۔ لیکن وہ یقینی طور پر ان سے سوال کرے گا کہ کیا وہ دوسروں کے ساتھ معلومات کا اشتراک کرتے ہیں، چاہے وہ تصدیق شدہ ہو یا نہ ہو۔ لہذا، ایک ذہین مسلمان صرف تصدیق شدہ معلومات کا اشتراک کرے گا اور جو کچھ بھی تصدیق شدہ نہیں ہے وہ یہ جانتے ہوئے چھوڑ دیں گے کہ وہ اس کے لیے جوابدہ نہیں ہوں گے۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ - 11

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بستر مرگ پر فرمایا کہ یا تو ان کی قبر چالیس گز چوڑی ہو جائے گی یا قبر نیزہ سے چھوٹی ہو جائے گی۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر میں بحث کی گئی ہے - 670

جامع ترمذی نمبر 2460 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قبر یا تو جنت کا باغ ہے یا جہنم کا گڑھا ہے۔ یہ حدیث مزید بتاتی ہے کہ جب ایک کامیاب مومن کو ان کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ ان کے لیے کشادہ اور آرام دہ ہو جاتا ہے جب کہ گناہ گار کی قبر ان کے لیے انتہائی تنگ اور نقصان دہ ہو جاتی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ حقیقت میں ہر شخص اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے ساتھ جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا لے جاتا ہے یعنی اپنے اعمال۔ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، تو یہ یقینی بنائے گا کہ وہ اس کے لیے مطلوبہ اعمال کی تیاری کرے۔ ان کی قبر کو جنت کا باغ بنا دے۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے تو ان کے گناہ جہنم کا گڑھا بنائیں گے جس میں وہ قیامت تک آرام کریں گے۔

اس لیے مسلمانوں کو آج ہی عمل کرنا چاہیے اور اس تیاری میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں اور اکثر اچانک آجاتا ہے۔ آنے والے کل تک تاخیر کرنا بے وقوفی ہے اور یہ صرف پچھتاوے کا باعث بنتا ہے۔ جس طرح انسان اس دنیا میں اپنے گھر کو سنوارنے میں بہت زیادہ توانائی اور وقت صرف کرتا ہے اسے اپنی قبر کو سنوارنے میں زیادہ محنت کرنی چاہیے کیونکہ وہاں کا سفر ناگزیر ہے اور وہاں طویل قیام ہے۔ اور اگر کسی کو ان کی قبر میں تکلیف پہنچتی ہے تو

اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ بدتر ہوگا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4267 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ - 1

ربیعہ رضی اللہ عنہ دن رات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گزارتے تھے۔ ایک موقع پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ربیعہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ان سے کچھ مانگیں۔ ربیعہ رضی اللہ عنہ نے جنت میں ان کی صحبت کی درخواست کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ بہت سے سجدے کر کے اس کی مدد کرو۔ اس کا تذکرہ صحیح مسلم نمبر 1094 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

اس حکم کو پورا کرنے کا پہلا مرحلہ فرض نمازوں کا قائم کرنا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ فرض نمازوں کو چھوڑنا ایمان اور کفر میں فرق ہے۔

اس دن اور عمر میں یہ بہت عام ہو گیا ہے۔ بہت سے لوگ معمولی وجوہات کی بنا پر اپنی فرض نمازیں ترک کر دیتے ہیں جو کہ بلاشبہ رد ہیں۔ اگر جنگ کرنے والے پر نماز کی فرضیت ختم نہیں ہوئی تو کسی اور سے کیسے ہٹائی جائے گی؟ باب 4 النساء، آیت 102

اور جب آپ ان کے درمیان ہوں اور ان کی نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار اٹھائے ہوں۔ اور جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ آپ کے پیچھے ہوں اور دوسرے گروہ کو آگے آنے دیں جنہوں نے [ابھی تک] نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں، "...احتیاط کرتے ہوئے اور اپنے ہتھیار اٹھائے ہوئے

نہ مسافر اور نہ بیمار اپنی فرض نمازوں سے مستثنیٰ ہیں۔ مسافر کو بعض فرض نمازوں میں چکروں کی مقدار کو کم کرنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ ان پر بوجھ کم ہو جائے لیکن وہ ان کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 101

“... اور جب تم پورے ملک میں سفر کرتے ہو تو تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں”

بیماروں کو خشک وضو کرنے کی تلقین کی گئی ہے اگر پانی سے رابطہ انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔
باب 5 المائدة، آیت 6

لیکن اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے رابطہ کیا ہو اور پانی نہ ملے تو صاف زمین تلاش کرو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔

اس کے علاوہ بیمار فرض نماز اس طریقے سے ادا کر سکتے ہیں جو ان کے لیے آسان ہو۔ یعنی اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ سکتے ہیں اور اگر بیٹھ نہیں سکتے تو لیٹ کر فرض نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 372 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن پھر یہ کہ بیمار کو مکمل رعایت نہیں دی جاتی جب تک کہ کوئی ذہنی مریض نہ ہو جو اسے نماز کی فرضیت کو سمجھنے سے روکتا ہو۔

دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بعض مسلمان اپنی فرض نمازوں میں تاخیر کرتے ہیں اور صحیح اوقات سے زیادہ پڑھتے ہیں۔ یہ قرآن کریم سے واضح طور پر متصادم ہے کیونکہ مومنین کو اپنی فرض نمازیں وقت پر ادا کرنے والے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 103

”بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات کے لیے فرض کی گئی ہے۔“

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی فرض نمازوں میں بلا ضرورت تاخیر کرتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 10، صفحہ 603-604 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 107 المعون، آیات 4-5

”پس خرابی ہے نمازیوں کے لیے۔ [لیکن] جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جنہوں نے اس بری صفت کو اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے تو اس دنیا یا آخرت میں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 512 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا کہ فرض نماز میں بلا ضرورت تاخیر کرنا نفاق کی علامت ہے۔ قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی ایک بڑی وجہ فرض نمازوں کو قائم نہ کرنا ہے۔ باب 74 المدنتیر، آیات 42-43

[اور ان سے پوچھتے ہوئے]، "آپ کو سقر میں کس چیز نے ڈالا؟" وہ کہیں گے کہ ہم نماز پڑھنے " والوں میں سے نہیں تھے۔

فرض نمازوں کا ترک کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2621 میں موجود حدیث میں اعلان فرمایا کہ جس نے یہ گناہ کیا اس نے اسلام سے کفر کیا۔

اس کے علاوہ کوئی اور نیک عمل کسی مسلمان کو اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ اس کی فرض نمازیں قائم نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 553 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر عصر کی فرض نماز چھوٹ جائے تو اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک فرض نماز کے ترک کرنے کا یہ حال ہے تو کیا ان سب کو چھوڑنے کی سزا کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 252 میں فرض نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں پڑھنے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فرض نمازوں کو اپنے وقت سے زیادہ مؤخر کرنا یا ان کو مکمل طور پر غائب کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام ہے۔

تمام بزرگوں کے لیے یہ ایک اہم فریضہ ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیں تاکہ وہ ان پر شرعی طور پر پابند ہونے سے پہلے ہی اسے قائم کر لیں۔ وہ بالغ جو اس میں تاخیر کرتے ہیں اور بچوں کے بڑے ہونے تک انتظار کرتے ہیں اس انتہائی اہم فریضے میں ناکام رہے ہیں۔ جن بچوں کو صرف فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی تھی جب یہ ان پر فرض ہو گئی تھی، وہ بہت کم ہی انہیں جلدی قائم کرتے تھے۔ زیادہ تر معاملات میں اس اہم

فرض کو صحیح طریقے سے نبھانے میں انہیں برسوں لگ جاتے ہیں۔ اور قصور خاندان کے بزرگوں پر، خاص طور پر والدین پر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 495 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ خاندان سب سے زیادہ اپنے بچوں کو جب سات سال کے ہو جائیں تو فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ایک اور بڑا مسئلہ جس کا بہت سے مسلمانوں کو سامنا ہے وہ یہ ہے کہ وہ فرض نماز تو ادا کر سکتے ہیں لیکن صحیح طریقے سے ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، بہت سے لوگ نماز کے مراحل کو صحیح طریقے سے مکمل نہیں کر پاتے اور اس کے بجائے اس میں جلدی کرتے ہیں۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 757 میں موجود ایک حدیث واضح طور پر تنبیہ کرتی ہے کہ اس طرح کی نماز پڑھنے والے نے بالکل نماز نہیں پڑھی۔ یعنی ان کا ذکر اس شخص کے طور پر نہیں ہے جس نے اپنی نماز پڑھی اور اس وجہ سے ان کی ذمہ داری پوری نہیں ہوئی۔ جامع ترمذی نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص نماز کے ہر مقام پر 265 قائم نہیں رہتا اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں رکوع اور سجدہ نہ کرنے والے کو بدترین چور قرار دیا۔ موطا مالک، کتاب نمبر 9، حدیث نمبر 75 میں پائی جانے والی ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے مسلمان جنہوں نے کئی دہائیوں سے فرض اور اس جیسی بہت سی نفل نمازیں ادا کی ہیں، ان میں سے کسی نے بھی گنتی نہیں کی ہے اور اس طرح ان کا شمار کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے جس نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 1313 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک عام طور پر مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 43

”اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔“

درحقیقت اس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر بعض معتبر علماء نے اس کو مسلمان مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابوداؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہیں کریں گے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافق قرار دیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی بھی دی تھی جو بغیر کسی عذر کے باجماعت مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1482 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس اہم عمل کو انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں وہ کریں۔ انہیں یہ دعویٰ کرنے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دوسرے نیک کام انجام دے رہے ہیں جیسے کہ گھر کے کاموں میں اپنے خاندان کی مدد کرنا۔ یوں تو صحیح بخاری نمبر 676 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے، لیکن ضروری ہے کہ آپ کی روایات کی اہمیت کو اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ اس کی روایات کی پیروی نہیں کر رہا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے خواہ وہ نیک عمل ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ درحقیقت اسی حدیث کا اختتام اس نصیحت سے ہوتا ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی طرف روانہ ہوتے۔

زیر بحث مرکزی حدیث کی تکمیل کا اگلا مرحلہ نفلی رات کی نماز قائم کرنا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1145 میں موجود ایک الہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر رات اپنی لامحدود شان کے مطابق قریب ترین آسمان پر نزول فرماتا ہے اور لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس سے دعا کریں۔ ان کی ضروریات پوری کریں تاکہ وہ ان کو پورا کر سکے۔

رات کی رضاکارانہ عبادت اللہ تعالیٰ کے تنہا انسان کے اخلاص کو ثابت کرتی ہے کیونکہ کوئی دوسری آنکھ انہیں نہیں دیکھ رہی ہوتی۔ اسے پیش کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مباشرت کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور یہ اس کی بندگی کی علامت ہے۔ اس کے بے شمار فضائل ہیں مثال کے طور پر سنن نسائی نمبر 1614 میں موجود ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ یہ سب سے افضل نماز ہے۔

قیامت کے دن یا جنت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہو گا اور یہ درجہ براہ راست رات کی نماز سے مربوط ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ رات کو نفلی نماز قائم کرتے ہیں انہیں دونوں جہانوں میں اعلیٰ درجات سے نوازا جائے گا۔ باب 17 :الاسراء، آیت 79

اور رات کے کچھ حصے سے، اس کے ساتھ نماز پڑھو [یعنی قرآن کی تلاوت] اپنے لیے اضافی " [عبادت] کے طور پر۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو ایک قابل تعریف مقام پر اٹھائے گا۔

جامع ترمذی نمبر 3579 میں ایک حدیث ہے کہ مسلمان رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لہذا اگر اس وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے تو بے شمار نعمتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

تمام مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کی دعائیں قبول ہوں اور ان کی حاجتیں پوری ہوں۔ لہذا انہیں رات کی نماز نفلی ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 1770 میں موجود حدیث ہے کہ ہر رات میں ایک خاص گھڑی ہوتی ہے جب اچھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

نفلی رات کی نماز کا قیام گناہوں سے بچنے کا ایک بہترین طریقہ ہے، یہ انسان کو فضول اجتماعات سے دور رہنے میں مدد دیتا ہے اور یہ انسان کو بہت سی جسمانی بیماریوں سے بچاتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3549 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

رات کی نماز کے لیے تیاری کرنی چاہیے، خاص طور پر سونے سے پہلے زیادہ کھانے پینے سے نہیں، کیونکہ یہ سستی کو جنم دیتی ہے۔ کسی کو دن میں غیر ضروری طور پر خود کو تھکانا نہیں چاہئے۔ دن میں ایک مختصر جھپکی اس میں مدد کر سکتی ہے۔ آخر میں گناہوں سے بچنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرنی چاہیے، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ صبر کے ساتھ کرنا چاہیے کیونکہ فرمانبرداروں کو شب قدر کی نماز ادا کرنا آسان ہے۔

عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض لوگوں کو کچھ دنیاوی چیزیں دیں اور بعض کو چھوڑ دیں۔ جب رہ جانے والوں میں سے کچھ پریشان نظر آئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بعض لوگوں کو ان کی بے صبری اور مشتعل ہونے کے خوف سے دے دیا اور جنہوں نے کچھ نہیں دیا، انہیں نیکی کے حوالے کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آزادی کو ان کے دلوں میں ڈال دیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ بعد کے گروہ میں سے تھے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 617 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2305 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سب سے زیادہ مالدار وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیزوں پر راضی ہو۔ جو ہر وقت زیادہ دنیاوی چیزوں کا محتاج رہتا ہے وہ محتاج ہے، جو کہ غریب کے لیے ایک اور لفظ ہے، خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔ لیکن جو اپنے مال پر راضی ہے وہ محتاج نہیں ہے اور اس لیے مالدار ہے خواہ اس کے پاس مال کم ہو یا دنیاوی چیزیں۔

اس کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے اس پر راضی ہونے والے کو وہ فضل عطا کیا جائے گا جس سے ان کے مال سے ان کی ضروریات اور ان کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری ہوں گی اور اس سے انہیں ذہنی اور جسمانی سکون ملے گا۔ جبکہ جو لوگ راضی نہیں ہوں گے ان کو یہ فضل حاصل نہیں ہوگا جس کی وجہ سے وہ محسوس کریں گے کہ گویا ان کا مال ان کی ضروریات اور ان کے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ یہ انہیں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرنے سے روکے گا۔

اطمینان میں اس پر راضی ہونا شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے لیے منتخب کیا ہے یعنی تقدیر۔ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین رکھنا چاہیے، وہ ہمیشہ اپنے بندے کے لیے بہترین

چیز کا انتخاب کرتا ہے، چاہے وہ اس انتخاب کے پیچھے حکمت کو نہ دیکھے۔ باب 2 البقرہ، آیت
216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند
"ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

اگر کوئی مسلمان ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اکتفا کرتا ہے، جیسے کہ مشکل کے وقت صبر
اور آسانی کے وقت شکر ادا کرنا، تو اسے ذہنی سکون ملے گا۔

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ - 1

شداد رضی اللہ عنہ اکثر رات کو سوئے بغیر ایک طرف سے دوسری طرف مڑ جاتے تھے۔ پھر وہ تبصرہ کرے گا کہ جہنم کی آگ اسے سونے سے روکتی ہے۔ پھر وہ صبح تک نفلی نماز کے لیے کھڑا رہتا۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 632 میں بحث کی گئی ہے۔

یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ درحقیقت ہر وہ شخص جو جہنم میں جائے گا وہ آگ لے گا، جس کا سامنا وہ جہنم میں کرے گا، اس دنیا سے اپنے گناہوں کی صورت میں۔ جب کوئی مسلمان اس حقیقت کو اپنے ذہن میں نقش کر لے گا تو وہ ہر گناہ، بڑے یا چھوٹے، کو ناقابل برداشت آگ کے ٹکڑے کی طرح دیکھے گا۔ جس طرح انسان دنیا میں آگ سے بچتا ہے اسے گناہوں سے بچنا چاہیے کیونکہ گناہ درحقیقت چھپی ہوئی آگ کی مانند ہیں جو آخرت میں اسے دکھائی جائے گی۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو غافل نہیں رہنا چاہئے اور اس بات پر یقین رکھنا چاہئے کہ وہ اس زبانی تائید کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ، بزرگوار، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اعمال کے ساتھ اعلان اگر یہ سچ ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اتنی محنت نہ کرتے اور وہ بلاشبہ اسلام اور یوم آخرت کو اپنے بعد کے لوگوں سے بہتر سمجھتے تھے۔ سیدھے الفاظ میں، عمل کے بغیر محبت کا اعلان کسی کو جہنم سے نہیں بچا سکتا۔ درحقیقت یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ بعض مسلمان قیامت کے دن جہنم میں داخل ہوں گے۔ جو مسلمان اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیتا ہے اسے سمجھ لینا چاہیے کہ ان کا یہ رویہ موت سے پہلے ان کے ایمان کو کھونے کا سبب بن سکتا ہے تاکہ وہ قیامت میں ایک غیر مسلم کی حیثیت سے داخل ہو جائیں جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

اسی طرح بغیر زرہ اور ڈھال کے جنگ میں داخل نہیں ہو گا ایک مسلمان کو اعمال صالحہ کی زرہ اور ڈھال کے بغیر قیامت کے دن داخل نہیں ہونا چاہیے۔ بصورت دیگر، جس طرح سپاہی کے پاس کوئی حفاظت نہیں ہے، اسی طرح اس کو نقصان پہنچے گا، اسی طرح ایک مسلمان جو قیامت تک پہنچے گا، بغیر اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت، جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس سے پرہیز کرنا شامل ہے۔ اس کی ممانعتوں اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ مادی دنیا کی آسائشوں اور لذتوں سے وہ لطف اندوز نہیں ہوں گے اگر وہ جہنم میں ختم ہو جائیں۔ درحقیقت، یہ صرف انہیں بدتر محسوس کرے گا

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ - 1

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز کے دوران جب اس نے باغ کے اندر ایک پرندے کو اڑتے ہوئے دیکھا تو وہ دھیان سے بھٹک گیا اور اس کے نتیجے میں وہ بھول گیا کہ اس نے کتنی نمازیں پڑھی تھیں۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور اس باغ کو صدقہ کیا کیونکہ اس نے آپ کی نماز سے توجہ ہٹا دی۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 3، صفحہ 149 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ نماز کے ارد گرد اپنی زندگی کو ڈھالنے اور ان چیزوں سے بچنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو نماز کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

مسلمان اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کو اپنی دنیاوی زندگی کے مطابق ڈھالنے کے بجائے اپنے عقیدے کے مطابق کیسے ڈھال سکتے ہیں۔ اس کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ عورتوں کے لیے فرض نمازیں ادا کرتے ہی اور مردوں کے لیے مساجد میں فرض نمازیں ادا کریں۔ جیسا کہ نماز قائم کرنا اسلام کا بنیادی رکن ہے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 2616 میں ایک حدیث میں آئی ہے کہ جب کوئی شخص اسے ادا کرتا ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے تو وہ اسے اپنے دنیاوی کاموں کا اہتمام کرنے پر مجبور کرتا ہے تاکہ وہ اپنی فرض نمازوں کے ارد گرد فٹ ہو جائیں۔ جبکہ جب کوئی شخص اپنی فرض نمازیں دیر سے پڑھتا ہے یا مسجد کے بجائے گھر میں پڑھتا ہے تو فرض نمازوں کو اپنے دنیاوی ٹائم ٹیبل کے گرد فٹ کرنا آسان ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے ایمان کو اپنی دنیاوی زندگی میں ڈھالنے کا سبب بنتا ہے۔ صحیح رویہ غیر ضروری اور فضول سرگرمیوں میں ملوث ہونے سے بھی روکے گا، جیسے کہ شاپنگ سینٹرز کا غیر ضروری جانا، کیونکہ یہ اکثر مسلمان کو وقت پر یا مسجد میں اپنی فرض نماز ادا کرنے سے روکتے ہیں۔ ان غیر ضروری چیزوں اور سرگرمیوں سے پرہیز کرنے سے انسان اپنی زندگی کو اپنے مذہب کے گرد ڈھال سکتا ہے۔

اس کے علاوہ فرض نمازوں کو وقت پر ادا کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہے، سنن نسائی نمبر 611 میں موجود حدیث کے مطابق مسلمان کو اس عادت کو اپنانا چاہیے اور اپنی فرض نمازوں میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ ایک انتہائی اچھی وجہ کے بغیر جو بہت کم ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی اپنی زندگی کو اپنے عقیدے کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی فرض نمازیں وقت پر ادا کریں جیسے ہی وہ عورتوں کے لیے ہوں اور مرد انہیں مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کریں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اس مادی دنیا کی زیادتی سے پریشان ہوئے بغیر آخرت کی تیاری کو ترجیح دیں۔

فضلہ بن عبید رضی اللہ عنہ - 1

فضالہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار لوگوں کو نصیحت کی کہ وہ جو سبق سیکھ چکے ہیں اسے اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 3، سیکھیں، سکھائیں اور اس پر نظر ثانی کریں۔ صفحہ 256-260 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 219 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن پاک کی ایک آیت سیکھنا 100 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اسلامی علم کے کسی موضوع کو سیکھنا چاہے اس پر عمل نہ بھی کرے، 1000 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

کسی آیت کو سیکھنے میں مطالعہ کرنا اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کرنا شامل ہے۔ اور یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو یہ اجر تبھی ملے گا جب وہ اپنے سیکھے ہوئے علم کے موضوع پر خلوص نیت سے عمل کرنے کی کوشش کرے گا اور موقع ملنے پر اسے عملی طور پر نافذ کرے گا۔ صرف اس صورت میں جب کسی کو اپنے اسلامی علم کے موضوع پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملے گا تو وہ 1000 رکعت نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرے گا چاہے وہ اس پر عمل ہی کیوں نہ کرے۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی نیت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور جزا دیتا ہے اور اس لیے موقع ملنے پر صدق دل سے عمل کرنے والوں کو اجر عطا کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

آخر میں، جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا رضاکارانہ عبادت سے بہت افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثریت عربی زبان نہیں سمجھتی

اور اس لیے ان کے طرز عمل اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو مثبت انداز میں تبدیل کرنے کا امکان کم ہے کیونکہ وہ اس زبان کو نہیں سمجھتے جو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ، علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا کسی کو بہتر کے لیے تبدیل کرنے کی ترغیب دینے کا زیادہ امکان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ مسلمان کئی دہائیاں رضاکارانہ عبادت میں گزارتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ یا لوگوں کے ساتھ اپنے رویے میں ذرا بھی بہتری نہیں لاتے۔ اب تک یہ عمل کا بہترین طریقہ نہیں ہے۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ - 1

جب لوگ ابی رضی اللہ عنہ سے ان قانونی احکام کے بارے میں پوچھتے جو معاشرے میں نہیں ہوئے تھے تو وہ ان سے کہتے کہ جب تک ایسا نہ ہو جائے اسے چھوڑ دو اور پھر ان کے لیے صحیح حکم تلاش کرنے کی کوشش کرتے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 3، صفحہ 267 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ سمجھدار اور متعلقہ چیزوں کے بارے میں پوچھنے اور تحقیق کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 3257 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت زیادہ سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ گزشتہ امتوں کی تباہی کا باعث بنی۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق جس چیز کا انہیں حکم دیا گیا ہے وہ کریں اور جس چیز سے انہیں منع کیا گیا ہے اس سے پرہیز کریں۔

مسلمانوں کو اس ذہنیت کو نہیں اپنانا چاہئے کیونکہ جن لوگوں کو بہت زیادہ سوالات کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ اکثر اپنے فرائض کو پورا کرنے اور فائدہ مند علم حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ وہ کم اہم اور بعض اوقات غیر متعلقہ معلومات کے بارے میں پوچھنے اور تحقیق کرنے میں بہت زیادہ مصروف ہوتے ہیں۔ یہ ذہنیت کسی شخص کو اس قسم کے مسائل پر بحث اور بحث کرنے کی ترغیب دے سکتی ہے۔ بدقسمتی سے آج مسلمانوں میں یہ رویہ کافی پھیل چکا ہے کیونکہ وہ اکثر اپنے فرائض کی ادائیگی پر توجہ دینے کے بجائے غیر واجب اور کم اہم مسائل پر بحث کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کردہ روایات کا صحیح معنی، پورا کرنا۔ ان کے مکمل آداب اور شرائط کے ساتھ۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ایسے موضوعات پر تحقیق اور استفسار کرے جو دنیوی اور دینی دونوں معاملات کے لیے ضروری اور سمجھنے کے لیے ضروری ہیں ورنہ وہ اس حدیث میں مذکور لوگوں کے نقش قدم پر چلیں گے اور اپنی زندگی کو مزید مشکل میں ڈال دیں گے۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ - 2

حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرتے وقت اعتدال اختیار کرنا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق، کسی کام میں مشقت کرنے سے بہتر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے خلاف۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 3، صفحہ 288 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنماؤں کے ذریعہ قائم کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ہی دوسرے رضاکارانہ اعمال صالحہ پر عمل

كرنا چاهيے اكر اس كے پاس ايسا كرنے كے ليے وقت اور توانائي هو۔ ليكن اكر وه جاهليت كا انتخاب كريں اور عمل كو اختيار كريں اكر چه وه هدايت كے ان دو ذرائع كو سيكهنے اور ان پر عمل كرنے كے گناه هي كيوں نه هوں۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ - 3

ایک دفعہ جب حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا تو وہ اپنا سارا وقت روحانی مشقوں میں صرف کر دیں گے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اس کی تمام پریشانیوں کا خیال رکھا جائے گا اور اسے معاف کر دیا جائے گا۔ جامع ترمذی نمبر 2457 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

جامع ترمذی کی حدیث نمبر 484 میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہو گا جس نے اس پر سب سے زیادہ درود و سلام بھیجا ہو۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا قرآن پاک میں زبانی حکم دیا گیا ہے اور بہت سی احادیث میں نصیحت کی گئی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری، نمبر 3370۔ باب : الاحزاب، آیت 56-33

بے شک اللہ نبی پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اس پر ”درود و سلام مانگو۔“

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ اگر کوئی اس پر صحیح طور پر درود و سلام بھیجنا چاہتا ہے تو اسے اس کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرتے ہوئے عمل کے ذریعے اپنے قول کی تائید کرنی چاہیے۔ وہ اپنی خواہشات کے مطابق اس کی روایات کی ترجیح کو دوبارہ ترتیب نہ دیں۔ درحقیقت یہ پہلا قدم ہے جو قرآن مجید کی ایک اور آیت، باب 3، آل عمران، آیت 31 کو پورا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور ” تمہارے گناہ بخش دے گا۔“

جب کوئی اس رویہ پر قائم رہتا ہے تو اس سے وہ اپنے دنیاوی فرائض کو نظرانداز کیے بغیر اس مادی دنیا پر آخرت کی تیاری کو ترجیح دے گا۔ یعنی یہ انہیں دکھائے گا کہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنے فرائض کو صحیح طریقے سے کیسے ادا کرنا ہے۔ اس میں فضول خرچی، اسراف یا اسراف کے بغیر ان کی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات کو پورا کرنا شامل ہے۔ اس سے ہر ایک کو ہر صورت حال میں صحیح طریقے سے تشریف لے جانے کی اجازت ملے گی چاہے وہ آسانی کے وقت ہوں یا مشکلات کے وقت مادی دنیا، اپنی خواہشات یا دوسرے لوگوں کے لیے خود کو وقف کیے بغیر۔ یہ رویہ انہیں اپنی زندگی میں ہر چیز اور ہر ایک کو ان کے صحیح مقام پر رکھنے کی اجازت دے گا، بغیر کسی چیز یا کسی شخص کے لیے خود کو نظرانداز کیے یا ضرورت سے زیادہ وقف کیے بغیر۔

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں کوئی ایسی مثال قائم نہ فرمائی ہوگی جس کی پیروی اور اختیار کرنا ممکن نہ ہو۔ باب 33 الاحزاب، آیت 21

یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم ” آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔“

ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق یہ حاصل کر سکتا ہے لیکن اس کے لیے ایک مخلصانہ کوشش کی ضرورت ہے جس کی تائید اعمال سے ہو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا صحیح مفہوم یہی ہے۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ - 4

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے تو ایک محاذ اور ایک آرزو کے ساتھ متحد ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اس کے جانے کے بعد ہی وہ دائیں بائیں منتشر ہو گئے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 634 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، وقت گزرنے کے ساتھ لوگ اکثر منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہو جاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اسی طرح کی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔“

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ - 5

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ لوگوں کو علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی تلقین کی۔ انہیں اس سے خود کو سنوارنے کے لیے اس کی تلاش نہیں کرنی چاہیے۔ انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ایک وقت ایسا بھی آسکتا ہے جب علم کو خود کو خوبصورت بنانے کے لیے استعمال کیا جائے گا جیسے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ اس پر امام ابن عبدالبر کی جامع بیان العلم والفضلہ، 2/8 میں بحث ہوئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جو شخص علمائے کرام کو دکھائے، دوسروں سے بحث کرنے یا اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے دینی علم حاصل کرتا ہے۔ نرک میں

حالانکہ دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں تمام بھلائیوں کی بنیاد علم ہے مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ علم ان کو تب ہی فائدہ دے گا جب وہ سب سے پہلے اپنی نیت درست کریں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باقی تمام وجوہات صرف اس صورت میں ثواب اور سزا کے نقصان کا باعث بنیں گی جب کوئی مسلمان سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام ہو جائے۔

حقیقت میں علم بارش کے پانی کی طرح ہے جو مختلف قسم کے درختوں پر گرتا ہے۔ کچھ درخت اس پانی سے اگتے ہیں تاکہ دوسروں کو فائدہ پہنچے جیسے کہ پھل کا درخت۔ جبکہ اس پانی سے دوسرے درخت اگتے ہیں اور دوسروں کے لیے مصیبت بن جاتے ہیں جیسے کانٹے دار درخت۔ اگرچہ بارش کا پانی دونوں صورتوں میں ایک جیسا ہے لیکن نتیجہ بہت مختلف ہے۔ اسی طرح دینی علم بھی لوگوں کے لیے یکساں ہے لیکن اگر کوئی غلط نیت اختیار کرے تو وہ ان کی تباہی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی صحیح نیت اختیار کرے تو یہ ان کی نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔

لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ تمام معاملات میں اپنی نیت درست کریں کیونکہ اس پر ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اور انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ جہنم میں داخل ہونے والے پہلے لوگوں میں سے ایک ایسا عالم ہوگا جس نے علم صرف دوسروں کو دکھانے کے لیے حاصل کیا ہو۔ صحیح مسلم نمبر 4923 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنا، صحیح نیت کے ساتھ مفید علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہی حقیقی فائدہ مند علم ہے۔

جس نے بغیر کسی معقول وجہ کے علم کو چھپایا اسے قیامت کے دن آگ کی لگام لگائی جائے گی۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2649 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مفید علم کو دوسروں تک پہنچائے۔ یہ محض بے وقوفی ہے کیونکہ یہ عمل صالح میں سے ایک ہے جو مسلمان کو مرنے کے بعد بھی فائدہ دے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 241 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ علم کا ذخیرہ کرنے والوں کو تاریخ بھلا دیتی ہے لیکن جو اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں وہ بنی نوع انسان کے عالم اور استاد کہلانے لگے۔

عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ - 1

مصر کی مہم کے دوران مسلمانوں کی فوج کے سپہ سالار عمرو رضی اللہ عنہ کی اسکندریہ کے بادشاہ سے ملاقات ہوئی۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغمبرانہ مشن کے بارے میں بتایا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دشمنوں پر فتح عطا فرمائی۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے اسلاف کی طرف بھیجا اور جب انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمائی۔ لیکن جب وہ اپنی دنیاوی خواہشات کے مطابق چلنے لگے تو انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو چھوڑ دیا۔ اس نے عمرو رضی اللہ عنہ کو خبردار کیا کہ جب تک وہ اور مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں ان کے تمام دشمنوں پر فتح عطا فرمائے گا۔ لیکن جب وہ ان تعلیمات کو ترک کر دیں گے تو پھر وہ دوسری قوموں کی طرح ہو جائیں گے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے کبھی کسی ایسے شخص سے بات نہیں کی جس نے انہیں ان سے بہتر مشورہ دیا ہو۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 3، صفحہ 681-682 میں بحث ہوئی ہے۔

وقت کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے باوجود ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ ہر مسلمان اپنے عقیدے کی مضبوطی سے قطع نظر قرآن پاک کی صداقت پر یقین رکھتا ہے کیونکہ اس سے ان کا ایمان ختم ہو جائے گا۔ درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے برتری اور کامیابی حاصل کرنے کی کنجی بتائی ہے جس سے دنیا بھر کے مسلمان اس کمزوری اور غم کو دور کر دیں گے۔ باب 3 علی عمران، آیت 139

پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔“

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو اس برتری اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے صرف سچے مومن بننے کی ضرورت ہے۔ حقیقی عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی روایات کے مطابق صبر سے کرنا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض شامل ہیں، جیسے کہ دوسروں کے لیے وہی محبت کرنا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں آئی ہے۔ تعلیمات اس رویہ کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کامیابی اور برتری حاصل ہوئی۔ اور اگر مسلمان اس کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اس راہ راست پر واپس آنا چاہیے۔ جیسا کہ مسلمان قرآن پاک پر یقین رکھتے ہیں انہیں اس سادہ تعلیم کو سمجھنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ - 2

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ ذہین کون ہے تو آپ نے جواب دیا کہ وہ شخص جو صحیح اندازہ لگاتا ہو اور جانتا ہو کہ ماضی کے واقعات سے سبق سیکھ کر کیا ہونے والا ہے۔ اس پر ابن عبد ربیع، العقد الفرید، 2/97 میں بحث ہوئی ہے۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں محتاط رہے اور اپنے دنیوی معاملات میں بہت زیادہ مشغول ہونے سے گریز کرے تاکہ وہ اپنے اردگرد ہونے والی چیزوں سے اور ان چیزوں سے غافل ہو جائے جو پہلے ہو چکی ہیں۔ یہ ایک اہم خوبی ہے کیونکہ یہ کسی کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے جس کے نتیجے میں انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مدد ملتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب کوئی مسلمان کسی بیمار کو دیکھتا ہے تو اسے نہ صرف اس کی مدد کرنی چاہیے، چاہے وہ صرف ایک دعا ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اسے اپنی صحت پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ بھی آخر کار اپنی صحت سے محروم ہو جائیں گے۔ بیماری، بڑھاپے یا موت سے بھی۔ اس سے انہیں اپنی اچھی صحت کے لیے شکر گزار ہونے کی ترغیب دینی چاہیے اور دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ان کی اچھی صحت سے فائدہ اٹھا کر اپنے عمل سے یہ ظاہر کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔

جب وہ کسی امیر کی موت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو انہیں نہ صرف میت اور اس کے گھر والوں کے لیے غمگین ہونا چاہیے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک دن وہ بھی مر جائے گا جو ان کے لیے نامعلوم ہے۔ انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح امیر کو ان کی قبر پر دولت، شہرت اور خاندان چھوڑ دیا گیا تھا، اسی طرح وہ بھی قبر میں صرف ان کے اعمال کے ساتھ رہ جائیں گے۔ اس سے انہیں اپنی قبر اور آخرت کی تیاری کا حوصلہ ملے گا۔

یہ رویہ ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیے ایک مسلمان کو اپنے اردگرد کی ہر چیز سے سبق سیکھنا چاہیے جس کی نصیحت قرآن پاک میں کی گئی ہے۔ باب 3 علی :عمران، آیت 191

اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں سوچو، "اے ہمارے رب، تو نے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا، تو بہت بلند ہے، تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔"

جو لوگ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں ان کا ایمان روزانہ کی بنیاد پر مضبوط ہوتا جائے گا جبکہ جو لوگ اپنی دنیاوی زندگی میں بہت زیادہ مشغول ہیں وہ غافل رہیں گے جو ان کی تباہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ - 3

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ ایک سچا بردبار انسان اس وقت روادار ہوتا ہے جب وہ اس کے خلاف روادار ہوں۔ اس کا تذکرہ امام ابو لیث سمرقندیؒ، تنبیح الغافلین، ص/105 میں ہو چکا ہے۔

برائی کا برائی سے جواب دینا آسان ہے۔ لیکن جو چیز ایک مسلمان کو خاص بناتی ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہیں۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس طرح برتاؤ کرنے سے کسی بھی شخص کے درجے میں کبھی کمی نہیں آئے گی۔ ورنہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح عمل نہ کرتے۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 2029 میں ایک حدیث پائی گئی ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ جب کوئی برائی کا جواب اچھائی سے دیتا ہے، جیسے کہ دوسروں کو معاف کرنا، تو اللہ تعالیٰ ان کی عزت بلند کرتا ہے۔ لہذا یہ رویہ نہ صرف دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے بلکہ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ یہ خود مسلمانوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 34

اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس [عمل] سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس " کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ اس آیت میں نصیحت کی گئی ہے کہ اگر کوئی یہ رویہ اختیار کرے گا تو وہ پائیں گے کہ جو لوگ ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے وہ آخر کار اپنے عمل پر شرمندہ ہو جائیں گے اور اپنا رویہ بدل لیں گے۔ یہاں تک کہ سخت ترین دل بھی بالآخر متاثر ہو جاتے ہیں جب اس طریقے سے علاج کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، جب شوہر اپنی بیوی سے بدتمیزی کرتا ہے تو اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ منفی جواب سے اوپر اٹھ کر اس کے بجائے اچھے انداز میں جواب دے۔ اس سے شوہر اپنی بیوی سے زیادہ عزت اور محبت کرے گا۔ جب کام پر کوئی ساتھی برے رویے کا مظاہرہ کرتا ہے تو اسے اچھے اخلاق سے جواب دے کر ایک سچے مسلمان کی خوبی دکھانا بہتر ہے۔ جب کوئی اس طرح کا برتاؤ کرے گا تو اس کے آس پاس کے

لوگ ان کا احترام اور پیار کریں گے جس کی وجہ سے ان کی زندگی آسان ہو جائے گی۔ لیکن جب کوئی شخص برائی کا جواب برائی سے دیتا ہے تو اسے ہمیشہ دوسروں کی طرف سے مزید برائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس سے دونوں جہانوں میں اس کی زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ جب دوسرے حد سے تجاوز کرتے ہیں تو پھر کسی کو اپنا دفاع کرنا چاہئے اور اس شخص سے الگ ہونا چاہئے۔ لیکن اکثر صورتوں میں برے کردار کا جواب اچھے کردار سے دینا چاہیے۔

عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ - 4

ساتویں سال کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو دھت سلسل کی فوجی مہم کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سمیت بہت سے دوسرے بزرگ صحابہ کو عام سپاہیوں کی طرح اس مہم میں شامل ہونے کا حکم دیا گیا۔ ایک سرد رات میں عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ آگ نہ جلائیں کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ دشمن انہیں دیکھ لے۔ اس کے نتیجے میں دشمن کا غیر متوقع حملہ ہو سکتا تھا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے آپ کے حکم کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھا اور آپ سے ناراض ہو گئے، جیسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں پرسکون کیا اور انہیں یاد دلایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو رضی اللہ عنہ کو ان کا رہنما مقرر کیا ہے کیونکہ وہ جنگ کے بارے میں جانتے تھے۔ امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 136-137 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے قائد کے ساتھ اخلاص کا مظاہرہ کیا۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء
آیت: 59

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو " ...تم میں سے حاکم ہیں

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔

عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ - 5

خلیفہ عمر بن خطاب نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی طرف بھیجنے کا فیصلہ کیا جس پر رومیوں کا کنٹرول تھا۔ جب اس نے اس کے ایک شہر الفارمہ کو فتح کیا تو اس نے اپنے سپاہیوں کو یاد دلایا کہ مصر کے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ امن کے دستے ہیں اور انہیں زمین میں فساد نہیں کرنا چاہیے۔ بجائے اس کے کہ وہ اس کے معاملات کو درست کریں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے بہترین نمونہ پیش کریں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 312-313 میں بحث کی گئی ہے۔

بدعنوانی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی شخص اپنے پاس موجود نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے، خاص طور پر اپنے سماجی اثر و رسوخ کو، دنیاوی چیزوں جیسے طاقت اور دولت حاصل کرنے کے لیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے تئیں ایک مسلمان کے فرائض کو متاثر کرتا ہے اور لوگوں کے خلاف بہت سے گناہوں کا باعث بنتا ہے، جیسے کہ ظلم۔

جب عوام ایک دوسرے ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ سنن ابن ماجہ نمبر 4019 میں موجود کو مالی طور پر دھوکہ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر جابر سردار مقرر کر کے انہیں عذاب دیتا ہے۔ اس ظلم کا ایک پہلو بدعنوانی ہے جس کی وجہ سے عام لوگوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اسی حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب عام لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے عہد کو توڑ دیں گے تو ان پر ان کے دشمن غالب آجائیں گے جو ان کے مال و جائیداد کو ناجائز طور پر چھین لیں گے۔ ایک بار پھر، یہ بدعنوانی کا ایک پہلو ہے جہاں اثر و رسوخ رکھنے والے لوگ، جیسے کہ سرکاری اہلکار، نتائج کے خوف کے بغیر دوسروں کا سامان آزادانہ طور پر لے جاتے ہیں۔ جب عام لوگ کرپٹ ہو جاتے ہیں تو ان کے لیڈر اور دوسرے بااثر سماجی عہدوں پر فائز افراد بھی اسی طرح کام کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جس پر یقین رکھتے ہوئے عام لوگ اس طرز عمل کو قبول کرتے ہیں۔ اس سے قومی سطح پر کرپشن بڑھ رہی ہے۔ لیکن اگر عام لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور بدعنوانی کے ذریعے دوسروں کے ساتھ بدسلوکی سے گریز کرتے ہیں تو ان کے قائدین اور بااثر سماجی عہدوں پر فائز افراد بدعنوانی کی جرأت نہیں کریں گے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ عام عوام اس کی حمایت نہیں کریں گے۔ اور اس سے پہلے نقل کی گئی

حدیث کے مطابق اگر عام لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں تو وہ ان لوگوں کو بااثر عہدوں پر تعینات کر کے بدعنوان اہلکاروں سے بچائے گا جو اپنے معاملات میں انصاف کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو دنیا میں پھیلی بدعنوانی کے لیے دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانے کی نادانی کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے صحیح معنوں میں اپنے طرز عمل پر غور کرنا چاہیے اور اگر ضروری ہو تو اپنا رویہ درست کرنا چاہیے۔ ورنہ معاشرے میں کرپشن وقت کے ساتھ ساتھ بڑھے گی۔ کسی کو یہ یقین نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ایک بااثر سماجی حیثیت میں نہیں ہیں ان کا معاشرے میں ہونے والی بدعنوانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ جیسا کہ اس بحث سے ثابت ہے کہ بدعنوانی عام لوگوں کے منفی رویے کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس لیے اسے عام لوگوں کے اچھے رویے سے ہی دور کیا جا سکتا ہے۔ باب 13 الرعد، آیت 11

بے شک اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے اندر کی حالت نہ بدلیں۔“

عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ - 6

مصر کی مہم کے دوران، بلبیس کی فتح مصر کے حکمران کی بیٹی کی گرفتاری کا باعث بنی۔ مسلم جرنیل عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے سپاہیوں کو نیکی کا بدلہ نیکی کے ساتھ دینے کا اسلامی اصول یاد دلایا: باب 55 الرحمن، آیت 60

"کیا نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ ہے؟"

پھر انہیں یاد دلایا کہ مصر کے حاکم نے کئی سال پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہدیہ بھیجا تھا اور وہ اس احسان کا بدلہ ان کے پاس اپنی بیٹی اور ان تمام لوگوں کو بھیج کر دیں جو ان کے ساتھ پکڑے گئے تھے اور مال و دولت۔ جو اس کے ساتھ بھی پکڑا گیا تھا۔ وہ اس پر راضی ہو گئے اور اس کے والد مسلمانوں کے طرز عمل سے خوش ہوئے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 314-316 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1954 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے، لیکن لوگوں کا شکر ادا کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی شخص کو دوسروں کی مدد کے لیے استعمال کرتا ہے جیسے کہ اس کے والدین۔ جیسا کہ اسباب اللہ تعالیٰ نے بنائے اور استعمال کیے، ان کا شکر ادا کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ لہذا، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے کردار کا مظاہرہ کریں اور دوسروں کی طرف سے ملنے والی کسی بھی امداد یا حمایت کے لیے ہمیشہ قدردانی کا مظاہرہ کریں، چاہے اس کا

حجم کچھ بھی ہو۔ انہیں چاہیے کہ نعمتوں کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کیونکہ وہ نعمت کا سرچشمہ ہے اور اس شخص کا شکر ادا کریں کیونکہ یہ وہ وسیلہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق اور منتخب کیا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ زبانی طور پر لوگوں کا شکر ادا کرے اور عملی طور پر ان کے احسان کا بدلہ ان کی وسعت کے مطابق ادا کرے خواہ یہ ان کی طرف سے صرف دعا ہی کیوں نہ ہو۔ امام بخاری کی کتاب ادب المفرد نمبر میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ 216

جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ادا نہیں کر سکتا، اس لیے اسے نعمتوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ "کروں گا۔"

اگر کوئی مسلمان نعمتوں میں اضافے کا خواہاں ہے تو اسے شکر گزاری کے دونوں پہلوؤں کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کا۔

عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ - 7

مصر کو فتح کرنے کے بعد اور الفستط میں جمعہ کے پہلے خطبہ کے دوران، عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو مقامی لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تلقین کی جیسا کہ ان کے ساتھ صلح کا معاہدہ تھا اور وہ ان سے شادی کے ذریعے جڑے ہوئے تھے۔) ان کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی معرفت جو مصری تھیں۔) اس نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ان کو نقصان پہنچانے سے باز رہیں اور اپنی نظریں نیچی کر کے اپنی عورتوں کا زیادہ احترام کریں۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 2، صفحہ 342 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ ایک سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کے زبانی اور جسمانی گناہ شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین نصیحت نہ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ یہ دوسروں کے ساتھ اخلاص کے خلاف ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا بھی شامل ہے۔ ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ ہر اس شخص سے حساب لیا جائے گا جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپ دی جائے تو اسے یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے، چاہے وہ ایک ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ درخت جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سپورٹ کرے کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو قیامت کے دن کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ - 1

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ خبردار کیا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں تفرقہ ڈالنے والے سے نفرت کرتا ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 769 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4860 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو دوسروں کے بارے میں منفی بات کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس سے لوگوں کے دلوں میں ان کے بارے میں برے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ خاندان خاص طور پر ایشیائی کمیونٹی سے، وقت کے ساتھ ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہ ایک سب سے بڑی شکایات ہے جو خاندان کے ممبران، جیسے والدین کو اکثر ہوتی ہے۔ وہ حیران ہیں کہ ان کے بچے کیوں الگ ہو گئے ہیں حالانکہ وہ کبھی مضبوطی سے ایک ساتھ تھے۔

رشتہ داروں کے درمیان تعلقات کے ٹوٹنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ کسی نے ان کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہے۔ یہ اکثر خاندان کے کسی فرد کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک ماں اپنے دوسرے بچے سے اپنے بیٹے کے بارے میں منفی بات کرے گی۔ یہ دونوں رشتہ داروں کے درمیان دشمنی کا باعث بنتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ دونوں کے درمیان دراڑ پیدا کر دیتا ہے۔ جو کبھی ایک شخص کی طرح تھے وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ بہت کم لوگوں کے علاوہ، جب کسی شخص سے کسی دوسرے کے بارے میں کوئی منفی بات کہی جائے تو وہ اس سے متاثر ہو جائیں گے،

خواہ وہ یہ نہ چاہتے ہوں۔ یہ دشمنی تب بھی ہوتی ہے جب کہ ابتدائی شخص جس نے کسی کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہو وہ رشتہ داروں کے درمیان پچر پیدا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ کچھ اکثر عادت سے ہٹ کر اس طرح کام کرتے ہیں اور تعلقات کو خراب کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اکثر یہ عادت اپناتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے بچوں کے رشتے ٹوٹنے یا ٹوٹنے کی خواہش نہیں رکھتے۔

یہ رویہ لوگوں کی ذہنیت پر اتنا گہرا اثر ڈالتا ہے کہ اس سے ان رشتہ داروں پر بھی اثر پڑتا ہے جو ایک دوسرے کو بہت کم دیکھتے یا بات کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک شخص کسی شخص کے رشتہ دار کے بارے میں منفی باتوں کا ذکر کرے گا حالانکہ اس کا رشتہ دار بھی ان جیسے ملک میں نہیں رہتا۔ یہ رویہ ان کے دل میں دشمنی کو پیوست کر دیتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ یہ محسوس کریں گے کہ وہ اپنے دور کے رشتہ دار کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ وہ انہیں بمشکل جانتے ہیں۔

یہ مسئلہ اکثر اس وقت ہوتا ہے جب دو افراد دوسرے لوگوں کے سامنے دوسروں کے بارے میں منفی باتوں پر بحث کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اپنے بچوں کے سامنے اپنے رشتہ داروں کے بارے میں منفی باتیں کر سکتے ہیں۔ اگرچہ، وہ اپنے بچوں کو براہ راست کچھ نہیں بتا رہے ہیں، یہ اب بھی ان کے دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے واقعی غور کرے تو وہ سمجھ جائے گا کہ دوسروں کے تئیں ان کے بیمار جذبات کی اکثریت اس شخص کے کیے یا ان سے براہ راست کہنے کی وجہ سے نہیں تھی۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ کسی تیسرے فریق کی وجہ سے ہوا ہے جس نے ان سے اس شخص کے بارے میں کسی منفی بات کا ذکر کیا۔

ایسی صورتوں میں جہاں کوئی دوسرے کو کسی خطرے سے خبردار کرنے کی کوشش کر رہا ہو تو کسی دوسرے شخص کا منفی انداز میں ذکر کرنا بالکل قابل قبول ہے۔ اگر کوئی دوسرے کو سبق سکھانے کی کوشش کر رہا ہے مثلاً اگر کوئی ماں اپنے بچوں میں سے کسی کو یہ سکھانا چاہتی ہے کہ وہ اپنے بہن بھائیوں کی طرح برتاؤ نہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں۔ شخص کا نام لیے بغیر منفی بات کا ذکر کریں۔ اس خوبصورت ذہنیت کی ایک مثال صحیح بخاری نمبر 6979 میں موجود حدیث میں موجود ہے۔ کسی شخص کا نام لیے بغیر کسی منفی بات کا ذکر کرنا کسی کو سبق سکھانے کے لیے کافی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کو اپنے رشتہ داروں یا دوسروں کے بارے میں، نجی یا عوامی طور پر منفی بات کرنے سے پہلے گہرائی سے غور کرنا چاہیے۔ بصورت دیگر، وہ اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں جیسے جیسے وقت گزرتا ہے ان کا خاندان الگ ہو جاتا ہے اور جذباتی طور پر ایک دوسرے سے دور ہو جاتا ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ - 2

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ خبردار کیا کہ اللہ تعالیٰ فساد پھیلانے والے سے نفرت کرتا ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 769 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کی نشانی یہ ہے کہ انسان معاشرے میں فساد پھیلاتا ہے۔ یہ منفی خصوصیت خاندانی اکائی سے شروع ہو کر بین الاقوامی سطح پر ختم ہونے والی تمام سماجی سطحوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس قسم کے لوگ لوگوں کو اچھائی پر متحد ہوتے دیکھنا ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اس سے دوسروں کی دنیاوی حیثیت ان کے اپنے سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ انہیں غیبت اور غیبت کی طرف لے جاتا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں۔ ان کا برا رویہ ان کے اپنے رشتے داروں کو تباہ کر دیتا ہے اور جب وہ دوسرے خاندانوں کو دیکھتے ہیں جو خوش ہوتے ہیں تو یہ انہیں ان کی خوشیوں کو بھی تباہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ فالٹ فائنڈر ہیں جو اپنا وقت دوسروں کی غلطیوں کی نقاب کشائی کرنے کے لیے وقف کرتے ہیں تاکہ ان کی سماجی حیثیت کو نیچے لے جا سکیں۔ وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے دوسروں کے بارے میں گپ شپ شروع کی اور جب بھی اچھی بات کی جائے تو بہرے کام کرتے ہیں۔ امن اور سکون انہیں پریشان کرتا ہے لہذا وہ اپنے آپ کو تفریح کرنے کے لئے مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود حدیث کو یاد کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا۔ لیکن جو شخص دوسروں کے عیب تلاش کرتا ہے اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ تو درحقیقت، اس قسم کے افراد معاشرے کے سامنے صرف اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوسروں کے عیبوں کو بے نقاب کر رہے ہیں۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ - 3

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ ایک تدبیر کرنے والا اس گڑھے میں گر جائے گا جسے وہ کسی دوسرے کے لیے کھودتے ہیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، بلیۃ الاولیاء، نمبر 770 میں بحث کی گئی ہے۔

کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح، ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب: یوسف، آیت 12 18

اور وہ اس کی قمیض پر جھوٹا خون لے آئے۔ [یعقوب] نے کہا، "بلکہ تمہاری روحوں نے تمہیں "کسی چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔"

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43

لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے... "راستے [یعنی تقدیر کے] سوا انتظار کرتے ہیں؟

سالم مولا ابو حذيفه رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ نصیحت فرمائی کہ سالم مولا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے ہیں۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 397 میں بحث کی گئی ہے۔

سچی محبت میں خلوص شامل ہوتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک 1 عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البینہ، آیت 5۔

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص "ہو کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

سالم مولا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ - 2

خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ تبصرہ کیا کہ اگر ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سالم اس وقت زندہ ہوتے تو وہ انہیں اگلا خلیفہ مقرر کرتے۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 141 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ سمجھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی شرافت کسی کے ایمان کی مضبوطی میں مضمحل ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ”
ہے۔“

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل،
نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

مزید برآں، اگر کسی مسلمان کو اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی
حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش
قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی
نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ
طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ
سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ
تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا
اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ - 1

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کسی کو سردیوں کے دنوں میں نفلی روزے رکھنے کی نصیحت کی اور اسے غنیمت قرار دیا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 1040 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن نسائی نمبر 2219 میں موجود الہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ تمام اعمال صالحہ جو لوگ انجام دیتے ہیں وہ ان کے لیے ہیں سوائے روزے کے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اسے براہ راست انعام دیں۔

یہ حدیث روزے کی انفرادیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے اس انداز میں بیان ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ باقی تمام اعمال صالحہ لوگوں کو نظر آتے ہیں، جیسے نماز، یا وہ لوگوں کے درمیان ہیں، جیسے خفیہ صدقہ۔ جبکہ، روزہ ایک منفرد نیک عمل ہے کیونکہ دوسرے یہ نہیں جان سکتے کہ کوئی شخص صرف روزہ رکھنے سے روزہ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ، روزہ ایک نیک عمل ہے جو اپنے آپ کے ہر پہلو پر قفل لگاتا ہے۔ یعنی جو شخص صحیح طریقے سے روزہ رکھتا ہے اسے زبانی اور جسمانی گناہوں سے روک دیا جائے گا جیسے کہ حرام چیزوں کو دیکھنا اور سننا۔ یہ بھی نماز کے ذریعے حاصل ہوتا ہے لیکن نماز صرف تھوڑی دیر کے لیے ادا کی جاتی ہے اور دوسروں کو دکھائی دیتی ہے جبکہ روزہ دن بھر ہوتا ہے اور دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45

“...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے”

مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص بغیر کسی جواز کے فرض روزے پورے نہیں کرتا وہ مومن نہیں ہو گا کیونکہ دونوں کا براہ راست تعلق ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 183

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے " گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 723 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر کوئی مسلمان ایک فرض روزہ بغیر کسی شرعی عذر کے پورا نہ کرے تو اس کی قضا نہیں ہو سکتی۔ ثواب اور برکت ضائع ہو جاتی ہے خواہ وہ ساری زندگی روزے رکھے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ اس آیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزہ صحیح طریقے سے تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ یعنی صرف دن کو بھوکا رہنے سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا بلکہ روزے کی حالت میں گناہوں سے بچنے اور اعمال صالحہ کی طرف زیادہ توجہ دینے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 707 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے پرہیز نہ کرے تو روزہ اہم نہیں ہوگا۔ اسی طرح کی ایک حدیث سنن ابن ماجہ نمبر 1690 میں ہے کہ بعض روزہ داروں کو بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جب کوئی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ ہوشیار اور محتاط ہو جاتا ہے، جب کہ وہ روزے کی حالت میں ہوتے ہیں، یہ عادت بالآخر ان پر اثر انداز ہوتی ہے، اس لیے وہ روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اسی طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ دراصل حقیقی تقویٰ ہے۔

اس آیت میں جس نیکی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اس کا تعلق روزے سے ہے کیونکہ روزہ انسان کی بری خواہشات اور شہوتوں کو کم کرتا ہے۔ یہ غرور اور گناہوں کی ترغیب سے روکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ پیٹ کی بھوک اور نفسانی خواہشات کو روکتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں

بہت سے گناہوں کو جنم دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں چیزوں کی خواہش دیگر حرام چیزوں کی خواہش سے زیادہ ہے۔ پس جو شخص روزے کے ذریعے ان پر قابو پالے گا اس کے لیے کمزور خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔ یہ حقیقی راستبازی کی طرف جاتا ہے۔

جیسا کہ مختصراً پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزے کے مختلف درجات ہیں۔ روزہ کا پہلا اور ادنیٰ درجہ وہ ہے جب کوئی ایسی چیزوں سے پرہیز کرے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے کہ کھانا۔ اگلا درجہ گناہوں سے پرہیز کرنا ہے جو روزہ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور اس کے روزے کے ثواب کو کم کر دیتے ہیں، جیسے جھوٹ بولنا۔ سنن نسائی نمبر 2235 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ روزہ جس میں جسم کے ہر عضو کو شامل کیا جائے اگلا درجہ ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب جسم کا ہر عضو گناہوں سے بچتا ہے، مثلاً آنکھ حرام کو دیکھنے سے، کان حرام کو سننے سے، وغیرہ۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اس طرح کا برتاؤ کرے۔ آخر میں روزہ کا اعلیٰ درجہ ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مربوط نہیں ہیں۔

ایک مسلمان کو باطنی طور پر بھی روزہ رکھنا چاہئے جیسا کہ ان کا جسم گناہ یا لغو خیالات سے پرہیز کرتے ہوئے ظاہری طور پر روزہ رکھتا ہے۔ انہیں اپنی خواہشات کے حوالے سے اپنے منصوبوں پر قائم رہنے سے روزہ رکھنا چاہئے اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر توجہ دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ، انہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو باطنی طور پر چیلنج کرنے سے روزہ رکھنا چاہیے، اور اس کے بجائے تقدیر کے علاوہ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے، وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین انتخاب کرتا ہے، چاہے وہ ان انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے روزے کو پوشیدہ رکھ کر اور دوسروں کو مطلع نہ کر کے سب سے زیادہ ثواب حاصل کرنا چاہیے اگر یہ گریز کیا جا سکتا ہے کیونکہ غیر ضروری طور پر دوسروں کو بتانے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دکھاوے کا ایک پہلو ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ - 2

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ بیان کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا اور دن میں بارہ ہزار بار توبہ کی۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہر مومن اپنی مذہبی وابستگی کے پیمانے پر ایسا کرتا ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 1043 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 3540 میں موجود ایک الہامی حدیث اللہ تعالیٰ کی بخشش کی اہمیت اور وسعت کی تلقین کرتی ہے۔ حدیث کا پہلا حصہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ جب تک کوئی مسلمان سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اس کی رحمت پر امید رکھتا ہے تو وہ اسے بخش دیتا ہے۔

یہ جواب درحقیقت قرآن پاک میں تمام جائز دعاؤں کی ضمانت دی گئی ہے نہ صرف استغفار کے لیے۔ باب 40 غافر، آیت 60

”اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔“

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کا تذکرہ فرمایا اور اعلان فرمایا کہ دعا عبادت کے معنی ایک نیک عمل ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 1479 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3604 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ہر دعا مختلف طریقوں سے قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ حلال ہو۔ اس شخص کو یا تو وہ عطا کر دیا جاتا ہے جو اس نے مانگی تھی یا آخرت میں ان کے لیے اجر محفوظ کر دیا جائے گا یا اس کے برابر گناہ معاف کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ مثبت جواب حاصل کرنے کے لیے ایک مسلمان کو دعا کی شرائط اور آداب کو پورا کرنا چاہیے۔

ایک مسلمان جو سب سے بڑی دعا مانگ سکتا ہے وہ استغفار ہے کیونکہ یہ نعمتیں حاصل کرنے، دنیا کی مشکلات سے بچنے اور جنت حاصل کرنے اور اگلی دنیا میں جہنم سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ باب 71 نوح، آیات 10-12

اور کہا اپنے رب سے معافی مانگو۔ بے شک وہ ہمیشہ کے لیے معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے بارش برسائے گا۔ اور تمہیں مال اور اولاد میں اضافہ کرے گا اور تمہارے لیے باغات "مہیا کرے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کرے گا۔

جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت کی امید رکھنا، جب دعا مانگنا استغفار کی شرط ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی اپنی رائے کے مطابق عمل کرتا ہے جس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک آسمانی حدیث سے ہوئی ہے۔

بخشش کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ جب ایک مسلمان صرف اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے کہ وہ انہیں مکمل طور پر معاف کر دے گا، یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انہیں معاف یا عذاب سے بچانے والا نہیں ہے۔

اس کے بعد جو اہم حدیث زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ انسان کتنے ہی گناہوں کا ارتکاب کر لے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش اس سے زیادہ ہے۔ درحقیقت یہ لامحدود ہے اس لیے انسان کے محدود گناہ کبھی بھی اس پر قابو نہیں پا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ جس چیز کے لیے دعا کرتے ہیں اس کی بڑائی کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز اتنی بڑی نہیں ہے کہ وہ عطا کرے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6812 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث کا اگلا حصہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے استغفار کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کا تذکرہ بہت سی آیات اور دیگر احادیث میں آیا ہے۔ استغفار کا یہ عمل مخلصانہ توبہ کا حصہ ہے۔ یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ استغفار کرنا زبان کا عمل ہے جبکہ باقی سچی توبہ میں اعمال کے ذریعے گناہ سے منہ موڑنا شامل ہے۔ اس میں حقیقی پشیمانی کا احساس، دوبارہ گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرنا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی بھی شامل ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک ہی گناہ پر اڑے نہ رہنا توبہ کے قبول ہونے کی شرط ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 135

اور وہ لوگ جو جب کوئی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہیں یا اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو " یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے؟ - اور [جو] اپنے کیے پر اڑے نہیں رہتے جبکہ وہ جانتے ہیں

ایک مسلمان کے لیے استغفار میں ثابت قدم رہنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ یہ ہر پریشانی سے نجات، ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ اور ایسی جگہوں سے مدد کا باعث بنتا ہے جہاں سے کسی کی توقع نہ ہو۔ سنن ابوداؤد نمبر 1518 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اگلی بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ بخشش کا سب سے بڑا سبب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی دو قسمیں ہیں: بڑا شرک اور چھوٹا شرک۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے یا اس کے علاوہ معمولی ورژن یہ ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی خاطر کام کرتا ہے، جیسے دکھاوا کرنا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ درحقیقت لوگوں کی بھلائی کے لیے کام کرنے والے کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بتائے گا کہ وہ ان لوگوں سے ان کا اجر طلب کرے گا جن کے لیے انہوں نے عمل کیا ہے۔ جو کہ ممکن نہیں ہو گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جو شخص اس طرح عمل کرے گا وہ آخر کار اس دنیا میں بے نقاب ہو جائے گا اور وہ دوسروں کے ساتھ کتنا ہی اچھا سلوک کرے اسے کبھی ان کی حقیقی محبت یا عزت نہیں ملے گی۔ ان کی بری نیت کی وجہ سے۔ صحیح مسلم نمبر 6705 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

جب کسی کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا احساس ہوتا ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے سوچتے ہیں، عمل کرتے ہیں اور بولتے ہیں، اس کے خوف اور محبت سے۔ یہ طرز عمل گناہوں کے ارتکاب کے امکانات کو کم کرتا ہے اور جو بھی گناہ سرزد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3797 میں موجود ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تمام برائیوں کو دور کر دیتا ہے۔

یہی طرز عمل تمام مسلمانوں کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر پر صبر کرنا ہے۔

عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ - 1

ایک مرتبہ مکہ کے ایک انتہائی معزز غیر مسلم رہنما حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کر رہے تھے۔ مؤخر الذکر اسے اسلام قبول کرنے پر راضی کرنے کے لئے بے چین تھا کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کا پورا قبیلہ بھی اس کی پیروی کرے گا۔ ان کی گفتگو کے دوران ایک نابینا اور غریب صحابی ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے انجانے میں ان کی گفتگو میں خلل ڈالا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خواہش کی کہ وہ انہیں اسلام کی مزید تعلیم دیں۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلم پیشوا کے ساتھ اپنی گفتگو کو منقطع کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا، اس نے وقتی طور پر غریب صحابی رضی اللہ عنہ سے منہ موڑ لیا، اور آپ کو جواب نہیں دیا۔ امید ہے کہ وہ صورتحال کی اہمیت کو سمجھیں گے اور بعد میں واپس آئیں گے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے باب 80 عبسہ، آیات 1-10 نازل فرمائی:

کیونکہ وہ - اس نے [یعنی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے] منہ پھیر لیا اور منہ پھیر لیا “ اندھا اس کے پاس آیا۔ لیکن تمہیں کیا معلوم کہ شاید وہ پاک ہو جائے۔ یا نصیحت کی جائے اور نصیحت اس کو نفع دے گی؟ جہاں تک وہ جو اپنے آپ کو بلا ضرورت سوچتا ہے۔ آپ اس کی طرف توجہ دیں۔ اور تم پر کوئی الزام نہیں اگر وہ پاک نہ ہو۔ لیکن وہ جو آپ کے پاس [علم کے لیے] کوشش کرتے ہوئے آیا۔ جبکہ وہ [اللہ سے] ڈرتا ہے۔ اُس سے تم غافل ہو رہے ہو۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 36 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ” پرہیزگار ہے۔“

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

مزید برآں، اگر کسی مسلمان کو اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ - 2

جب بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے تشریف لے جاتے تو آپ نے واپس آنے تک ہمیشہ کسی معتبر کو اس کے امور کا نگران مقرر فرمایا۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال آپ بحران نامی جگہ کی مہم کے لیے روانہ ہوئے اور ایک نابینا اور غریب صحابی ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ اس کے ساتھ مدینہ کا انچارج۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 2 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ”پرہیزگار ہے“۔

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

مزید برآں، اگر کسی مسلمان کو اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ - 1

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال آپ نے ایک غزوہ روانہ کیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے واپس آ رہے تھے تو ان کے ایک گروہ نے اپنی پیاس بجھانے کے لیے ایک کنویں کو گھیر لیا۔ کنویں کے آس پاس کا علاقہ بھرا ہوا تھا تو دو صحابہ رضی اللہ عنہما میں معمولی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اس موقع سے یہ دعویٰ کر کے مزید خلل ڈالا کہ مکہ کے مہاجرین صرف ان کے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ اس نے مکہ کے مہاجرین کو مدینہ منورہ جانے کی اجازت دینے پر دوسرے منافقین پر تنقید شروع کر دی۔ ایک بچے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی برائی کی باتیں سن کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی۔ عبداللہ بن ابی کو بلایا گیا لیکن انہوں نے بڑی قسمیں کھائیں کہ میں نے یہ الفاظ کبھی نہیں کہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 213-214 میں بحث کی گئی ہے۔

دو طرفہ ہونا منافقت کی نشانی ہے۔ یہ وہ ہے جو لوگوں کے مختلف گروہوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے طرز عمل میں تبدیلی لاتا ہے اور اس سے کچھ دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ بہت سی مختلف زبانوں سے بولتے ہیں جو مختلف لوگوں کو اپنی حمایت ظاہر کرتے ہوئے ان کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے ساتھ مخلص نہیں ہیں جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کریں تو آخرت میں اپنے آپ کو آگ کی دو زبانوں سے پائیں گے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4873 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 14

جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے برے ساتھیوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محض مذاق کر رہے تھے۔

صفوان بن المطلع رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بنو کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ المصطلق۔ آپ کی اہلیہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس نے پھر اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک وہ اسے نہ ملا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی ہوئی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن المطلع رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے نادانستہ طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ جب مدینہ میں تہمت کے اثرات شدت اختیار کر گئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان کو شفقت سے یاد دلایا کہ جو شخص سچے دل سے توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ جیسے ہی عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ الفاظ سنے تو فوراً رونا بند کر دیا۔ وہ اپنے والدین کا انتظار کرتی رہی کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اپنا دفاع کریں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور احترام کی وجہ سے وہ خاموش رہے۔ اس کے بعد اس نے براہ راست حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دیتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ وہ کبھی بھی ایسا کرنے کا اقرار نہیں کرے گی جو اس نے نہیں کیا تھا اور اس کا واحد راستہ یہ تھا کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح صبر کرے۔ اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات پر صبر کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے، حتیٰ کہ اپنی نشست سے اٹھنے کا موقع بھی ملا، اللہ تعالیٰ نے وہ آیات نازل فرمائیں، جن میں عائشہ رضی اللہ عنہا کو بری اور بہت زیادہ عزت دی گئی، اور ان پر سخت تنقید کی۔ شروع کیا اور اس کے خلاف بہتان میں حصہ لیا۔ باب 24 النور، آیات 11-26:

بے شک جو لوگ باطل لے کر آئے ہیں وہ تم میں سے ایک گروہ ہیں۔ اسے اپنے لیے برا مت ” سمجھو۔ بلکہ یہ آپ کے لیے اچھا ہے... وہ [اچھے لوگ] جو کچھ کہتے ہیں اس سے بے گناہ “قرار دیا جاتا ہے۔ ان کے لیے بخشش اور عزت والا رزق ہے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 220 میں بحث کی گئی ہے۔

مسند احمد نمبر 2803 میں ایک حدیث ہے کہ ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کرنا اجر عظیم کا باعث ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا [یعنی حد]۔..."

ایمان کے تین پہلوؤں کی تکمیل کے لیے صبر ایک کلیدی عنصر ہے: اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا سامنا کرنا۔ لیکن صبر سے زیادہ اعلیٰ اور زیادہ ثواب کا درجہ قناعت ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب ایک مسلمان گہرا یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے اور اس لیے وہ اس کے انتخاب کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ایک صابر مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ جس چیز نے ان پر اثر ڈالا، مثلاً ایک مشکل، اس سے بچا نہیں جا سکتا تھا خواہ ساری مخلوق ان کی مدد کرے۔ اسی طرح جو کچھ بھی ان سے چھوٹ گیا

وہ ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ جو شخص اس حقیقت کو صحیح معنوں میں قبول کر لیتا ہے وہ اس چیز پر فخر اور فخر نہیں کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مختص کیا ہے۔ اور نہ ہی وہ کسی ایسی چیز پر غمگین ہوں گے جس کو حاصل کرنے میں وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے میں ناکام رہے، اس نے وہ چیز ان کے لیے مختص نہیں کی اور نہ ہی کوئی چیز اس حقیقت کو بدل سکتی ہے۔ باب 57 الحديد، آیات 22-23

کوئی آفت زمین پر یا تمہارے درمیان نہیں آتی مگر یہ کہ ہم اسے وجود میں لانے سے پہلے " ایک رجسٹر میں موجود ہوتے ہیں، بے شک یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ تاکہ تم اس چیز پر مایوس نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس پر فخر نہ کرو۔

اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 79 کی ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ جب کوئی چیز واقع ہو تو مسلمان کو یقین رکھنا چاہیے کہ وہ مقدر تھی اور کوئی چیز اس کا نتیجہ نہیں بدل سکتی تھی۔ اور ایک مسلمان کو یہ خیال کرتے ہوئے پچھتاوا نہیں ہونا چاہیے کہ اگر وہ کسی نہ کسی طرح مختلف طریقے سے برتاؤ کرتے تو وہ نتائج کو روک سکتے تھے کیونکہ یہ رویہ صرف شیطان کو بے صبری اور تقدیر کے بارے میں شکایت کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ایک صابر مسلمان صحیح معنوں میں یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی منتخب کیا ہے وہ ان کے لیے بہترین ہے خواہ وہ اس کے پیچھے موجود حکمت کو نہ دیکھیں۔ صبر کرنے والا اپنے حالات میں تبدیلی کا خواہاں ہوتا ہے اور اس کے لیے دعا بھی کرتا ہے لیکن جو کچھ ہوا اس کی شکایت نہیں کرتا۔ ثابت قدم رہنا ایک مسلمان کو بڑے درجے پر لے جا سکتا ہے یعنی قناعت۔

قناعت کرنے والا حالات میں تبدیلی کی خواہش نہیں رکھتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ان کی پسند سے بہتر ہے۔ یہ مسلمان صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود حدیث پر پختہ یقین رکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ یہ مشورہ دیتا ہے کہ مومن کے لیے ہر حالت بہترین ہے۔ اگر انہیں کوئی مسئلہ درپیش ہو تو انہیں صبر کا مظاہرہ کرنا چاہئے جس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر وہ آسانی کے وقت کا تجربہ کرتے ہیں تو انہیں شکر ادا کرنا چاہئے جو برکتوں کا باعث بنتا ہے

یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو آزماتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ اگر وہ صبر کا مظاہرہ کریں گے تو انہیں اجر ملے گا لیکن اگر وہ ناراض ہیں تو یہ ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی کا ثبوت ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2396 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ایک مسلمان کو آسانی اور مشکل دونوں وقتوں میں صبر کرنا چاہیے یا اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور فیصلے پر راضی رہنا چاہیے۔ اس سے کسی کی پریشانی میں کمی آئے گی اور اسے دونوں جہانوں میں بہت سی نعمتیں ملیں گی۔ جبکہ، بے صبری صرف اس انعام کو ختم کر دے گی جو وہ حاصل کر سکتے تھے۔ کسی بھی صورت میں ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ صورت حال سے گزرے گا، لیکن یہ ان کا اختیار ہے کہ وہ اجر چاہتے ہیں یا نہیں۔

ایک مسلمان اس وقت تک مکمل قناعت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ مشکل اور آسانی کے وقت اس کا رویہ برابر نہ ہو۔ ایک سچا بندہ فیصلہ کے لیے مالک یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس کیسے جا سکتا ہے اور پھر ناخوش کیسے ہو سکتا ہے جب انتخاب ان کی خواہش کے مطابق نہ ہو۔ اس بات کا ایک حقیقی امکان ہے کہ اگر کسی شخص کو وہ حاصل ہو جائے جس کی وہ خواہش کرتا ہے تو وہ اسے تباہ کر دے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ایک مسلمان کو کنارے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ یعنی جب حکم الہی ان کی خواہشات کے مطابق ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ غضب ناک ہو جاتے ہیں گویا وہ اللہ تعالیٰ سے بہتر جانتے ہیں۔ باب 22 الحج، آیت 11

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو " جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہیے جیسا کہ وہ کسی قابل اعتماد ڈاکٹر کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان ڈاکٹر کی تجویز کردہ کڑوی دوا لینے کی شکایت نہیں کرے گا یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے اسے یہ جانتے ہوئے کہ دنیا میں ان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسے قبول کرنا چاہیے۔ درحقیقت ایک سمجھدار شخص کڑوی دوا کے لیے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرے گا اور اسی طرح ایک ذہین مسلمان کسی بھی صورت حال کا سامنا کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کی بہت سی آیات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کا جائزہ لیں، جن میں صبر کرنے والے اور مطمئن مسلمان کو دیے جانے والے اجر کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس پر گہرا غور و فکر ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے ثابت قدم رہنے کی ترغیب دے گا۔ مثال کے طور پر، باب 39 از زمر، آیت 10

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا [یعنی حد]۔..."

ایک اور مثال جامع ترمذی نمبر 2402 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ اس میں یہ نصیحت ہے کہ جب صبر کے ساتھ دنیا میں آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنے والوں کو ان کا اجر ملے گا جن لوگوں نے ایسی آزمائشوں کا سامنا نہیں کیا وہ کاش صبر کے ساتھ ایسی مشکلات کا مقابلہ کرتے۔ جیسا کہ ان کی جلد قینچی سے کاٹ دی جاتی ہے۔

صبر اور قناعت حاصل کرنے کے لیے جس چیز کو اللہ تعالیٰ کسی شخص کے لیے چنتا ہے وہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پائے جانے والے علم کی تلاش اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ وہ ایمان کی بلندی تک پہنچ جاتے ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ ایمان کی فضیلت اس وقت ہوتی ہے جب ایک مسلمان عمل کرتا ہے جیسے کہ نماز، گویا وہ اللہ تعالیٰ کی گواہی دے سکتا ہے۔ جو اس درجے پر پہنچ جائے گا وہ مشکلات اور آزمائشوں کا درد محسوس نہیں کرے گا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت میں پوری طرح غرق ہو جائے گا۔ یہ ان عورتوں کا حال ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹتے وقت درد محسوس نہیں کرتی تھیں۔ باب 12 یوسف، آیت 31

اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دی اور کہا، "ان کے سامنے نکل آ۔" اور جب انہوں نے ... " اسے دیکھا تو اس کی بہت تعریف کی اور اپنے ہاتھ کاٹ کر کہنے لگے کہ اللہ کامل ہے یہ کوئی آدمی نہیں ہے، یہ کوئی اور نہیں بلکہ ایک بزرگ فرشتہ ہے۔

اگر کوئی مسلمان ایمان کے اس اعلیٰ درجے تک نہیں پہنچ سکتا تو اسے کم از کم اس نچلی سطح تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے جس کا ذکر پہلے حدیث میں ہے۔ یہ وہ درجہ ہے جہاں انسان کو مسلسل معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھے جا رہے ہیں۔ اسی طرح ایک شخص کسی مستند شخصیت کے سامنے شکایت نہیں کرے گا جس سے وہ ڈرتا ہے، جیسے کہ آجر، ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی موجودگی سے مسلسل آگاہ ہے، اس کے انتخاب کے بارے میں شکایت نہیں کرے گا۔

ابو جندل رضی اللہ عنہ - 1

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت (عمرہ) کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو بھیجا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کریں اور آپ کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت (عمرہ) کرنا چاہتے ہیں۔ چند واقعات کے بعد بالآخر مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لیں لیکن کچھ شرائط رکھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ اگر کوئی شخص جو مکہ سے اسلام قبول کرے گا تو وہ مدینہ فرار ہو جائے گا یا اسے مکہ واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مدینہ سے مکہ بھاگ گیا تو اسے واپس مدینہ نہیں بھیجا جائے گا۔ جب معاہدہ ہوا تو ایک صحابی ابو جندل رضی اللہ عنہ جو مکہ میں قید تھے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے۔ لیکن جیسا کہ معاہدہ طے پایا ابو جندل رضی اللہ عنہ کو مکہ واپس جانا پڑا اور وہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ نہ جا سکے۔ یہ دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو بہت تکلیف ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو صبر کرنے اور اپنے آپ پر قابو پانے کا حکم دیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور مکہ میں پہنسنے ہوئے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو راحت اور مدد فراہم کرے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 229-230 میں بحث کی گئی ہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرنا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی

قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرے تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمحل نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

عکرمہ ابن ابو جہل رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے حدیبیہ میں طے پانے والے صلح کے معاہدے کو ایک ایسے قبیلے کی حمایت سے توڑ دیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ اسلام کا ایک کٹر دشمن جس نے روز اول سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانے کا ہر موقع استعمال کیا، عکرمہ ابن ابو جہل فتح مکہ کے دن فرار ہو گیا۔ ان کی اہلیہ نے اسلام قبول کر لیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی حفاظت کی درخواست کی جو آپ نے قبول کر لی۔ اس نے عکرمہ کو دیکھا اور اسے بتایا کہ کیا ہوا ہے۔ اگرچہ اسے یقین کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے اور اسلام قبول کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خلاف اپنے سابقہ رویے کو نظر انداز کیا اور معاف کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 403-404 میں بحث کی گئی ہے۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ

مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر... " دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

عکرمہ ابن ابو جہل رضی اللہ عنہ - 2

جنگ یرموک کے دوران مسلمانوں کی فوج کے سرداروں میں سے ایک عکرمہ ابن ابو جہل رضی اللہ عنہ اور ان کے بہت سے سپاہی شدید زخمی ہوئے۔ میدان جنگ میں لیٹتے ہوئے انہیں پینے کا پانی پیش کیا گیا لیکن وہ خود پینے کے بجائے پانی لے جانے والے کو حکم دیتے کہ وہ پہلے دوسروں کو پلائیں۔ نتیجتاً ان میں سے بہت سے پانی چکھے بغیر مر گئے۔ امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 678-679 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ ایک دوسرے کے لیے اخلاص کی گہری سطح تھی۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرنا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔
باب 17 الاسراء، آیت 53

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔“

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔“

عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے حدیبیہ میں طے پانے والے صلح کے معاہدے کو ایک ایسے قبیلے کی حمایت سے توڑ دیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ غیر مسلم سے لینے کے بعد خانہ کعبہ کی چابیاں لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس سے پہلے عثمان بن طلحہ چابیاں کے انچارج تھے۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے چابیاں اپنے پاس رکھنے کی درخواست کی تاکہ وہ کعبہ کا متولی بن سکیں۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن طلحہ کو بلوایا اور چابیاں واپس کر دیں اور بتایا کہ یہ دن تقویٰ اور نیک نیتی کا دن ہے۔ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 408 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمان کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت

رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159

پس اللہ کی رحمت سے، [اے محمد]، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور "دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔"

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طہ، آیت 44

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے۔"

لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے خاندان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ - 1

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے اٹھویں سال مکہ فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک غیر مسلم صفوان بن امیہ سے درخواست کی کہ وہ جنگ کے لیے مسلم فوج کے ہتھیار اور زرہ بکتر ادھار دیں۔ صفوان نے پوچھا کہ کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سامان کو زبردستی لینے کا ارادہ کر رہے تھے جیسا کہ اب ان کا مکہ پر کنٹرول ہے۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے وعدہ کیا کہ یہ صرف قرض ہے اور وہ اسے سب کچھ واپس کر دیں گے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 439-440 میں بحث کی گئی ہے۔

جب عوام ایک دوسرے ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ سنن ابن ماجہ نمبر 4019 میں موجود کو مالی طور پر دھوکہ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر جابر سردار مقرر کر کے انہیں عذاب دیتا ہے۔ اس ظلم کا ایک پہلو بدعنوانی ہے جس کی وجہ سے عام لوگوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اسی حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب عام لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے عہد کو توڑ دیں گے تو ان پر ان کے دشمن غالب آجائیں گے جو ان کے مال و جائیداد کو ناجائز طور پر چھین لیں گے۔ ایک بار پھر، یہ بدعنوانی کا ایک پہلو ہے جہاں اثر و رسوخ رکھنے والے لوگ، جیسے کہ سرکاری اہلکار، نتائج کے خوف کے بغیر دوسروں کا سامان آزادانہ طور پر لے جاتے ہیں۔ جب عام لوگ کرپٹ ہو جاتے ہیں تو ان کے لیڈر اور دوسرے بااثر سماجی عہدوں پر فائز افراد بھی اسی طرح کام کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جس پر یقین رکھتے ہوئے عام لوگ اس طرز عمل کو قبول کرتے ہیں۔ اس سے قومی سطح پر کرپشن بڑھ رہی ہے۔ لیکن اگر عام لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور بدعنوانی کے ذریعے دوسروں کے ساتھ بدسلوکی سے گریز کرتے ہیں تو ان کے قائدین اور بااثر سماجی عہدوں پر فائز افراد بدعنوانی کی جرأت نہیں کریں گے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ عام عوام اس کی حمایت نہیں کریں گے۔ اور اس سے پہلے نقل کی گئی حدیث کے مطابق اگر عام لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں تو وہ ان لوگوں کو بااثر عہدوں پر تعینات کر کے بدعنوان اہلکاروں سے بچائے گا جو اپنے معاملات میں انصاف کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو دنیا میں پھیلی بدعنوانی کے لیے دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانے کی نادانی کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے صحیح معنوں میں اپنے طرز عمل پر غور کرنا چاہیے اور اگر ضروری ہو تو اپنا رویہ درست کرنا چاہیے۔ ورنہ معاشرے میں کرپشن وقت کے ساتھ ساتھ بڑھے گی۔ کسی کو یہ یقین نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ایک بااثر سماجی حیثیت میں نہیں ہیں ان کا معاشرے میں ہونے والی بدعنوانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ جیسا کہ اس بحث سے ثابت ہے کہ بدعنوانی عام لوگوں کے منفی رویے کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس لیے اسے عام لوگوں کے اچھے رویے سے ہی دور کیا جا سکتا ہے۔ باب 13 الرعد، آیت 11

بے شک اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے اندر کی حالت نہ بدلیں۔“

عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ - 1

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ اس مہم کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کیا اور پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ سے نکلتے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا انچارج مقرر کیا اور انہیں چاندی کا ایک سکہ یومیہ تنخواہ دیا۔ عتاب رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اگر وہ ایک دن میں چاندی کے ایک سکہ سے سیر نہ ہو جائے تو وہ بھوکا اور لالچی رکھے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ اس دن کے بعد اسے دولت کمانے کے سلسلے میں کسی کی ضرورت نہیں رہی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 500-501 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں جیسے کہ ان کی خوراک، لباس، رہائش اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ انہیں فارغ وقت فراہم کریں۔ آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اسی لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا کیونکہ دنیاوی چیزوں سے ان کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔

ذو البیجادین رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نویں سال، اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ سب سے پہلے اسلام کی تبلیغ کریں اور اگر ضروری ہو تو عظیم بازنطینی سے جنگ کریں۔ سلطنت یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ غزوہ کے دوران ایک صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ ایک مرتبہ آدھی رات کو اٹھے اور روشنی دیکھی۔ جب وہ تحقیق کرنے کے لیے اس کے پاس گیا تو اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک صحابی ذی الحجہ کی قبر کھودتے ہوئے پایا۔ اس سے راضی ہو، جو انتقال کر گیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر میں تھے جب کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ذی الحجہ رضی اللہ عنہ کے جسد خاکی کو قبر میں اتارا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جسم کو صحیح طریقے سے قبر میں رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس طرح راضی ہونے کی درخواست کی جس طرح وہ آپ سے راضی تھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو دیکھنے کے بعد اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش یہ ان کی قبر ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 22-23 میں بحث کی گئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی آیات اور احادیث قبر کے بارے میں بتاتی ہیں جس کا سامنا تمام لوگوں کو کسی نہ کسی شکل میں کرنا پڑے گا۔ چونکہ یہ ناگزیر ہے مسلمانوں کو اس کے لیے تیاری کرنی چاہیے کیونکہ قبر کی روشنی یا اندھیرا قبر سے ہی نہیں آتا۔ یہ اس کے اعمال ہیں جو یا تو اس کی قبر کو تاریک یا روشن کر دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ اس کا عمل ہے جو اس بات کا تعین کرے گا کہ اسے قبر میں عذاب یا رحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی تیاری کا واحد طریقہ تقویٰ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔

مسلمان اکثر اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو دفنانے کے لیے قبرستانوں کا سفر کرتے ہیں۔ لیکن بہت کم لوگوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ایک دن، جلد یا بدیر، ان کی باری آئے گی۔ حالانکہ مسلمانوں کی اکثریت اپنی کوششوں کی اکثریت اپنے اہل و عیال کو راضی کرنے اور دولت کمانے کے لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے وقف کرتی ہے، لیکن ایک حدیث جامع

ترمذی نمبر 2379 میں ہے کہ مسلمان ان دو چیزوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کو ان کی قبر پر چھوڑ دیں گے اور ان کے ساتھ صرف ان کے اعمال باقی رہیں گے۔ لہذا ایک مسلمان کے لیے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کی خوشنودی کے لیے اعمال صالحہ کو ترجیح دے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی اپنے خاندان اور مال کو چھوڑ دے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لیے اپنے فرض کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق پورا کریں اور اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے فرائض سے غفلت برتتے ہوئے صرف وہی دولت حاصل کریں جس کی انہیں ضرورت ہے۔ جب یہ صحیح طریقے سے کیا جائے تو یہ بھی ایک نیک عمل بن جاتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ کسی کو اپنے اہل و عیال یا مال کی خاطر اللہ تعالیٰ کے ذمہ اپنے فرائض کو کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ یہ صرف تنہا، تنہا اور تاریک قبر کی طرف لے جائے گا۔

عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ - 1

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال غیر مسلم قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھنے والے ایک وفد نے اسلام قبول کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قبیلوں میں سے ایک عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا سپہ سالار مقرر کیا۔ اس نے ایسا کیا حالانکہ وہ سب سے کم عمر مردوں میں سے ایک تھا کیونکہ اس نے قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے بے حد شوق ظاہر کیا تھا۔ آخر کار وہ قرآن پاک کا ماہر بن گیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بہت پسند کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 40 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2645 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بھلائی دینا چاہتا ہے تو اسے اسلامی علم عطا کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اپنے ایمان کی مضبوطی سے قطع نظر دونوں جہانوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان یہ غلط سمجھتے ہیں کہ یہ خیر جس کی وہ خواہش کرتے ہیں وہ شہرت، دولت، اختیار، صحبت اور اپنے کیریئر میں مضمحل ہے، یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہی حقیقی دیرپا بھلائی ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ دینی علم کی ایک شاخ مفید دنیاوی علم ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے حلال رزق کماتا ہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ کہاں کہاں بھلائی ہے لیکن یہ شرم کی بات ہے کہ کتنے مسلمان اس کی قدر نہیں کرتے۔ وہ زیادہ تر معاملات میں اپنے واجبات کو پورا کرنے کے لیے صرف اسلامی علم کا کم سے کم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات جیسی مزید چیزوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ دنیاوی چیزوں پر اپنی کوششیں وقف کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ وہاں حقیقی اچھائی پائی جاتی ہے۔ بہت سے مسلمان اس بات کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ نیک پیشروؤں کو صرف ایک آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سیکھنے کے لیے ہفتوں تک سفر کرنا پڑا، جب کہ آج کوئی اپنا گھر چھوڑے بغیر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود، بہت سے لوگ اس نعمت

کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو جدید دور کے مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نہ صرف یہ بتا دیا ہے کہ سچی بھلائی کہاں ہے بلکہ اس نیکی کو انگلی کے اشارے پر بھی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بتا دیا ہے کہ ایک ابدی دفن خزانہ کہاں ہے جو دونوں جہانوں میں پیش آنے والے تمام مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ بھلائی تبھی ملے گی جب وہ اسے حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی جدوجہد کریں گے۔

اشج المنذر بن عامر رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ کر ایک آدمی کے سوا باقی سب نے اپنی سواریوں سے چھلانگ لگا دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تیزی سے چل پڑے۔ پیچھے رہ جانے والا شخص اشج المنذر بن عامر رضی اللہ عنہ نے نیچے اتر کر اپنا اونٹ باندھا۔ پھر اس نے باہر نکال کر دو سفید کپڑے پہن لیے جو اس نے اپنے سامان میں رکھے تھے۔ اس کے بعد اس نے دوسرے مندوبین کے اونٹوں کو باندھا اور پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کے لیے آگے بڑھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر آپ کو بتایا کہ آپ کے اندر دو خصلتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند ہیں، یعنی فہم و فراست اور تدبیر۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 63 میں بحث کی گئی ہے۔

حقیقی فہم صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی حاصل کیا جا سکتا۔ مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ان کا دنیاوی علم خواہ ان کے پاس کتنا ہی ہے۔ کیوں نہ ہو ان کی دینی زندگی میں کامیابی کے لیے کافی نہیں ہے۔ اگرچہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق مفید دنیوی علم حاصل کرنا قابل تعریف ہے کیونکہ یہ اپنے اور اپنے زیر کفالت افراد کے لیے حلال رزق حاصل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے، لیکن یہ ان کی مذہبی زندگی میں محفوظ طریقے سے رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، زیادہ تر معاملات میں، دنیاوی علم کسی کو یہ نہیں سکھائے گا کہ کس طرح کسی مشکل یا امتحان میں محفوظ طریقے سے اس طریقے سے سفر کیا جائے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اجر حاصل کر سکے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واجب فرائض اور روایات پر کوئی ایسا مسلمان عمل نہیں کر سکتا جس کے پاس صرف دنیاوی علم ہو۔ درحقیقت دینی علم دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرنے کی طاقت رکھتا ہے جبکہ دنیاوی علم صرف اس دنیا میں کسی کی مدد کرے گا۔ دینی علم رکھنے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہے گا جس کے نتیجے میں ایسی برکتیں اور فضل ہوں گے کہ وہ دونوں جہانوں میں کامیابی پائے گا۔ جبکہ دنیوی علم انسان کو ہدایت پر عمل کرنے کے بجائے دین میں اپنا راستہ نکالنے کی ترغیب دے گا، یعنی نیک پیشروؤں کی تعلیمات کے مطابق۔ مذہب اپنا راستہ خود بنانا نہیں ہے بلکہ صرف اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔

بدقسمتی سے دنیاوی علم رکھنے والے بہت سے مسلمان اس اہم نکتے کو نہیں سمجھتے جس کی وجہ سے ان کے دونوں جہانوں میں کامیابی کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اگر وہ دونوں جہانوں میں کامیابی چاہتے ہیں تو دینی اور مفید دنیاوی علم حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ یہی وجہ ہے کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث کے مطابق مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

جامع ترمذی اس کے علاوہ غور و فکر کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ یہ گناہوں سے روکتا ہے۔ نمبر 2012 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غور و فکر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جب کہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

یہ ایک انتہائی اہم تعلیم ہے جس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے مسلمان جو بہت زیادہ نیک اعمال انجام دیتے ہیں اکثر انہیں جلد بازی سے تباہ کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، وہ غصے میں کچھ برے الفاظ کہہ سکتے ہیں جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن جہنم میں جا سکتے ہیں۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2314 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

زیادہ تر گناہ اور مشکلات، جیسے دلائل، اس لیے پیش آتے ہیں کیونکہ لوگ چیزوں کو سوچنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے بجائے جلد بازی میں کام کرتے ہیں۔ ذہانت کی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی بولنے یا عمل کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور صرف اس وقت آگے آتا ہے جب وہ جانتا ہو کہ اس کی بات یا عمل دنیاوی یا دینی معاملات میں اچھا اور فائدہ مند ہے۔

اگر چہ ایک مسلمان کو اعمال صالحہ میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، پھر بھی ان کو انجام دینے سے پہلے غور و فکر کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی نیک عمل کا بدلہ محض اس لیے نہیں ملتا کہ اس کی شرائط اور آداب جلد بازی کی وجہ سے پورے نہ ہوئے ہوں۔ اس سلسلے میں، کسی بھی معاملے میں سوچنے کے بعد ہی آگے بڑھنا چاہیے۔

جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ نہ صرف اپنے گناہوں کو کم کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرے گا بلکہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں پیش آنے والی مشکلات مثلاً جھگڑے اور اختلاف کو کم کر دے گا۔

جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ - 1

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال میں جریر بن عبداللہ البجلی نامی ایک شخص مدینہ آیا اور اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کرتے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے یہ عہد کرنے کو کہا کہ وہ فرض نمازیں ادا کریں گے، فرض زکوٰۃ ادا کریں گے اور تمام مسلمانوں کے ساتھ وفادار رہیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 106 میں بحث کی گئی ہے۔

آج کے دور میں مسلمان اکثر اس عہد میں مذکور پہلی دو چیزوں یعنی فرض نماز اور واجب صدقہ پر بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں لیکن وہ اکثر تمام مسلمانوں کے ساتھ مخلص اور وفادار ہونے کو نظر انداز کرتے ہیں۔ یہ حقیقت کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو اسلام کے دو ستونوں کے ساتھ ادا کیا ہے، اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسے پورا کرنا کتنا مسلمانوں کو ہمیشہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کو برقرار رکھنے ضروری ہے۔ اس لیے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ تمام مسلمانوں پر لاگو ہوتا ہے خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں اور اگر وہ ایک دوسرے کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمانوں کے بہت سے حقوق بیان ہوئے ہیں اور ہر مسلمان کو ان کو سیکھنے اور پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حدیث میں حقوق درج کیے ہیں۔

اس سے بھی اہم بات اول تو سلام کا جواب دینا ہے خواہ جواب دینا ان کی خواہش کے خلاف ہو۔ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی گفتگو اور عمل کے ذریعے دوسروں کے ساتھ امن اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عملی طور پر امن کے اسلامی سلام کو پورا کرنا چاہیے۔ اسلامی سلام کا صحیح مفہوم یہی ہے۔

ایک مسلمان کو بیمار مسلمانوں کی عیادت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ان کی جسمانی اور نفسیاتی مدد کی جا سکے۔ تمام بیمار مسلمانوں کی عیادت کرنا مشکل ہوگا لیکن اگر ہر مسلمان کم ہر قسم از کم اپنے بیمار رشتہ داروں کی عیادت کرے تو بیماروں کی اکثریت کو یہ سہارا ملے گا۔ کی فضول یا گناہ والی باتوں اور کاموں سے پرہیز کرنا چاہیے جیسے کہ گپ شپ کرنا ورنہ مسلمان برکت کے بجائے گناہ ہی کمائے گا۔

ایک مسلمان کو جب ممکن ہو دوسرے مسلمانوں کے جنازے میں شرکت کرنی چاہیے کیونکہ ہر شریک میت کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہے۔ اس لیے جتنے زیادہ مسلمان حاضر ہوں گے اتنا ہی بہتر ہے۔ جس طرح کوئی چاہتا ہے کہ دوسرے ان کے جنازے میں شرکت کریں اور ان کے لیے دعا کریں وہ بھی دوسروں کے لیے ایسا کرے۔ اس خاص عمل میں ایک مسلمان کے لیے ایک اچھی یاد دہانی ہے کہ وہ بھی آخرکار مرے گا۔ امید ہے کہ اس سے ان کے طرز عمل میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب بہتری آئے گی تاکہ وہ کرتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے اپنی موت کے لیے بہتر طور پر تیاری کریں۔

کو کھانے اور اگلی بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں اجتماعی تقریبات کی دعوت اس وقت تک قبول کرنی چاہیے جب تک کہ کوئی غیر شرعی یا ناپسندیدہ کام انجام نہ دیا جائے جو کہ اس زمانے میں بہت کم ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ بعض مسلمان ایسے سماجی پروگراموں میں شرکت کرتے ہیں جہاں غیر قانونی یا ناپسندیدہ چیزیں پیش آتی ہیں اور اپنے اعمال کی تائید کے لیے اس حدیث کا حوالہ دیتے ہیں۔ کسی کو اپنی خواہشات کی یہ صریح گمراہی اور کیونکہ تکمیل کے لیے آسمانی تعلیمات کی غلط تشریح نہیں کرنی چاہیے عذاب الہی کی دعوت ہے۔

آخر میں، مرکزی حدیث مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے ختم ہوتی ہے کہ وہ مسلمان کے لیے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ دعا کریں جو چھینک آنے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 2714 میں موجود ایک حدیث میں ایک انتہائی اہم فرض کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہ دوسرے مسلمانوں کو اچھی اور مخلصانہ نصیحت کرنا ہے۔

سب سے پہلے، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اچھی نصیحت سب کو پیش کی جانی چاہئے چاہے وہ کسی بھی مذہب سے ہوں۔ سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں واضح طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو اس طرح نصیحت کریں جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ انہیں نصیحت کریں۔ کسی کو بھی اپنے جذبات کو اس فرض کی ادائیگی سے باز نہیں آنا چاہیے کیونکہ جو شخص جان بوجھ کر برا مشورہ دیتا ہے اسے لوگ غلط مشورہ دیتے ہیں۔ مخلصانہ نصیحت کرنا اس قدر ضروری ہے کہ جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 1925 میں ایک حدیث میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے فرض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس فرض کو ادا کرنے کا عہد لیتے تھے۔ نماز کے طور پر۔ حقیقت یہ ہے کہ مخلصانہ طور پر دوسروں کو نصیحت کرنا ان واجبات کے ساتھ رکھا گیا ہے اس کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ لہذا کسی مسلمان کو اس حقیقت سے کبھی چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے۔

ہر شخص خواہ کسی بھی عقیدے سے تعلق رکھتا ہو، ان چیزوں کو حاصل کرنا پسند کرتا ہے جو اسے فائدہ پہنچاتی ہیں اور نقصان دہ چیزوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں واضح طور پر اعلان فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ دوسروں کو ان چیزوں کو حاصل کرنے کو یقینی بنانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے اعمال کے ذریعے ظاہر کیا جانا چاہئے جو ان کے لئے دستیاب کسی بھی ذریعہ سے وہ اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔ ایک مسلمان کو محض اپنے الفاظ سے یہ دعویٰ نہیں کرنا چاہیے۔

حق یہ ہے کہ ان کے لیے صدق دل سے دعا کرے۔ یہ ایک دوسرے پر رحم کرنے کا ایک اور ایک پہلو ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب 48 الفتح، آیت 29

...محمد اللہ کے رسول ہیں؛ اور جو اس کے ساتھ ہیں وہ آپس میں مہربان ہیں "

درحقیقت جب ایک مسلمان دوسرے کے لیے دعا کرتا ہے تو وہ خود اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6927 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کے لیے چپکے سے دعا کرتا ہے تو فرشتہ ان کے لیے دعا کرتا ہے۔

دوسرا اہم حق یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کے لیے وہی محبت اور نفرت کرے جو وہ اپنے لیے پسند اور نفرت کرتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود ایک حدیث میں صدق دل سے اس کو شرط قرار دیا ہے۔

ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی حلال خوشی پر خوش ہونا چاہیے اور امید رکھنی چاہیے کہ یہ ان کے لیے باقی رہے گی۔ جب کسی دوسرے مسلمان کو کوئی مشکل پیش آئے تو انہیں غمگین ہونا چاہیے اور اس میں ان کی مدد کرنا چاہیے، چاہے یہ ان کی طرف سے صرف دعا ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6011 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ جسم کا کوئی حصہ بیمار ہو تو باقی جسم درد میں شریک ہوتا ہے۔

کسی مسلمان کو اپنے قول و فعل سے کسی دوسرے مسلمان یا غیر مسلم کو بلا جواز نقصان نہیں پہنچانا چاہیے کیونکہ جامع ترمذی کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کی یہی تعریف فرمائی ہے۔ نمبر 2627۔ درحقیقت لوگوں کو کسی کے نقصان سے محفوظ رکھنا ایک صدقہ ہے جو انسان اپنے لیے کرتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 250 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ اپنے آپ پر صدقہ ہے کیونکہ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچاتا ہے۔

دوسرے مسلمانوں کے حقوق میں ان کے راستے کی رکاوٹوں کو ہٹانا بھی شامل ہے۔ اس میں جسمانی رکاوٹوں کے ساتھ ساتھ علامتی رکاوٹیں بھی شامل ہیں جو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ درحقیقت صحیح مسلم نمبر 6670 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص کو اس درخت کو ہٹانے پر جنت دی جائے گی جو ساتھی مسلمانوں کے راستے میں رکاوٹ تھا۔

یہ ایک مسلمان کا حق ہے کہ دوسرے مسلمان جب ان پر کسی بھی طرح سے ظلم ہو تو ان کی مدد کریں جیسے کہ مالی مدد، اور ان مسلمانوں کی مدد کریں جو ظلم کرتے ہیں انہیں اس طرز عمل کے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6952 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ غور کرنا ضروری ہے کہ مشورہ صرف اسی صورت میں دیا جائے جب مشورہ دینے والا ظالم کے نقصان سے محفوظ ہو۔

ایک مسلمان کو اجازت نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان سے کسی دنیوی وجہ سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع کرے۔ یہ بات بہت سی احادیث میں واضح ہو چکی ہے جیسے کہ جامع ترمذی نمبر 1932 میں موجود ہے۔ دوسرے مسلمان سے اس طرح منہ موڑنا اتنا سنگین مسئلہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار تنبیہ فرمائی۔ سنن ابن ماجہ نمبر 1740 میں موجود ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر پیر اور جمعرات کو تمام مسلمانوں کو معاف کر دیتا ہے سوائے ان کے جنہوں نے کسی دوسرے مسلمان کو چھوڑ دیا ہو یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں۔

دوسرا حق یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آئے۔ اس کے بجائے، انہیں عاجزی کا مظاہرہ کرنا چاہئے جو معاشرے میں ہمیشہ پیار اور محبت کے پھیلاؤ کا باعث بنتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4895 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کے برعکس تکبر اور غرور صرف معاشرتی رکاوٹوں اور معاشروں کی علیحدگی کا باعث بنتے ہیں۔ اگر کسی مسلمان کے ساتھ تکبر کا برتاؤ کیا جائے تو انہیں اس طرح جواب نہیں دینا چاہئے بلکہ صبر اور درگزر سے کام لینا چاہئے۔

درحقیقت دوسروں کے لیے ان کی سماجی حیثیت سے قطع نظر انکساری آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ جیسا کہ سنن نسائی نمبر 1415 میں موجود حدیث میں آتا ہے کہ آپ غریبوں اور مسکینوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ان کے ساتھ چلنے کو کبھی ناپسند نہیں کرتے تھے۔

ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے بارے میں افواہوں یا گپ شپ پر کبھی دھیان نہ دے کیونکہ زیادہ تر معاملات میں وہ یا تو مکمل طور پر جھوٹے ہوتے ہیں یا کچھ حقائق پر مشتمل افسانے کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔ بہت سے معاملات میں، کسی کی بری خواہشات کی تکمیل کے لیے سچائی کو بھی سیاق و سباق سے ہٹ کر توڑ مروڑ دیا گیا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ کہی گئی باتوں کو نظر انداز کرے اور گپ شپ کرنے والے کو سچے دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرے۔ انہیں کبھی بھی دوسروں سے گپ شپ نہیں دہرائی چاہئے اور نہ ہی دوسروں سے گپ شپ کا ذکر کرنا چاہئے۔ اس کو چھپا کر انہیں امید رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو دونوں جہانوں میں چھپائے گا۔ جامع ترمذی نمبر 1930 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ کسی مسلمان کو کبھی بھی دوسرے مسلمانوں کی غیبت یا غیبت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ درحقیقت صحیح مسلم نمبر 290 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ کہنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے وسائل میں رہتے ہوئے دوسرے مسلمانوں کی کسی بھی مصیبت میں مدد کرنے کی کوشش کرے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 225 میں ایک حدیث سے ثابت ہے کہ جو بھی ایسا کرے گا قیامت کے دن اس کی سختی سے نجات ملے گی۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کا مالی بوجھ ہلکا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں راحت عطا فرمائے گا۔ لہذا مسلمانوں کو ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے جو ان کے مقروض ہیں۔

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں پر ایک اور حق یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر ظلم کرے اور پھر ان سے معافی مانگے تو مظلوم اسے اللہ تعالیٰ کے لیے معاف کر دے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کے شکار کو معاف کر دے گا۔ باب 24 النور، آیت 22

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف ... " کر دے؟

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6592 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوسروں کو معاف کرے گا اسے زیادہ عزت نصیب ہوگی۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ان کی حیثیت کے مطابق سلوک کرنا چاہیے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 1921 میں موجود حدیث میں آئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بزرگوں کے ساتھ احترام اور چھوٹے کے ساتھ رحم کیا جائے۔ یہ حدیث متنبہ کرتی ہے کہ جو لوگ اس طرح کا برتاؤ نہیں کرتے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے تعلق نہیں رکھتے۔ درحقیقت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ادب المفرد نمبر 357 میں ایک حدیث یہ نصیحت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا ایک حصہ بزرگوں کا احترام کرنا ہے۔ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا حصہ ہیں، لہذا اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کا احترام کرنا درحقیقت خالق یعنی اللہ تعالیٰ کا احترام کرنا ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ جو دیتے ہیں وہی انہیں ملے گا۔ جامع ترمذی نمبر 2022 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب کوئی نوجوان کسی بوڑھے کی اس کی عمر کی وجہ سے تعظیم و تکریم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی بزرگی کے لیے کسی کو مقرر کرے گا۔

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں کا دوسرا حق یہ ہے کہ جب تک گناہوں سے اجتناب کیا جائے ان کے ساتھ خوش دلی سے پیش آئے۔ درحقیقت دوسرے مسلمان کو تسلی دینے کے لیے مسکرانا صدقہ ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1956 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

دوسرے مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور نرم رویہ رکھنے والے کو جامع ترمذی نمبر 2488 کی حدیث میں جہنم کی آگ سے حفاظت کی بشارت دی گئی ہے۔ دوسرے یہ اس قدر اہم ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 7512 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ یہ وہ عمل ہے جو جہنم کی آگ سے بچاتا ہے۔ درحقیقت اس پر عمل کرنے والے کو جامع ترمذی نمبر 1984 کی حدیث میں جنت میں ایک خوبصورت کوٹھی کا وعدہ کیا گیا ہے۔

مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے درمیان مسائل کو اپنی استطاعت کے مطابق درست کریں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2509 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ ایسا کرنا نفلی نماز، روزہ یا صدقہ سے افضل ہے۔

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں پر دوسرا حق یہ ہے کہ اپنے عیبوں کو چھپائے۔ جامع ترمذی نمبر 1930 میں ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مسلمان کے عیبوں پر پردہ ڈال دے گا جو اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کے عیب چھپاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں کو ظاہر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان دوسروں کے گناہوں کو نظر انداز کرے۔ لیکن اس کا مطلب ہے کہ انہیں نرمی سے اور نجی طور پر گنہگار کو خلوص دل سے توبہ کرنے اور دوسروں کے سامنے اپنے گناہ کا ذکر نہ کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان دوسروں کو ایسا گناہ نہ کرنے کی تعلیم دینا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرے اور لوگوں کا نام لیے بغیر دوسروں کو نصیحت کرے۔ اس کی مثال صحیح بخاری نمبر 6979 میں موجود ایک حدیث میں درج ہے، اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے عیبوں کی پردہ پوشی کرے جس طرح اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں اور دوسروں کی غلطیوں پر پردہ ڈالتا ہے۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ ایسی صورت حال سے بچنا چاہیے جس سے دوسرے مسلمانوں کے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا ہوں۔ یہ ان کو ان گناہوں سے بچانے کے لیے ہے جن کا ارتکاب دوسرے مشتبه ہیں جیسے غیبت اور غیبت۔ اس تحفظ کو دوسرے مسلمانوں تک پہنچانا ان کے لیے بھلائی کا ایک حصہ ہے جس طرح کوئی اپنے لیے بھلائی کو پسند کرتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 3101 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ رات 3101 کے وقت اپنی بیوی سے ملے۔ اسی وقت دو صحابہ رضی اللہ عنہ تیزی سے چل پڑے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلایا اور بتایا کہ وہ اپنی بیوی سے مل رہے ہیں نہ کہ کوئی اجنبی عورت۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے واضح کیا کہ ان کے ذہن میں غلط خیال بھی نہیں آتا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو یہ تعلیم دینے کے لیے صرف اس انداز میں جواب دیا کہ کسی بھی ایسی سرگرمی کو واضح کرنا چاہیے جو دوسرے مسلمانوں کے افکار کی حفاظت کے لیے مشکوک نظر آئے۔

اس کا تعلق ایک اور نیک صفت سے ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب کوئی ایسے کاموں سے اجتناب کرتا ہے جو حلال ہیں تاکہ دوسرے مسلمانوں کو برا نہ لگے۔ مثال کے طور پر، ایک شوہر دوسرے مسلمانوں جیسے کہ اس کی بہن کے سامنے اپنی بیوی سے محبت کا اظہار نہیں کرتا۔ اگرچہ یہ مکمل طور پر حلال ہے لیکن اپنی بہن کے سامنے ایسا کرنے سے اسے برا لگے خصوصاً اگر اس کا شوہر اس کے ساتھ ایسی حرکت نہ کرے۔ یہ اعلیٰ درجہ کا اعلیٰ کردار ہے جو واجب نہیں بلکہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

مسلمانوں کا دوسرے مسلمانوں پر ایک اور حق یہ ہے کہ ان کا استقبال اسلامی سلام کے ساتھ کیا جائے۔ اس میں وہ مسلمان شامل ہوں جو ایک جانتا ہے اور جو مسلمان نہیں جانتے۔ بہت سی احادیث میں اس نیک عمل کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر، سنن ابن ماجہ، نمبر 68 میں پائی جانے والی ایک حدیث، دوسرے مسلمانوں کے لیے سلامتی کے پیغام کو جنت میں داخل ہونے سے جوڑتی ہے۔ باب 4 النساء آیت 86

اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے بہتر سلام دو یا [کم از کم [اسے] اسی طرح [واپس] "کرو۔"

جامع ترمذی نمبر 2706 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان سے ملے اور جب وہ اسے چھوڑے تو سلام کرے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ امن کا اسلامی سلام اس بات کا اشارہ ہے کہ ایک مسلمان کو نہ صرف کسی مسلمان کا پر امن الفاظ سے استقبال کرنا چاہئے بلکہ ہر گفتگو کے دوران اچھے الفاظ کو برقرار رکھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ امن کے اس پھیلاؤ کو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ ایک مسلمان کے عمل سے ظاہر کیا جانا چاہیے۔ یہ دوسروں تک اسلامی سلام کا پیغام پہنچانے کا صحیح مفہوم ہے۔

ایک مسلمان کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت پر عمل کرنا چاہیے، جب وہ دوسرے مسلمانوں کو سلام پیش کرتے ہیں تو ان سے مصافحہ کرتے ہوئے درحقیقت جو مسلمان ایسا کرتے ہیں اور گفتگو کے دوران گناہوں سے بچتے ہیں ان کے چھوٹے گناہ الگ ہونے سے پہلے ہی معاف کر دیے جائیں گے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 5212 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے حقوق کا حتی الامکان دفاع کریں، بغیر کسی گناہ کے یا خود کو نقصان پہنچائے۔ مثال کے طور پر انہیں دوسرے مسلمانوں کی عزت کی حفاظت کرنی چاہیے جو اکثر ان کی پیٹھ پیچھے غیبت اور غیبت کی صورت میں پامال ہوتی ہیں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1931 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کی عزت کی حفاظت کرے گا وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا۔

اگر کوئی دوسرا مسلمان برے رویے کا مظاہرہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ اس کے علاوہ، انہیں ذاتی طور پر مشورہ دینا چاہئے کہ وہ اپنے

کردار کو بہتر سے بہتر بنائیں۔ عوامی سطح پر ایسا کرنا ان کی شرمندگی کا باعث بن سکتا ہے اور یہ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو شرمندہ نہ کرے۔ اس کے علاوہ، شرمندہ ہونے والا شخص زیادہ غصے میں آجائے گا اور اس لیے وہ اس اچھی نصیحت کو قبول کرنے کا امکان کم ہے جو انہیں دیا گیا ہے۔

تمیم الداری رضی اللہ عنہ - 1

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے نویں سال مدینہ منورہ میں تمیم الداری رضی اللہ عنہ نامی ایک صحابی مدینہ تشریف لائے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا : اس کے عجیب سفر کا۔ تمیم رضی اللہ عنہ ایک جہاز پر سفر کر رہے تھے کہ وہ اڑ گیا۔ عملے کو ایک نامعلوم جزیرے پر ڈالا جا رہا تھا۔ وہ پینے کے پانی کی تلاش میں جہاز سے نکلے اور آخر کار ایک آدمی سے ملے جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ قیدی نے ان سے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ عرب ہیں۔ قیدی نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا اعلان کرتا ہوا آیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان کے پاس ہے اور لوگ اس پر ایمان لے رہے ہیں، اس کی پیروی کر رہے ہیں اور اسے سچا سمجھتے ہیں۔ قیدی نے تبصرہ کیا کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے۔ اس کے بعد حجاز میں عین زر کے مقام کی خبر پوچھی۔ آدمیوں نے اسے بتایا اور قیدی بہت خوش ہو گیا۔ اس کے بعد قیدی نے پوچھا کہ کیا ال یمامہ میں واقع بایسن میں کھجوریں پھل دے رہی ہیں؟ مردوں نے جواب دیا کہ وہ ہیں اور وہ پھر سے خوش ہو گیا۔ قیدی نے آخر میں تبصرہ کیا کہ اگر اسے ایسا کرنے کی اجازت دی گئی تو وہ طیبہ کی زمین کے علاوہ زمین کا سفر کرے گا۔ تمیم رضی اللہ عنہ کے بعد یہ قصہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنایا اور فرمایا کہ قیدی مخالف مسیح تھا اور طیبہ کی سرزمین مدینہ تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 119 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنن ابن ماجہ نمبر 4077 میں موجود ایک حدیث میں مخالف مسیح کی آزمائش کو مسلمانوں کو زمین پر اپنی زندگی کے دوران سب سے بڑی آزمائش کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو مستقبل کے اس واقعے سے کچھ اہم سبق سیکھنا چاہیے۔ پہلا مضبوط ایمان رکھنے کی اہمیت ہے۔ کمزور ایمان والے ہی اس سے گمراہ ہوں گے۔ مضبوط ایمان انتہائی ضروری ہے کیونکہ یہ ہر آزمائش یا مشکل کے خلاف ایک ہتھیار ہے جس کا سامنا زندگی کے دوران ہوتا ہے۔ پختہ ایمان رکھنے والا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہر مشکل کو ثواب اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے دور کرتا ہے کیونکہ وہ اس طرز عمل کو سمجھتے ہیں جس کا انہیں ہر حال میں مظاہرہ کرنا چاہیے۔ جبکہ کمزور عقیدہ رکھنے والے آسانی سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے دور ہو جاتے ہیں، ان آزمائشوں اور آزمائشوں سے جن کا ان کی زندگی میں سامنا کرنا پڑتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کمزور ایمان والے مخالف مسیح سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ باب 22 الحج، آیت 11

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو " جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس "نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔

مضبوط ایمان حاصل کرنے کا بہترین طریقہ اسلامی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ اس سے ایک مسلمان آزمائشوں اور آزمائشوں کی وجہ اور حکمت کو سمجھ سکے گا۔ اس کے نتیجے میں وہ ان پر کامیابی سے قابو پا سکیں گے۔

اس عظیم واقعہ سے سیکھنے کی دوسری چیز مشکوک چیزوں سے بچنے کی اہمیت ہے۔ جس طرح ایک شخص جو کسی سرحد کے قریب سے سفر کرتا ہے اس کے اسے عبور کرنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے اسی طرح ایک مسلمان جو فتنوں میں گھرا ہوا ہے اس کے گمراہ ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ جو ان جگہوں اور چیزوں سے بچتا ہے جو اسے گناہوں کی طرف مائل کرتی ہیں وہ اس کے ایمان اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ یہ نصیحت جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کی حفاظت کرتے ہوئے ان چیزوں، مقامات اور لوگوں سے بچیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں یا فتنہ میں ڈالتے ہیں، اور ان کے کفیلوں کو یقینی بناتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے بچے بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ - 1

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے نویں سال مدینہ منورہ میں ولیلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ نامی شخص نے اسلام قبول کیا۔ وہ جنگ تبوک میں صرف اس لیے شریک ہوئے کہ انہیں ایک اور صحابی کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے سواری کے لیے اونٹ دیا تھا۔ جب وائلہ رضی اللہ عنہ جنگ تبوک سے واپس آئے تو انہوں نے غنیمت میں سے اپنا حصہ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو پیش کیا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سواری کے لیے اونٹ دیا تھا۔ پر لیکن کعب رضی اللہ عنہ نے کچھ لینے سے انکار کر دیا اور جواب دیا کہ اونٹ انہیں اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کر سکے، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 124 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے بجائے دکھاوے جیسے کام لوگوں کی خاطر کرتے ہیں، ، عالی مقام کو کہا جائے گا کہ قیامت کے دن ان لوگوں سے ان کا اجر حاصل کریں جن کے لئے انہوں نے عمل کیا جو حقیقت میں ممکن نہیں ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام اعمال کی بنیاد حتیٰ کہ اسلام خود انسان کی نیت ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ صحیح بخاری نمبر 1 کی حدیث کے مطابق کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام دینی اور مفید دنیوی اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے، تاکہ وہ اس سے دونوں جہانوں میں اجر حاصل کرو۔ اس صحیح ذہنیت کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص نہ تو یہ توقع رکھتا ہے اور نہ ہی چاہتا ہے کہ لوگ ان کے اعمال کی تعریف کریں یا ان کا شکریہ ادا کریں۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے تو یہ اس کی غلط نیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، صحیح نیت کے ساتھ عمل کرنا اداسی اور تلخی کو روکتا ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کی خاطر کام کرتا ہے وہ آخر کار ناشکرے لوگوں کا سامنا کرے گا جو انہیں ناراض اور تلخ کر دیں گے کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ انہوں نے اپنی محنت اور وقت ضائع کیا ہے۔ بدقسمتی

سے، والدین اور رشتہ داروں میں یہ دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے ان کی خاطر اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتا ہے، وہ دوسروں کے لیے اپنے تمام فرائض کو پورا کرے گا جیسے کہ ان کے بچے اور جب وہ ان کا شکر ادا کرنے میں ناکام ہوں گے تو وہ کبھی تلخ یا ناراض نہیں ہوں گے۔ یہ رویہ ذہنی سکون اور عمومی خوشی کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک عمل سے پوری طرح واقف ہے اور انہیں اس کا اجر دے گا۔ تمام مسلمانوں کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔

بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے دسویں سال آپ نے یمن کی طرف ایک غزوہ روانہ کیا۔ ان میں سے ایک صحابی بریدہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جنہوں نے اعتراف کیا کہ اس وقت وہ ایک دوسرے صحابی علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بغض رکھتے تھے۔ اس مہم کے بعد غنیمت کی تقسیم ضروری تھی چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے روانہ کیا۔ اس کے بعد بریدہ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے اور علی رضی اللہ عنہ پر تنقید کی، حالانکہ انہوں نے کوئی غلط کام نہیں کیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ علی رضی اللہ عنہ کو ناپسند کرتے ہیں، آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ان سے فرمایا کہ اسے ناپسند نہ کرو اور اس کے بجائے اس سے محبت میں اضافہ کرو کیونکہ وہ اس کے لائق ہیں۔ اس تبصرے کے بعد بریدہ رضی اللہ عنہ نے خلوص کے ساتھ اعلان کیا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی سے محبت نہیں کرتے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 142-143 میں بحث کی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بہترین گروہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جسمانی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی زندگی کے دوران دیکھا، یقیناً ایک عنصر ہے۔ لیکن جو کوئی ان کی زندگی اور ان کے اعمال صالحہ کے بارے میں جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ان کی برتری صرف اس منفرد اور عظیم عمل سے زیادہ ہے۔

ان کی برتری کی ایک بڑی وجہ اس واقعہ میں اور صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعلق ایک حدیث میں دکھائی گئی ہے جو کہ صحیح مسلم نمبر 6515 میں موجود ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک بار صحرا میں اپنی گاڑی پر سوار تھا کہ ایک اعرابی سے ملاقات ہوئی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اعرابی کو سلام کیا، اعرابی کے سر پر اپنی پگڑی رکھ دی اور اعرابی کو اپنی سواری پر سوار ہونے کی تاکید کی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ اس نے اعرابی کو جو سلام کیا وہ کافی سے زیادہ تھا کیونکہ اعرابی اس بات پر بہت خوش ہوا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم صحابی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سلام کیا۔ اسے سلام کیا۔ اس کے باوجود ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بہت آگے جا کر بدویوں کا بہت

احترام کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا صرف اس لیے کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار یہ نصیحت کی تھی کہ ایک شخص اپنے والدین کی عزت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ محبت اور احترام کیا جائے۔ والدین کے رشتہ دار اور دوست۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مزید کہا کہ اعرابی کے والد اپنے والد امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔

یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ وہ مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے تابع تھے۔ انہوں نے نہ صرف فرض کی ادائیگی کی اور تمام گناہوں سے اجتناب کیا بلکہ ان تمام اعمال کو مکمل طور پر پورا کیا جن کی سفارش ان کے لیے ممکن حد تک ممکن تھی۔ ان کی سر تسلیم خم کرنے کی وجہ سے وہ اپنی خواہشات کو ایک طرف رکھ کر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ آسانی سے اعرابی کو نظر انداز کر سکتے تھے کیونکہ اس نے جو عمل کیا تھا ان میں سے کوئی بھی واجب نہیں تھا، اس عذر کو استعمال کرنے والے بہت سے مسلمانوں کے برعکس، اس نے مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور جس طرح اس نے عمل کیا۔

اسلام کی تعلیمات کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کا ایمان کمزور ہوا ہے۔ بعض تو صرف واجبات کو پورا کرتے ہیں اور دوسرے اعمال صالحہ سے اعراض کرتے ہیں، مثلاً صدقہ، جو ان کی خواہشات کے خلاف یہ کہتے ہوئے کہ اعمال واجب نہیں ہیں۔ تمام مسلمان آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ختم ہونے کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن اگر وہ ان کے راستے یا راستے پر نہ چلیں تو یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر کوئی مسلمان ان کے سوا کسی اور راستے پر چلے گا تو وہ ان کے ساتھ کیسے جا سکتا ہے؟ ان کے ساتھ ختم ہونے کے لیے ان کے راستے پر چلنا چاہیے۔ لیکن یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کوئی شخص اپنی خواہشات کے مطابق کام کرنے کی بجائے اسلام کی تعلیمات کو مکمل طور پر تسلیم کر لے جیسا کہ انہوں نے کیا تھا۔

ربیعہ الاسلامی رضی اللہ عنہ - 1

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک بار ایک دوسرے صحابی ربیعہ الاسلامی رضی اللہ عنہ سے جھگڑا ہوا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کچھ سخت الفاظ کہے اور فوراً اپنے کیے پر پشیمان ہوئے۔ جب انہوں نے ربیعہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ ان سے اسی طرح کے الفاظ کہے تاکہ جو کچھ ہوا اس میں توازن پیدا ہو جائے، تو انہوں نے انکار کر دیا۔ جب یہ معاملہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ نے ربیعہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کی کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے مغفرت کی دعا کریں، جس پر مؤخر الذکر روتے ہوئے اپنی میٹنگ چھوڑ گئے۔ مسند احمد، 59-4/58 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اگرچہ یہ ظاہر تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ گناہ اور گندے الفاظ نہیں بولتے تھے، کیونکہ یہ ان کی فطرت کے خلاف تھا، کم از کم وہ اپنی سختی پر پشیمان تھے کیونکہ وہ دوسروں پر ظلم کرنے کے انجام سے پوری طرح واقف تھے۔ اس کے نتائج، جنہیں مسلمان اکثر بھول جاتے ہیں۔

صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دیوالیہ مسلمان وہ ہے جو بہت سے اعمال صالحہ جمع کرتا ہے جیسے کہ روزہ اور نماز، لیکن وہ لوگوں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ اعمال ان کے مظلوموں کو دیئے جائیں گے اور اگر ضروری ہوا تو ان کے شکار کے گناہ انہیں قیامت کے دن دیئے جائیں گے۔ یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا باعث بنے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایمان کے دو پہلوؤں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض ہیں جیسے فرض نماز۔ دوسرا پہلو لوگوں کے حوالے سے ہے جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جسمانی اور زبانی نقصان کو زندگی سے دور نہ رکھے۔ دوسروں کے مال

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ لامحدود معاف کرنے والا ہے، وہ ان لوگوں کو معاف کر دے گا جو اس سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ لیکن وہ ان گناہوں کو معاف نہیں کرے گا جن میں دوسرے لوگ شامل ہوتے ہیں جب تک کہ شکار پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے معاف کرنے والے نہیں ہیں ایک مسلمان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ جن پر انہوں نے ظلم کیا ہے وہ قیامت کے دن ان کی قیمتی نیکیاں چھین کر ان سے بدلہ لیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پورا کرتا ہے، تب بھی وہ جہنم میں صرف اس لیے جا سکتا ہے کہ اس نے دوسروں پر ظلم کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنے فرائض کے دونوں پہلوؤں کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

رافع ابن عمرو رضی اللہ عنہ - 1

ساتویں سال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد دھت سلسل کی فوجی مہم کے دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ایک اور صحابی نے کچھ عمومی مشورہ طلب کیا۔ رافع ابن عمرو رضی اللہ عنہ۔ اس نے اسے مشورہ دیا کہ وہ لیڈر نہ بنیں، یہاں تک کہ دو لوگوں سے زیادہ۔ انہوں نے مزید کہا کہ ایک وقت آئے گا جب قیادت کی باگ ڈور کم خدمت لوگوں تک پھیل جائے گی۔ جب یہ لوگ انصاف نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے سخت انتقام لے گا۔ امام محمد السلابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 134-135 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کا ایک ریورٹ

ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے

خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

میران ابن دہی (رح -) 1

مرتد کی جنگوں کے دوران، کچھ عرب قبائل جنہوں نے مرتد ہو گئے تھے، اپنے ساتھی قبائلیوں کے مشورے اور تبلیغ کے ذریعے اسلام میں واپس لائے گئے۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کے ساتھ حق کے لیے کھڑے ہونے کی خاطر اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جانیں خطرے میں ڈال دیں۔ اس کی ایک مثال میران ابن ذی رحمۃ اللہ علیہ ہے جنہوں نے نتائج کے خوف کے بغیر اپنی قوم کو کھلے عام خطاب کیا۔ ان کی مخلصانہ کوششوں سے اللہ تعالیٰ نے ان کے قبیلے کو اسلام کی طرف لوٹایا۔ اس پر امام محمد السلابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 420-421 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4340 میں موجود ایک حدیث میں برائیوں پر اعتراض کرنے کی اہمیت بتائی ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تمام مسلمانوں پر ہر قسم کے اعتراض کرنا فرض ہے۔ ان کی طاقت اور ذرائع کے مطابق برائی کا۔ سب سے کم درجہ، جیسا کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے، برائی کو دل سے رد کرنا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اندرونی طور پر برے کاموں کی منظوری ان چیزوں میں سے ایک بدترین چیز ہے جو حرام ہیں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4345 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص برائی کے وقت حاضر ہو اور اس کی مذمت کرے وہ اس شخص کی طرح ہے جو موجود نہیں تھا۔ لیکن جو غائب تھا اور برائی کو منظور کرتا تھا وہ اس شخص کی طرح ہے جو اس کے ارتکاب کے وقت موجود تھا۔

برائی پر اعتراض کرنے کے پہلے دو پہلو جن کا ذکر مرکزی حدیث میں زیر بحث آیا ہے وہ جسمانی افعال اور گفتگو سے ہیں۔ یہ صرف اس مسلمان پر فرض ہے جس میں ایسا کرنے کی طاقت ہو مثال کے طور پر، انہیں ان کے فعل یا قول سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

نوٹ کرنا ضروری ہے، برائی پر ہاتھ سے اعتراض کرنے کا مطلب لڑائی نہیں ہے۔ اس سے مراد دوسروں کے برے اعمال کو درست کرنا ہے، جیسے کسی کے حقوق کو لوٹانا جس کی غیر قانونی خلاف ورزی کی گئی ہو۔ جو شخص ابھی تک ایسا کرنے کی پوزیشن میں ہو، وہ ایسا کرنے سے باز رہے، سنن ابوداؤد نمبر 4338 میں موجود ایک حدیث میں عذاب کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جامع ترمذی کی حدیث نمبر 2191 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ حق بات کہنے میں مخلوق سے نہ ڈریں۔ درحقیقت مخلوق کے خوف کو بری چیزوں پر اعتراض کرنے سے روکنے والے کو وہ شخص قرار دیا گیا ہے جو اپنے آپ سے نفرت کرتا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر تنقید کرے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4008 میں موجود حدیث سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ غور طلب ہے کہ اس سے مراد وہ نہیں ہے جو نقصان کے خوف سے خاموش رہے کیونکہ یہ ایک قابل قبول عذر ہے بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو خاموش رہتا ہے کیونکہ لوگوں کی آنکھوں میں سٹیٹس

سنن ابوداؤد نمبر 4341 میں موجود حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب دوسرے ان کی حرص کو مانیں، ان کی غلط آراء اور خواہشات کی پیروی کریں اور مادی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں تو انسان اپنے افعال اور گفتگو سے بری چیزوں پر اعتراض کرنا چھوڑ سکتا ہے۔ یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں کہ یہ وقت آ گیا ہے۔ باب 5 المائدة، آیت 105۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر تمہاری ہی ذمہ داری ہے۔ جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں وہ تمہیں " ...کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے جب کہ تم ہدایت پا چکے ہو

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد کے حوالے سے اس اہم فرض کو جاری رکھنا چاہیے کیونکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث کے مطابق

یہ ان پر فرض ہے اور ان کے بارے میں جو وہ جسمانی اور زبانی طور پر محسوس کرتے ہیں۔
سے محفوظ، کیونکہ یہ اعلیٰ رویہ ہے۔

جو برائیاں ظاہر ہیں ان پر اعتراض کرنا وہ چیز ہے جو زیر بحث مرکزی حدیث ہے۔ یعنی یہ
مسلمانوں کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ دوسروں کی جاسوسی کریں تاکہ اعتراض کرنے کے لیے
بری چیزیں تلاش کریں۔ اس سلسلے میں جاسوسی اور اس سے وابستہ کوئی بھی چیز حرام ہے۔
باب 49 الحجرات، آیت 12

“...اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو... جاسوسی نہ کرو”

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی خواہشات پر نہیں بلکہ اسلام کی تعلیمات کے
مطابق برائی پر اعتراض کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان یقین کر سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کام
کر رہے ہیں، جب کہ وہ نہیں ہیں۔ یہ اس وقت ثابت ہوتا ہے جب وہ برائی پر اس طرح اعتراض
کرتے ہیں جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ درحقیقت جس چیز کو نیکی سمجھا جاتا ہے وہ
اس منفی رویہ کی وجہ سے گناہ بھی بن سکتا ہے۔

ایک مسلمان کو قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق
نرمی اور منصفانہ طریقے سے برائی پر اعتراض کرنا چاہیے۔ ان خصوصیات کا مخالف صرف
لوگوں کو خلوص دل سے توبہ کرنے سے دھکیل دے گا اور غصہ کرنے کے نتیجے میں مزید
گناہوں کا باعث بن سکتا ہے۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ - 1

یمامہ کی جنگ کے بعد، جس میں بہت سے مسلمانوں کی ہلاکتیں ہوئیں، جن میں سے بہت سے قرآن پاک حفظ کر چکے تھے، عمر بن خطاب نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس خوف سے قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کرنے کی ترغیب دی۔ اگر قرآن پاک کے حافظ مرتے رہے یا لڑائیوں میں شہید ہوتے رہے تو ختم ہو سکتے ہیں۔ اس سے پہلے قرآن کریم کی آیات کسی ایک کتاب میں موجود نہیں تھیں، بلکہ وہ یا تو حفظ کی جاتی تھیں یا مختلف چیزوں مثلاً پتھروں پر لکھی جاتی تھیں، جو مختلف لوگوں کے قبضے میں تھیں۔ ابتدا میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کچھ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا کیونکہ وہ ایسا کام کرنے کی خواہش نہیں رکھتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے میں بہت سخت تھے۔ لیکن جب آخر کار عمر نے اصرار کیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ قرآن کریم کی آیات کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کرنے کے لیے یہی بہترین عمل ہے۔ ابوبکر نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس اہم اور مشکل کام کے لیے مقرر کیا۔ انہوں نے قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کرنے کے لیے انتھک محنت کی۔ یہ نسخہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی، پھر یہ عمر رضی اللہ عنہ کو اور آخر کار ان کی بیٹی اور مؤمنین کی والدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچ گئی۔ اس سے خوش صحیح بخاری نمبر 7191 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

انہوں نے قرآن پاک کو مستقبل کے مسلمانوں تک پہنچانے کو یقینی بنانے کے لیے انتھک محنت کی۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن کریم کے حقوق ادا کرتے ہوئے اپنی عظیم میراث کا احترام کریں کیونکہ یہی ان کی قربانیوں کا مقصد تھا۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس پر عمل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظر انداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو اسے سمجھنا ہے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے راہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور دنیاوی چیزوں مثلاً شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82

اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ”ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔“

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک دنیاوی مسائل کا علاج ہونے کے باوجود مسلمان کو صرف اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن مجید کو صرف اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے کہ وہ اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے اس کی تلاوت کریں، قرآن مجید کو ایک آلے کی طرح سمجھیں جو مشکل کے وقت بٹا کر دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام آخرت کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کر دینا اور اسے صرف اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو ابھی تک بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے، اس کے پاس کوئی انجن نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔

مثنیٰ ابن حارثہ رضی اللہ عنہ - 1

عمر بن خطاب کی خلافت کے دوران، اور سعد ابن ابی وقاص کے عراق پہنچنے سے پہلے، عظیم جرنیل مثنیٰ ابن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنی پچھلی لڑائیوں کے شدید زخموں سے انتقال کر گئے۔ بستر مرگ پر بھی اس کی فکر مسلمان سپاہیوں کی حفاظت کے لیے تھی کیونکہ اس نے سعد رضی اللہ عنہ کے لیے کچھ حکمت عملی کے مشورے چھوڑے تھے۔ اس پر امام محمد السلابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 2، صفحہ 150-151 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ دوسروں کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔
باب 17 الاسراء، آیت 53

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔“

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔“

عبداللہ ابن قیس رضی اللہ عنہ - 1

عثمان بن عفان کے دور خلافت میں معاویہ ابن ابو سفیان نے عبداللہ ابن قیس رضی اللہ عنہ کو بحریہ کا انچارج مقرر کیا۔ اس نے سمندر کے ذریعے کم از کم پچاس مہمات کی قیادت کی۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو محفوظ رکھنے کی بھرپور کوشش کی اور کسی سپاہی کو دشمن کے علاقے میں اسکاؤٹ کے طور پر بھیجنے کے بجائے وہ خود چلا جاتا۔ رومی علاقے میں اس کے اسکاؤٹنگ مشن میں سے ایک پر اسے دریافت کیا گیا، حملہ کیا گیا اور اسے شہید کر دیا گیا۔ امام محمد السلابی کی سیرت عثمان ابن عفان، ذون نورین، صفحہ 277-278 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس کے پاس جو عمدہ خصوصیات تھیں ان میں سے ایک مثال کے طور پر رہنمائی کر رہی تھی۔

تمام مسلمانوں خصوصاً والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں اس پر عمل کریں۔ اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹائے تو ظاہر ہے کہ جنہوں نے اپنی تبلیغ پر عمل کیا ان کا دوسروں پر ان لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی نہیں کی۔ بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا بلکہ ان تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ سختی سے عمل کیا۔ صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور پر، اگر ایک ماں اپنے بچوں کو خبردار کرتی ہے کہ جھوٹ نہ بولیں کیونکہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان کے سامنے جھوٹ بولتی ہے تو اس کے بچے اس کی نصیحت پر عمل کرنے کا امکان نہیں رکھتے۔ ایک شخص کے اعمال کا ہمیشہ دوسروں پر اس کی تقریر سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے کسی کو کامل ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے مشورے پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 3267 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جس شخص نے نیکی کا حکم دیا لیکن خود اس سے روکا اور برائی سے منع کیا اور خود اس پر عمل کیا وہ خود ہی اس پر عمل کرے گا۔ جہنم میں سخت سزا دی گئی۔ باب 61 الصف، آیت 3

“اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔”

لہذا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی نصیحت پر خود عمل کرنے کی کوشش کریں پھر دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کریں۔ مثال کے طور پر رہنمائی کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور اس کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی آل اور صحابہ کرام پر درود و سلام ہو۔

اچھے کردار پر 400 سے زیادہ مفت ای بکس

400 سے زیادہ مفت ای بکس: <https://shaykhpod.com/books/eBooks/AudioBooks> کے لیے بیک اپ سائٹ
<https://archive.org/details/@shaykhpod>
شیخ پوڈ ای بکس کے براہ راست پی ڈی ایف لنکس:
<https://spebooks1.files.wordpress.com/2024/05/shaykhpod-books-direct-pdf-links-v2.pdf>
<https://archive.org/download/shaykh-pod-books-direct-pdf-links/ShaykhPod%20Books%20Direct%20PDF%20Links%20V2.pdf>

دیگر شیخ پوڈ میڈیا

آڈیو بکس: <https://shaykhpod.com/books/#audio>
روزانہ بلاگز: <https://shaykhpod.com/blogs/>
تصویریں: <https://shaykhpod.com/pics/>
جنرل پوڈکاسٹ: <https://shaykhpod.com/general-podcasts/>
PodWoman: <https://shaykhpod.com/podwoman/>
PodKid: <https://shaykhpod.com/podkid/>
اردو پوڈکاسٹ: <https://shaykhpod.com/urdu-podcasts/>
لائو پوڈکاسٹ: <https://shaykhpod.com/live/>

ڈیلی بلاگز، ای بکس، تصویروں اور پوڈکاسٹوں کے لیے گمنام طور پر واٹس ایپ چینل کو فالو کریں:
<https://whatsapp.com/channel/0029VaDDhdwJ93wYa8dgJY1t>

ای میل کے ذریعے روزانہ بلاگز اور اپ ڈیٹس حاصل کرنے کے لیے سبسکرائب کریں:
<http://shaykhpod.com/subscribe>



Achieve Noble Character